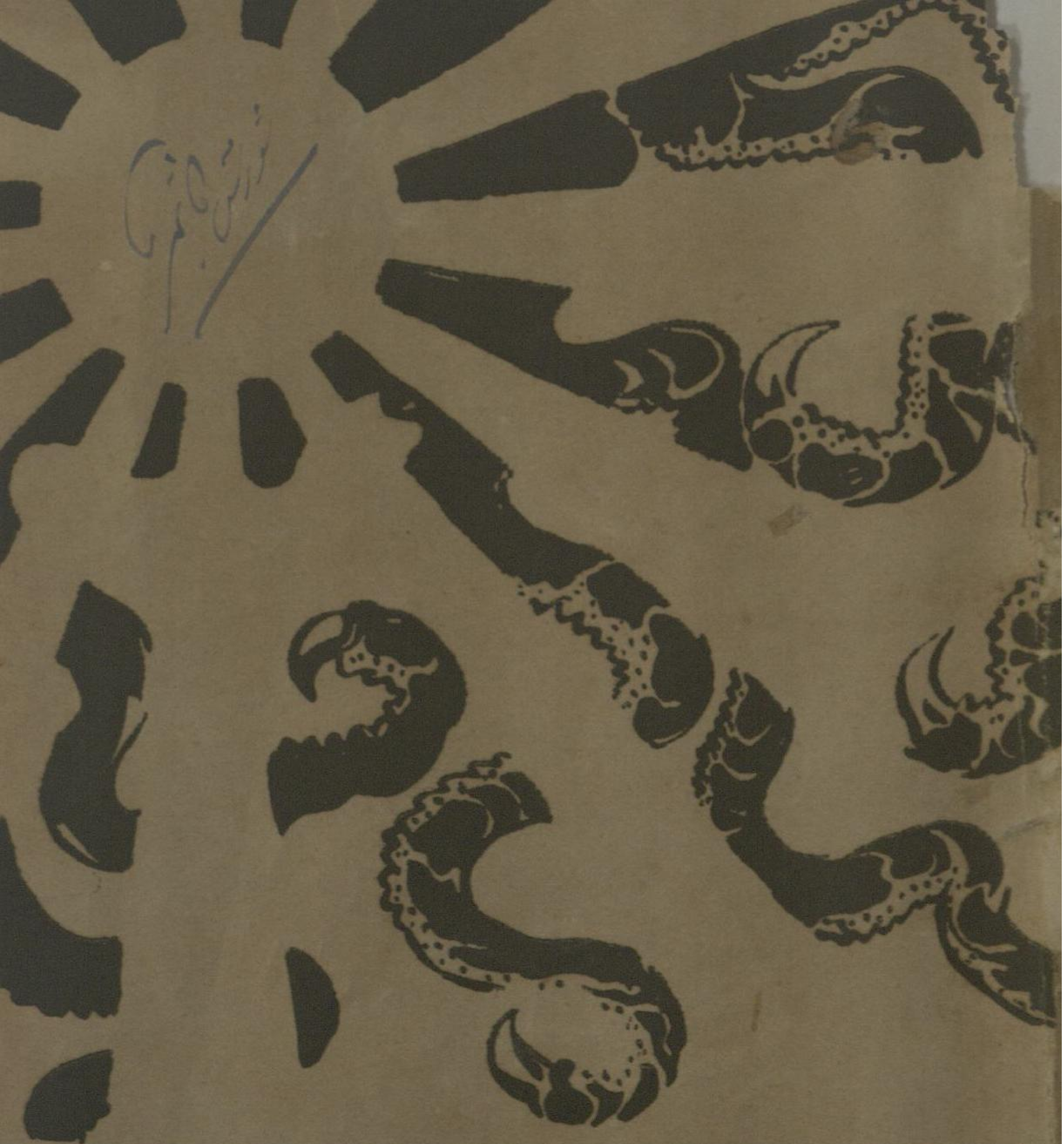


جاپان کا اصلی روپ

۹۵۳

م ۱۸۲۰ ع

اس کا اردو میں دو نسخے اور ہیں ۔ تمام نہیں

جاپان کا اصلی روپ

از

جیک چین

مترجم

محمد صادق

پیوپلس پبلشنگ ہاؤس بمبئی ۴
راج بھون سینڈھرسٹ روڈ

بار اوّل۔ دسمبر ۱۹۴۳ء قیمت۔ ایک روپیہ چار آنہ

شرف اطہر علی نے خلافت پریس بمبئی میں چھپوا کر پوپلس پبلشنگ ہاؤس راج بھون
سنڈہرسٹ روڈ سے شائع کیا بمبئی ۴

تمہید

آج جاپانی فوجیں ہمارے دروازے پر کھڑی ہیں۔ ہماری مشرقی سرحد پر بمباری ہو رہی ہے۔ حال ہی میں کلکتے پر بمباری ہوئی ہے جہاں بنگال کے فاقہ کش پہلے سے موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس میں جاپانی بموں نے ایک سو ساٹھ بے گناہ موتوں کا اور اضافہ کر دیا۔ جاپانی ریڈیو چیخ چیخ کر پروپگنڈا کر رہا ہے کہ "ہم ہندستان کو آزاد کرانے آ رہے ہیں"۔ سبھاش چندر بوس ان سے جاملا ہے اور ہندستان کو جاپانیوں کی غلامی میں دینے کے لئے غداری کا جال بچھا رہا ہے۔

جاپان کا ایشیا کو آزاد کرانے کا دعویٰ نیا نہیں ہے۔ ایشیا کو آزاد کرانے کے لئے جاپان چین کے پُر امن باشندوں سے سات سال سے لڑ رہا ہے۔ اس سے پہلے انسانی تاریخ میں اتنی بھیانک لڑائی کبھی نہیں لڑی گئی۔ ان مظالم کی دوسری مثال صرف جرمنوں نے یورپ اور سوویت یونین میں پیش کی۔ چین کا مشہور ادیب لن یوتانگ جاپانی مظالم بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"جب سے خدا نے یہ دنیا بنائی ہے کبھی انسانی آنکھوں نے یہ ہولناک منظر نہیں دیکھا کہ سپاہی ہنستے ہوئے بچوں کو ہوا میں اچھال کر ان کے ننھے ننھے جسموں کو بڑی مشاقی سے اپنی سنگینوں کی نوک پر روک لیں اور اس کو کھیل سمجھیں۔ قیدیوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ان کو سنگین کی مشق کے لئے استعمال کریں۔ کھلے بازار میں مہذب جاپانی سورما پاجامے اُتار کر گشت زنی کریں! ----- کیا ایسی

حیوانی حرکتوں کا کوئی جواز ہے؟

ایشیا کی آزادی سے جاپان کا کیا مطلب ہے یہ خود جاپان کے سابق وزیر اعظم تناکا کی زبان سے سنئے جس نے ۱۹۲۷ء میں بادشاہ کے سامنے ایک یادداشت پیش کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ

”چین کو فتح کرنے کے لئے ہمیں منچوریا اور منگولیا فتح کرنا چاہئے۔ دنیا کو فتح کرنے کے لئے ہمیں پہلے چین فتح کر لینا چاہئے۔ اگر ہم چین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو تمام ایشیائی ممالک ہم سے ڈرنے لگیں گے اور ہمارے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے۔“

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک جاپان نے منچوریا، شمالی چین اور منگولیا کے کچھ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور جاپان کے فوجی حاکموں نے ”نی ہان“ (ایک جاپانی اخبار) میں یہ اعلان کیا کہ ”آنے والی لڑائی دنیا پر قبضہ کرنے کی جدوجہد ہوگی۔“ چنانچہ جاپان چین سے لڑتا رہا۔ وہاں کی پوری قوم اپنے دشمن کے خلاف ایک لوہے کی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ اور جاپان کا ایشیا اور دنیا پر قبضہ کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۱ء میں جاپان نے ملایا پر حملہ کر دیا۔ اب جاپان فلپین، انڈونیشیا، ملایا اور برما پر قبضہ کر کے بیٹھا ہے اور ہندستان پر قبضہ کرنے کے منصوبے کر رہا ہے۔ اور ہم کو اس فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے کہ جاپان یہ لڑائی ہندستان کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے۔

جاپان، ایشیا اور دنیا پر کیوں قبضہ کرنا چاہتا ہے وہ آپ کو اس کتاب سے معلوم ہوگا۔ اس کتاب سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ جاپان کی اندرونی حالت کیا ہے۔ یہ لڑائی جاپانی عوام کی مرضی سے نہیں لڑی جا رہی ہے۔ بلکہ چند سرمایہ دار جو فوجوں اور ہتھیاروں کے

بوتے پر اپنے ملک کے عوام کو کچل رہے ہیں۔ وہی اس لڑائی کے ذمہ دار ہیں۔ وہی ایشیا کی پُرامن اقوام کے خلاف وہ تہذیب سوز حرکتیں کر رہے ہیں جن پر چین کی تاریخی سرزمین خون کے آنسو رو رہی ہے۔ جاپان کے مزدور اور کسان اپنے ان حاکموں سے اُکتائے ہوئے ہیں جو ان کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لینا چاہتے ہیں۔ جاپانی مال کے سستے ہونے کا راز یہی ہے کہ وہاں کے مزدوروں کی مزدوریاں بے انتہا کم ہیں۔ چنانچہ وہاں کے مزدور اور کسان بیحد غیر مطمئن ہیں۔ جاپان میں ۱۹۱۷ء میں کسانوں کی ۸۵ بغاوتیں ہوئیں ۱۹۳۰ء میں ۲۴۰۸ بغاوتیں اور ۱۹۳۲ء میں دو ہزار بغاوتیں ہوئیں۔ یہ سب بغاوتیں بڑے خون خرابے کے بعد کچل دی گئیں۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء کے ابتدائی پانچ مہینوں میں ۴۰۸ مزدور ہڑتالیں ہوئیں۔ ۱۹۲۲ء میں جاپانی کمیونسٹ پارٹی قائم ہوئی جو روپوش ہے اور جاپانی فاشزم کے خلاف دنیا کے عوام کے دوش بدوش لڑ رہی ہے۔

چنانچہ ۵ راگست ۱۹۴۲ء کو جاپانی کمیونسٹ لیڈر کامریڈ اوکانو نے ہندستانی کمیونسٹ پارٹی کے نام ایک برادرانہ پیغام بھیجا۔ انھوں نے لکھا کہ

"اس وقت ہندستانی عوام کو جاپانی فاشسٹوں کے حملے کا خطرہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہندستان کی عظیم الشان قوم تمام فاشسٹ دشمن اقوام کے دوش بدوش اس خون آشام دشمن کا مقابلہ کرے گی۔

۔۔۔۔جب سے جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا ہے، اسی وقت سے ہماری کمیونسٹ پارٹی اور جاپانی عوام اپنے چینی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے مشترکہ دشمن کے مقابلے پر بڑی بہادری اور بے انتہا قربانیاں دے کر لڑ رہے ہیں۔ اب ہم ہندستانی قوم اور ہندستانی

کمیونسٹ پارٹی کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تاکہ ہم مشرقی اقوام کے مشترکہ دشمن (جاپانی فاشزم) کے خلاف کامیابی سے لڑ سکیں"۔ (قومی جنگ۔ ۲۲ر اگست ۱۹۴۳ء)

اس کے بعد ہم ہندستانیوں کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی مشکل نہیں ہوگی کہ وہ جاپانی درندے جو ہماری سرحد پر کھڑے ہیں ہمارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں اور ان کی خون آشامی سے اپنے وطن کی حفاظت کرنا ہم سب کا مقدس ترین فرض ہے۔

مترجم
بمبئی۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء

پہلا باب

بحرالکاہل مُرقّع

جاپان کے مقاصد

۷؍ دسمبر ۱۹۴۱ء کو اتوار کے دن صبح سویرے جب کہ جاپان کے خاص سفیر واشنگٹن میں امریکن وزرا کے ساتھ صلح کی بات چیت کر رہے تھے اچانک دو سو جاپانی ہوائی جہاز اپنے طیارہ برداروں[لہ] سے اُڑے اور اپنے اڈوں سے تین ہزار میل سے زیادہ بحرالکاہل کو طے کرتے ہوئے ہوائی کے "پرل ہاربر" پر ٹوٹ پڑے، اس ناقابل تسخیر ہوائی اڈے پر ریاست ہائے متحدہ کی خاص بحری فوجوں کا ایسا پڑاؤ ہو رہا تھا جیسے کوئی معائنہ ہونے والا ہے۔ سیکڑوں ہوائی جہاز قطار در قطار ہوائی اڈے پر کھڑے ہوئے تھے اور صبح کا محافظ دستہ "کوئی خاص بات نہیں" کی اطلاع دینے اڑ چکا تھا۔

اس پُرسکون منظر پر جاپان کے بم گرانے والے جہاز جھپٹ پڑے، اور بہت سی ڈبکنی کشتیاں بندرگاہ میں داخل ہو گئیں، چند ہی منٹ میں تیس ہزار ٹن والے دو جنگی جہاز اور پانچ دیگر لڑائی کے جہاز ڈوب چکے تھے اور بہتوں کو نقصان پہونچ چکا تھا، جاپانیوں نے اپنے دعوے میں آٹھ جنگی جہاز اور ایک کروزر بیان کیا ہے۔ کم سے کم اسّی ہوائی جہاز زمین پر بھی تباہ کر دئے گئے، حکومت کی طرف سے ہوائی فوج کے مرنے والوں کی تعداد تین ہزار بتائی جاتی ہے، اس کے بعد دوسرا اور پھر

لہ Aeroplane Carriers.

تیسرا حملہ ہوا لیکن چونکہ اب کے امریکن بے جگری سے لڑے اور باقاعدہ بچاؤ کیا گیا اس لئے جاپانیوں کو ناکامیاب ہو کر بحر الکاہل کی دھندلی فضا میں غائب ہونا پڑا۔

ناقابلِ مثال مکاری

جنگی تاریخ کے سیاہ ترین حملوں میں سے ایک حملہ چار ڈبکنی کشتیوں (جن میں سے تین دو آدمیوں والی خود کشتی مشینیں تھیں) اور کچھ ہوائی جہازوں کی قیمت پر کامیاب ہو گیا، اسی کے ساتھ امریکہ کے بحر الکاہل والے ہوائی اڈوں مڈوے، ویک اور گوام جزیروں پر جو ہوائی سے پوربی بحر الکاہل تک، امریکہ کے قدم جمانے کے مقامات تھے، جاپانیوں نے حملے کئے، حملہ کرنے والی ٹولیاں فلپائن، پر اتر پڑیں، تھائی لینڈ میں گھس گئیں اور برطانوی ملایا، کے ساحل پر ہلہ بول دیا، جاپانی بم برسانے والوں نے ڈچ ایسٹ انڈیز، ہانگ کانگ، بورنیو، اور برطانیہ کے ساٹھ لاکھ پونڈ والے بحری قلعے اور "مشرق کی کنجی" سنگاپور پر چڑھائی کر دی۔

اتوار کو تمام دن جنوبی سمندروں کے گھنی آبادی والے شہروں میں خطرے کی گھنٹیاں گونجتی رہیں جوں جوں، چڑھتے ہوئے سورج والے نشان کے ہوائی جہاز چاروں راجدھانیوں پر موت کی بارش کرتے رہے، مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد بڑھتی گئی مبصروں نے شام کے اخبارات میں بیان کیا کہ ہوائی حملے کی تیاریوں میں کم سے کم دس دن لگے ہوں گے، اس لئے جاپانی سفیر کروسو کو ٹوکیو چھوڑتے وقت ہونے والے قتلِ عام کا پورا علم تھا، اس کی حیثیت ایک جاپانی دھوئیں کی چادر سے زیادہ کچھ نہ تھی، ایڈمرل اور جنرل جو ابھی یہ کہہ کر بیٹھے تھے کہ ہم ہر قسم کی افتاد کے لئے تیار ہیں، اب یہ فرمانے لگے کہ ہم تیار نہ تھے۔ محوری جنگی چالوں کو دو سال تک دیکھتے رہنے کے بعد انہیں بدعہدی کی شکایت تھی، ان پہلی کامیابیوں کے بعد شام ہوتے ہی جاپانی

۱؎ جاپان کے جھنڈے کا نشان

ہائی کمانڈ نے برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور دوسری صبح کو آسمانی "ٹیکیڈ و" نے جاپانی افواج کو دعائے خیر دی۔ اس طرح سے برلن، روم، ٹوکیو، محور کا شرق بعید کا ساتھی دیدہ دلیری سے جنگ میں کود پڑا، اور وہ جنگ جو جاپان نے ۱۹۳۱ء میں منچوریا سے شروع کی تھی اب ایک عالمگیر جنگ میں بدل گئی —— چند ہی گھنٹوں کے اندر بارہ اور قومیں شریک جنگ ہو گئیں۔

جاپانی منصوبے

جاپان کے شہنشاہیت پرستوں نے، اپنے ارادوں کو کبھی نہیں چھپایا، وزیر اعظم وزیر خارجہ اور فوجی افسروں نے بار بار اپنی فتوحات کی تدابیر کا اعلان کیا۔ ہر جاپانی بچے کو پہلے شہنشاہ جموٹمنون کے یہ مقدس الفاظ رٹائے جاتے ہیں: "ہم ساری دنیا میں اپنے دار السلطنت بنائیں گے اور ساری دنیا کو اپنی سلطنت" جاپانی بچہ عالم ہر آتا سے یہی سیکھتا ہے کہ "جاپانی قوم کو الوہی نژاد ہونے کے سبب اور تمام ملکوں کے باشندوں پر عقل اور بہادری میں لا انتہا برتری حاصل ہے" "تاریخ برائے مڈل اسکول" میں ہر لڑکے کو یہی پڑھایا جاتا ہے کہ "جاپانیوں جیسا کردار دنیا بھر میں کسی کا بھی نہیں" ایک طالب علم کی حیثیت سے وہ پڑھتا ہے کہ "یہ بات اب بالکل ظاہر ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی نجات ہماری شہنشاہیت کا مقصد ہے"۔ جب وہ فوجی تربیت پاتا ہے تو جنگی دفتر کے پمفلٹ میں پڑھتا ہے "ہم عہد کرتے ہیں کہ زمین سے ناانصافی اور عدم مساوات کو مٹا کر انسانوں میں دائمی مسرت پیدا کریں گے اور دنیا کی تمام نسلوں کو ایک خوشگوار مرکز پر جمع کر دیں گے اور زیادہ کھلے الفاظ میں یہ کہ "امن عالم کے قیام کے بنیادی اصول، ملکی سرحدوں، قدرتی وسائل اور آبادی کی زیادہ عاقلانہ تقسیم یا دوبارہ تقسیم پر قائم ہونے چاہئیں"۔ جنرل اراکی، ایک زبردست چرب زبان وزیر جنگ کی حیثیت سے لکھتا ہے "ہمارا شہنشاہی اخلاق سارے زمانے پر چھا جانا چاہئے اور اس کی راہ میں جتنی بھی رکاوٹیں حائل ہوں سب کو دور کر دینا چاہئے

چاہے اس میں تشدد ہی کیوں نہ استعمال کرنا پڑے۔ جاپان کا تاریخی مقصد مشرقی ایشیا، چین، ہندستان، وسطی ایشیا، سائبریا، منگولیا کی ریاستوں کو بچانا ہے، مشرقی ایشیا کے بہت سے ملکوں پر سفید نسل کا تسلط ہے، جاپان کو مشرقی ایشیا کے کسی حصے میں ہونے والی بدنظمی کے ایک واقعہ کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔"

دوسرے اعلان کرنے والے بھی اگرچہ اتنے اونچے دماغ والے نہیں لیکن صاف گوئی میں ان سے کم نہیں۔ یشرا نوسکے، جو جاپان کی معاشیاتی مجلس وفاق کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں فرماتے ہیں "میں شدت سے محسوس کرتا ہوں کہ جاپان کو نوآبادیات کی ضرورت ہے اور میں کھلے طور پر اُن کے لئے اصرار کرتا ہوں۔"

ٹناکا میموریل

۱۹۲۷ء میں جنرل ٹناکا، نے وزیراعظم کی حیثیت سے شہنشاہ کے نام اپنی بہوائے عام یادداشت (میموریل) شائع کی جس میں اس نے نہ صرف جاپان کے سامراجی منصوبوں کی عالمگیر نوعیت کو مفصل طور پر بیان کیا تھا بلکہ ساتھ ہی اس طریقۂ کار کو بھی جس کے ذریعے وہ اس کے حصول کی توقع رکھتا تھا۔

ایک خاص طور پر بلائی ہوئی ریاستی کمیشن سے کافی بحث مباحثہ کے بعد ٹناکا میکیڈو کو مخاطب کرتا ہے:۔

"رضائے الٰہی یہی معلوم ہوتی ہے کہ میں مشرق بعید میں ایک نئے دور کے آغاز اور ایک نئی برّاعظمی سلطنت کی تعمیر میں آپ کی مدد کروں، تینوں صوبے (منچوریا) مشرق بعید پر ایک سیاسی دھبہ ہیں (یہ ان صوبوں پر جاپانی قبضہ سے پہلے کی بات ہے) اپنے اور دوسروں کی بچاؤ کی خاطر 'جاپان' مشرقی ایشیا کی مشکلات دور نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ 'خون اور فولاد' کی پالیسی پر

عمل نہ کرے، لیکن ایک ایسی پالیسی پر چلنے میں اُسے ریاست ہائے متحدہ کے مقابل آنا ہوگا، اگر ہم آئندہ چین پر قابو پانا چاہتے ہیں تو ہمیں ریاست ہائے متحدہ کو اُسی طرح کچل دینا ہوگا جیسے کہ روس اور جاپان کی لڑائی میں روس کو کچل دیا گیا تھا۔ لیکن چین کو فتح کرنے کے لئے ہمیں پہلے منچوریا، اور منگولیا کو فتح کرنا ہوگا، دنیا کو فتح کرنے کے لئے چین پر پہلے قبضہ ہونا چاہئے، اگر ہم چین کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایشیا کے تمام ممالک جو جنوبی سمندر میں واقع ہیں ہم سے ڈریں گے اور ہمارے سامنے گردنیں جھکا دیں گے، اس وقت دنیا سمجھے گی کہ مشرقی ایشیا ہمارا ہے اور ہمارے حقوق میں دخل اندازی کی جرأت نہ کر سکے گی یہی وہ نقشہ ہے جو ہمیں شہنشاہِ میجی[1] سے ورثہ میں ملا ہے اور اس کی کامیابی ہماری قومی بقا کے لئے رگِ جان کی اہمیت رکھتی ہے، چین کے ذخیرے اپنے قبضے میں لانے کے بعد ہم ہندستان، آرچی پلیگو (ڈچ ایسٹ انڈیز فلپائن وغیرہ) ایشیائے کوچک، وسطِ ایشیا اور یورپ تک کو فتح کرنے کے لئے بڑھیں گے، منچوریا اور منگولیا، پر ہمارا تسلط محض پہلا ہی قدم ہے۔"

اِس میمورنڈم میں سوویٹ کی جھیل بیکل تک مشرق بعید کے علاقوں کو فتح کرنے کی تجویزیں بھی پیش کی گئی تھیں (یہ درحقیقت محض ایک تمہید تھی) ۳۱، ۱۹۳۶ء میں شمالی چین، منگولیا کے ایک حصے، اور منچوریا پر واقعی قبضہ کی تجویز "تناکا کی پہلی منزل تھی"۔ جاپانی فوجی مبصروں نے اخبار نیہون میں اعلان کر دیا کہ "یہ لڑائی اب ساری دنیا پر تسلط پانے کے لئے ہوگی"۔ جاپانی دفتر خارجہ کے نیم سرکاری اخبار نے لکھا کہ "منچوریا جاپان کی شہ رگ ہے لیکن اس کی خام پیداوار کے ذرائع اور صنعتی مال کی منڈیاں، اس کی حد سے دور جنوب میں واقع ہیں یعنی جنوبی ایشیا کا

---

[1] شہنشاہِ میجی نے ہی ۱۸۶۶ء میں سامراجی توسیع کی مہم کا آغاز کیا تھا۔

حلقہ، ملایا کی ریاستیں ڈچ ایسٹ انڈیز اور بحر جنوبی کے جزائر۔ منچوکو کی ترقی قدرتی طور پر منچوکو اور جاپان کی درمیانی تجارت کو فروغ دے گی، لیکن پھر جاپان کو منچوکو کے مال سے تیار شدہ مصنوعات کے لئے بھی منڈیاں تلاش کرنی ہیں۔

جاپان کے لئے خوراک کے ذخیرے جنوبی ایشیا میں موجود ہیں، وہاں کے وسیع علاقے اور بے شمار پیداوار جاپانیوں کی منتظر ہے، جنوبی سمندروں کے زبردست قدرتی ذرائع جاپانیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہیں۔ بحرِ جنوبی میں پچاس کروڑ آدمیوں کو کھلانے کے لئے کافی گنجایش ہے"۔ سلطنت کی ذمہ داریاں کس طرح یکے بعد دیگرے بڑھتی جا رہی ہیں؟ ہر شخص آسمانی شہنشاہیت کے دندانِ آز کو جنوبی بحری جزیروں میں تقریباً گڑتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔

ناکامیاں

لیکن تناکا کی تجویز کا دوسرا حصہ یونہی رہ گیا، سویت کی مشرق بعید میں بڑھتی ہوئی فوجی طاقت نے جاپانی سموراؑئی کو دوبارہ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ باوجودیکہ اُنہیں امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے بودی پالیسی والے سیاست دانوں سے مدد مل رہی تھی پھر بھی چینیوں نے سخت ترین اذیت کے باوجود اپنے نہ جھکنے کے زبردست ارادے کو قائم رکھا، محض چند سال کے اندر انھوں نے ایک لاکھ سے زائد حملہ آوروں کو زخمی کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا، یہاں تک کہ جاپان کوئی زیادہ مؤثر اگرچہ کم سیدھا ذریعہ اپنے مقصد تک پہونچنے کے لئے ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں بحری فوجوں کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے وائس اڈمرل تاکاحاشی، نے کہا کہ "چونکہ شمال میں جاپان کی اقتصادی ترقی میں تاخیر ہو گئی ہے۔ ہماری توجہ جنوب کی جانب ہونی چاہیے"۔ اور خاتمہ پر کہا کہ "ایسی صورت میں جاپانی بحری بیڑے کا جنگی حلقہ

ہٹا فوجی سردار۔

ایک دم نیوگنی، بورنیو اور سیلیبس تک بڑھا دینا چاہئے۔"

گویا دوسرے الفاظ میں اس نے اعلان کیا کہ جاپانی سلطنت کو وسعت دینے کی تدبیروں کے افسوسناک طور پر رُک جانے کے سبب اب ہمیں بحر جنوبی میں توسیع کی تجویز پر زیادہ سختی سے عمل کرنا چاہیے تاکہ بر اعظم پر نقل و حرکت کی زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو سکے، اس بات کے لئے بہت سے مضبوط دلائل موجود تھے، کہ جاپانی حاکموں نے اس حملے کے لئے جو ان کے نزدیک ان کی تمام مشکلات کا حل تھا، دسمبر ۱۹۴۱ء کو کیوں منتخب کیا۔ ۱۹۴۱ء میں چین کے ساتھ مسلسل چار سال جنگ کرنے کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ چین کی مضبوط مدافعت میں مصالحت کی گنجائش نہیں، اور اس کے ساتھ بڑھتی ہوئی جمہوری مدد یقیناً چین میں جاپان کو شکست کا منہ دکھائے گی اور آخر کار ایک زبردست جاپانی ایشیائی سلطنت کی تمام تجویزیں خاک میں مل جائیں گی۔ اس پر طرہ یہ کہ برطانیہ، سوویت روس اور امریکہ، سب کے سب ہٹلری جرمنی کے مقابلہ میں ایک سخت اور اہم جنگ میں مصروف ہو گئے تھے، جیسا کہ ہمیشہ کے منہ پھٹ جاپانی لیڈروں نے کہا کہ "ایسی سازگار کیفیت اب شاید ہزار سال تک دوبارہ پیدا نہ ہو۔"

جنوبی حملے کے اسباب

یہ صاف ظاہر تھا کہ حالات کا یہ اجتماع جاپان کو اس کے منصوبوں کی درمیانی رکاوٹوں پر ایک زبردست ضرب پہنچانے پر مجبور کر رہا تھا اور ضرب بھی ایسی جو برطانیہ، سوویت روس — امریکی اتحاد اور چین کو سامان رسد پہنچانے کے ذریعے اور ان کے اہم راستے برباد کر دے، جو ساتھ ہی ساتھ جاپان کو چین میں اور زیادہ رسد رسانی کا کہیں زیادہ لمبی جنگ کے لئے یقین دلائے۔ اور جس کا مقصد جنوبی بحری جزیروں کی لاانتہا دولت، ان کے اہم مقامات اور خصوصاً "مشرق کی کنجی" سنگاپور پر قبضہ کرنا ہو۔ ۱۹۴۱ء میں نیا عہدہ قبول کرتے ہی موجودہ وزیر اعظم جنرل ٹوجو نے اعلان کیا کہ

"برطانیہ عظمیٰ اور ریاست ہائے متحدہ جو امریکہ برطانیہ، چین اور ڈچ ایسٹ انڈیز

پر مشتمل ایک مشترک جنگی دائرہ بنائے ہوئے ہیں اور جن کے افعال خدا اور انسانیت کے لئے ایک توہین اور ناانصافی کا سبب بن رہے ہیں جبکہ صحیح طور پر جاپان کے مقصد کو نہیں سمجھتے اور اس کے مشن میں رکاوٹ ڈالنے سے باز نہیں آتے اس وقت تک ہم سختی کے ساتھ اُن سے لڑنے کا عہد کرتے ہیں۔ ایشیا ایشیا والوں کے لئے!

دست درازی کے ستّر سال

لیکن افعال الفاظ کے سر چڑھ کر بولتے ہیں۔ یہاں ۱۹۴۱ء کی جنگ کے لئے جاپان کی ستر سالہ تیاریوں کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے:۔

سنہ ۱۸۶۸ء۔ ٹوکوگاوا کلان کی بے اثر فوجی حکومت کا تختہ ستسوما اور چوشو کلان درباری رؤسا اور رونین کے اشتراک سے اُلٹ دیا گیا۔ اس مشترکہ جماعت کو روپے دینے والے اوساکا کے مٹسوئی اور سمی ٹومو جیسے زبردست تجارت خانے تھے۔ اسی مشترکہ وزارت نے اصلی طاقت اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے شہنشاہ میجی کو جو درحقیقت فوجی حکومت کا ایک بے بس قیدی رہ چکا تھا دوبارہ شہنشاہیت بخش دی۔ اسی کو میجی ریسٹوریشن (بحالی) کہتے ہیں۔

سنہ ۱۸۷۰ء۔ دوسرے ملکوں کی تحقیقات کے لئے وزیر روانہ کئے گئے۔

سنہ ۱۸۷۲ء۔ لوچو جزیروں پر قبضہ کر لیا گیا۔

سنہ ۱۸۷۴ء۔ فورموسا پر حملہ کیا گیا۔

سنہ ۱۸۷۵ء۔ جاپان نے کرلی اور بونین جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ سب چینی جزیرے تھے اور یہی جاپانی دست درازیوں کے لئے قدم رکھنے کے ٹھکانے بن گئے۔

سنہ ۱۸۹۴ء۔ جاپان نے حملہ کر کے چین کو شکست دی اور جزیرہ نما لیوٹنگ۔ فورموسا اور پیسکے ڈورز اپنی سلطنت میں ملا لئے اگرچہ بعد میں اُسے روس، جرمنی اور فرانس کے مشترکہ دباؤ سے

جزیرہ نما لیوٹنگ چھوڑنا پڑا۔ دس سال تک جاپان اپنی بحری اور بری فوج کو مضبوط بناتا رہا اور ۱۹۰۵ء میں اُس نے زار روس پر حملہ کرکے اسے شکست دے کر جزیرہ سکھالن کے جنوبی نصف حصے اور جنوبی منچوریا کی اہم ریلوں پر قبضہ جمالیا۔ جزیرہ نما لیوٹنگ واپس لے لیا اور کوریا کو اپنی حکومت میں ملا لیا۔ اس کوشش میں اسے تمام مالی امداد اپنے ۱۹۰۲ء کے حلیف برطانیہ سے ملی جس نے اسے روسی شہنشاہیت کا مقابلہ کرنے کے لئے آلۂ کار بنایا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ نے صلح کی گفتگو میں بروقت اور براہِ راست مداخلت کرکے اسے جنگ کے بوجھ سے دب کر تباہ ہو جانے سے بچالیا۔

۱۹۱۴ء:۔ اتحادیوں میں سے ایک ہونے کی حیثیت سے جاپان نے ایک دوسرے اتحادی چین کے ایک صوبہ شانٹنگ کو قابض جرمن فوجوں سے چھین لیا اور مکرونیشیا کے تمام ۲۵۵۰ جزیروں پر جو مغربی بحرالکاہل کی شرقی حدود تک چھائے ہوئے تھے قبضہ کرلیا۔

۱۹۱۵ء:۔ جاپان نے چین کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے جو اس ملک کو بالکل ہی جاپانی نو آبادی بنا دیتے لیکن ایک زبردست عوامی احتجاج اور بڑی طاقتوں کے مفاد کے تصادم نے کمزور چینی گورنمنٹ کو ہیر ڈالنے سے روک لیا۔

۱۹۱۸ء:۔ جاپان نے دوسرے اتحادیوں کی گٹھ بندی سے روسی سائبریا پر قبضہ کرلیا لیکن بعد میں اُسے معہ دیگر اتحادیوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔

۱۹۲۲ء:۔ جاپان نے شمالی سکھالین پر قبضہ کرلیا جو اسے ۱۹۲۵ء میں خالی کرنا پڑا (سویت یونین نے تیل اور کانوں کی کچھ مراعات دیدیں)

۱۹۲۲ء:۔ واشنگٹن کانفرنس میں جاپان کو چین کا شانٹنگ واپس کرتے اور اس بحری معاہدے پر

مہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اطالیہ۔

پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا گیا جس سے برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ کے مقابلہ میں اس کی طاقت ۵، ۵ اور ۳ کی نسبت سے رہ گئی۔ اُسے یہ بھی وعدہ کرنا پڑا کہ مگر دنیشیا کو جو اُسے (بین الاقوامی) لیگ معاہدہ کی رو سے ملا تھا قلعہ بند نہ کرے گا۔ نہایت بد دلی کے ساتھ اس نے نو طاقتوں کے صلح نامے پر چینی سلطنت اور اس کی حدود کو برقرار رکھنے کی ضمانت دیتے ہوئے دستخط کئے۔ ان چوٹوں سے تلملا کر جاپان نے نہایت شد و مد کے ساتھ دنیا پر اپنی مرضی غالب کرنے کی نئی تیاریاں شروع کر دیں۔

سنہ ۱۹۲۷ء:۔ شانٹنگ پر دوبارہ فوج کشی کی لیکن بعد میں پیچھے لوٹنا پڑا۔

سنہ ۱۹۳۰ء:۔ جاپان نے لندن بحری صلحنامہ پر دستخط کئے۔ اس میں صاف طور پر حصے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ وزیر اعظم ہماگوچی اُن فوجیوں اور بحری جنگجوؤں کے ہاتھوں مارا گیا جو جاپان پر مغربی طاقتوں کی عائد کی ہوئی ہر بندش پر چڑ چڑاتے تھے۔

سنہ ۱۹۳۱ء:۔ جاپان نے منچوریا پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ سر جان سائمن نے اس فعل کی شد و مد سے حمایت کی۔

سنہ ۱۹۳۲ء:۔ جاپان نے شنگھائی پر فوج کشی کی اور ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ یہ چین کا سب سے زیادہ مالدار بندرگاہ اور اس کی تقریباً اسی فیصدی تجارت کا راستہ تھا۔ مقامی چینی فوجوں کی سخت مدافعت نے شہر کو بچا لیا۔

سنہ ۱۹۳۳ء:۔ جاپان نے شمالی چین کے دروازے شانگھائی کوان، صوبہ جیہول اور پھر شمالی چین پر قبضہ کر لیا اور لیگ آف نیشنز کی تجاویز کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کی رکنیت سے استعفےٰ دیدیا۔

سنہ ۱۹۳۴ء:۔ جاپان نے واشنگٹن بحری معاہدہ کی برائے نام تجدید کی، دوسری طاقتوں کے ساتھ

ایک سخت تجارتی جنگ جاری رکھی اور اہم مقامات پر جیسے چین، تھائی لینڈ، فلپائنز، ہندستان، انڈونیشیا، جنوبی امریکہ، ہوائی، ملایا اور بورینو میں اپنے بیشمار ایجنٹ مقرر کر دیئے اور جاپانی اصول مونرو[1] کا اعلان کر دیا جو یہ تھا کہ "چین سے دستبردار ہو جاؤ، مشرقی ایشیا میں جاپان کے مخصوص حقوق ہیں۔"

سنہ ۱۹۳۶ء: جاپان نے لندن بحری کانفرنس میں برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے ساتھ بحری برابری کا مطالبہ کیا جو ٹھکرا دیا گیا۔ جاپان نے کانفرنس سے قطع تعلق کر کے ایک اور زبردست بحری ہتھیار بندی کی دوڑ شروع کر دی اور مکرونیشیا کو قلعہ بند کر دیا۔ اسی دوران میں سنہ ۳۶ء کے بحران کو حفظ ماتقدم کے لئے بہانہ بنا کر جاپانی صنعت اور وسائل کی ایک مکمل فوجی تیاری کر لی گئی جس کی ابتدا کابینہ کے اُن تمام وزیروں کے منظم قتل سے ہوئی جو "مکمل" جنگ کی مخالفت کے لئے مشہور تھے۔ جاپان چین میں اندجنوب کی طرف بڑھا، مخصوص اور خفیہ ایجنٹوں کے جتھے آگے ہی پہنچ گئے تھے، جاپان نے نئے حلیفوں کی تلاش میں جرمنی کے ساتھ اینٹی کمنٹرن[2] معاہدے پر دستخط کئے جو جاپان سے مشرق میں گڑبڑ کرانا چاہتا تھا۔

سنہ ۱۹۳۷ء: چین پر پوری طاقت سے چڑھائی شروع ہوئی۔ جاپانی فوجیں بہت اندر تک گھس گئیں لیکن چینی فوجوں کو مسخر نہ کر سکیں، چینی چھاپہ مار دستوں نے جاپانیوں کو قدم نہیں جمانے دیئے جاپان نے چین کے ساحل کا محاصرہ کر لیا۔ بیرونی اقوام کے مفاد کچل کر چین سے خارج

لے 1. Monroe Doctrine.

لے سوویت روس اور دنیا کی تمام اشتراکی جماعتوں کے خلاف فاسسٹ طاقتوں یعنی جرمنی، اطالیہ اور جاپان کا باہمی معاہدہ جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ممالک خصوصاً برطانیہ، امریکہ اور چین کی اُن تمام جماعتوں کو برانگیختہ اور متحد کیا جائے جو کسی نہ کسی سبب سے اشتراکیت کے خلاف ہیں۔

کئے گئے۔ اور دریائے یانگ ٹزی اُن کی جہازرانی کے لئے بند کردیا گیا۔ برطانوی سفیر کو شین گن کا نشانہ بنایا گیا اور ریاستہائے متحدہ کا گن بوٹ 'پنائے' ڈبو دیا گیا۔

سنہ ۱۹۳۸ء: فیوکین کے ساحل اور کینٹون پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ ناپاک حملہ ہٹلر کی میونخ[1] والی کامیاب مکاری کے فوراً ہی بعد ہوا۔ اس طرح جاپان نے ہانگ کانگ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ہینان کے جزیرے پر جو ہانگ کانگ اور انڈوچین کے ساحل کے بالکل اوپر واقع ہے اور اسپرٹیلے کے سونگے کے جزیروں پر جو سنگاپور۔ ہانگ کانگ اور فلپائن کے راستوں کے بیچ میں پڑتے ہیں اور جہاں سے بحرجنوبی کے اہم فوجی مقامات پر باسانی بمباری کی جا سکتی ہے۔ قبضہ کر لیا۔

سنہ ۱۹۳۹ء:۔ اسی دوران میں برطانوی تاجروں کی ٹینٹسن میں ہتک کی گئی۔ چیمبرلین کا خون کھول گیا اور ٹوکیو میں برطانوی سفیر نے سخت احتجاج کیا؟ جی نہیں۔ بلکہ اُلٹا یہ تسلیم کیا کہ یقیناً جاپانی فوجوں کو اپنی حفاظت کے لئے چین میں مخصوص حفاظتی حقوق درکار ہیں۔ البتہ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان "مخصوص حفاظتی حقوق" میں برطانوی شرفا کے پتلون اتارنے بھی شامل تھے۔ جاپان کو اس خبر سے بڑا دھچکا لگا کہ جرمنی نے بکردہ دشمن سوویت یونین سے ایکدوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے اور جب جرمنی نے فرانس اور برطانیہ سے جنگ چھیڑی اور اس نے دیکھا کہ سوویت کے خلاف تو ابھی لڑائی ہوتی نہیں تو جھٹ اپنی جنوبی وسعت کی پالیسی پر عملدرآمد کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سنہ ۱۹۴۰ء:۔ جاپان برطانیہ۔ امریکہ مخالف محوری معاہدہ میں شریک ہو گیا۔ فرانس ستمبر ۱۹۴۰ء میں ختم ہو چکا تھا۔ جاپان کو شرق میں فرانسیسی حکومت پر تسلط جمانے کی امید بندھی اور اس نے

---

1. Munich.

شمالی انڈوچائنا پر قبضہ کرلیا۔ برطانیہ نے برما روڈ کو تین مہینے کے لئے بند کر دیا۔

سنہ ۱۹۴۱ء:۔ جاپان نے فرانسیسی انڈوچائنا پر قبضہ کیا۔ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ پر حملے اور ساڑھے پانچ گھنٹے کی برائے نام مدافعت کے بعد، ۸ دسمبر کو تھائی لینڈ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سنہ ۱۹۴۲ء:۔ جاپان کی شہنشاہیت پرست فوجوں نے نہایت تیزی سے ملایا، ڈچ ایسٹ انڈیز، فلپائن اور برما پر قبضہ کرلیا اور ساری دنیا کے سامنے شہنشاہی نوآبادیاتی حکومت کی کھوکھلی شان وشوکت کی قلعی کھل گئی۔

ان ستر سالہ مسلسل دست درازیوں کے بعد جاپانی سیاسیات کے رخ اُس کے "مشرقی ایشیائی ہم دولتی دائرے" کے اصلی معنی اور شہنشاہی طریقۂ کار کو "دو" کو سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ مشرقی ایشیا، ایشیا بلکہ دنیا کو فتح کرنے کے لئے یہ جاپان کے پہلے اقدامات تھے۔ آج کل ہم اسی پہلے قدم کو عروج پر دیکھ رہے ہیں لیکن شاید یہی شہنشاہیت پرست جاپان کا خاتمہ بخیر بھی ہے۔

جاپان کی دکھتی رگ ــــ اقتصادیات

آخر اس وسعت دینے کے بحران کی وجوہات کیا ہیں؟ جاپانی لیڈروں کے بیان کے مطابق یہ جاپان کے تقدیری نوشتہ کا مظاہرہ ہے مسٹر مٹسوکا جو حال ہی میں وزیر خارجہ تھے اپنی تازہ ترین تصنیف میں لکھتے ہیں "مجھے پختہ یقین ہے کہ جو کام قدرت کی طرف سے جاپان کو سونپا گیا ہے وہ انسانیت کا تحفظ ہے۔ اس عظیم الشان اسپرٹ کی مطابقت میں جس میں کہ شہنشاہ جمّو نے سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی جاپان کو ایک بڑے پیمانے پر براعظم کی تنظیم کا بیڑہ اٹھانا چاہئے۔ ہکواچیو کے اصول یعنی دنیا کو ایک واحد گھرانہ سمجھو اور شہنشاہی طریقۂ کار کو شہرت دے کر اسے تمام دنیا میں پھیلا دینا چاہئے۔"

آرمی ریڈر کی تحریر کے مطابق جس کو ہر سپاہی اپنے تھیلے میں لئے پھرتا ہے: "تمام دنیا کو اپنی سلطنت بنانے کے لئے پہلے شہنشاہ جمّو کا نوشتہ ہماری نسل اور ہماری فوجوں کو ایک دائمی اور

حقیقی امانت کے طور پر دیا گیا ہے۔ حکومت کا بیان ہے کہ "میکاڈو کا سلسلۂ نسب سورج کی دیوی امیر ترازو سے ملتا ہے۔ ایزنگی اور ایزرانامی دیوتاؤں کے اشتراک اور مدد سے وہ جاپانی جزیروں اور اس کے منتخب خاندان، جاپانی قوم پر حکومت کرتا ہے۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس نسل منتخب کو کمتر درجہ کے انسانوں کی باقی تمام دنیا پر حکومت کرنی چاہیئے اور انہیں جاپانی نظام کی جنت میں داخل کرنا چاہیئے۔ اس آسمانی نوشتہ کو سر انجام دینے میں جاپان کو قطعی حق حاصل ہے کہ وہ "خون اور فولاد" کی پالیسی پر عمل کرے اور حقیقتاً اُسے کرنا بھی چاہیئے"۔ اگر دنیا خوشی سے قدرتی فیصلے کے سامنے سپر نہ ڈالے تو اُسے اس پر مجبور کر دیا جائے۔

نظریاتی گورکھ دھندا

وہی بے سروپا خیال جس پر نازیوں کے جھوٹے نسلی اور ملکی برتری کے نظریہ کی تعمیر ہوئی ہے، جاپانی تعلیم کا بھی سنگِ بنیاد ہے اسکول میں بھی اور یونیورسٹی میں بھی۔ سخت گیری کے موجودہ دَور میں یا تو اسی انداز میں بولو ورنہ خاموش رہو اور اگر تم خود دیر "خطرناک خیالات" رکھنے کے شبہ کا خطرہ مول لیتے ہو تو تم اس سزا کے مستحق بنتے ہو جو سات سال سے دس سال تک بلکہ موت تک ہوتی ہے۔ جاپانی نظموں کا انداز یہ ہے :-

"دنیا اب تک دو ناموں سے پکاری جاتی رہی ہے، جاپان اور دوسرے ممالک
آج کے بعد دنیا میں اور کچھ نہ رہے گا، بس جاپان ——— !"

جرمن نغمہ الاپتا ہے :- "آج ہم جرمنی پہ حکومت کرتے ہیں، کل ہم دنیا پر حکومت کریں گے"۔

لیکن چونکہ جاپانی مقدس گیت دو ہزار سال پہلے کا کہا ہوا ہے اس لئے ہٹلر اس میں سرقہ کرنے کا بھی اسی طرح مجرم ہے جس طرح ماسکو سے پیچھے ہٹنے کا۔

تو یہ ہیں وہ نظریاتی استحقاق جو جاپانی حکمرانوں کے سامراجی اور جاگیردارانہ دماغوں کی

ایجاد ہیں۔ یہ کتنے ہی بے سروپا ہیں (ان کی بنیادوں کی آگے تشریح کی جائے گی) مگر جاپانی فوجی دماغ ایک بات پر پختگی سے قائم ہے۔ وہ یہ کہ بدقسمتی سے اس پالیسی کو ایک ہی دفعہ میں عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کے اپنی ذاتی اور قومی حدود کے اندر کافی خون (توپوں کا ایندھن) اور فولاد (اسلحۂ جنگ) موجود نہیں۔ اس لئے اس سامراجی نوشتہ کو سرانجام دینے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ ساری دنیا کی فتح کے لئے خام پیداوار کی کافی بہم رسانی کا انتظام کیا جائے۔ چین، برما، انڈوچائنا، تھائی لینڈ، ڈچ ایسٹ انڈیز ملایا اور جنوبی بحری جزیروں میں ایسے سامان میں سے کئی ایک کی کافی بہتات ہے اور وہ سب بخوبی جاپان کی دسترس کے اندر ہیں۔ یہ میدان ایک مرتبہ اس کے قبضہ میں آجائیں اور اس کے ہم دولتی خطے میں شمار ہونے لگیں پھر تو جاپان دنیا کی فتح کی زبردست مہم کا آغاز کرسکتا ہے۔ یہی "تومِنا کا میموریل" کی روح ہے، یہی شہنشاہ جمو کے نوشتے کا مخصوص جربہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں جاپان کے اوہام حقیقی اور ٹھوس شکلوں میں نظر آتے ہیں۔

خون اور فولاد

جاپان خام پیداوار کی ہوس میں خون اور فولاد والی ایک عالمگیر آمریت کی کوشش میں ہے جنگ کے اصلی سامان کے لئے دوسرے ملکوں پر انحصار کرنا اس کے فوجی ماہرین کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ ۴۰-۳۹-۱۹۳۸ میں بھی سامراجی جاپان کو اہم ترین جنگی سامان کی کثیر مقدار باہر سے منگانی پڑی جیسا کہ اس نقشے سے ظاہر ہے:-

نقشہ نمبر ۱ سنہ ۱۹۳۷ء میں بیرونی درآمد پر جاپان کا انحصار

درآمد شدہ ضروریات کا فیصدی تناسب	سامان	مندرجہ ذیل ممالک سے
سو فیصدی	ربڑ۔ کپاس۔ اون۔ نکل۔ بکزائٹ۔ اینٹی مونی۔	چین۔ ملایا۔ انڈونیشیا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ

۹۵ فیصدی	تیل	⅔ امریکہ باقی ڈچ ایسٹ انڈیز اور برطانوی بورنیو
۹۰ فیصدی سے زیادہ	منگنیز، کوبالٹ، مولبیڈینم ایلومونیم	سلطنتِ برطانیہ، چین، جنوبی امریکہ، ریاست ہائے متحدہ
۸۰ فیصدی	لوہا (ٹکڑوں کی شکل میں)	کینیڈا، ریاست ہائے متحدہ
۷۵ فیصدی	کچا لوہا	⅔ ملایا سے باقی چین آسٹریلیا فلپائن
۷۰ فیصدی	سیسہ ٹین	ملایا، برما، انڈوچائنا، تھائی، ڈچ، چین۔ آسٹریلیا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ
۷۰ فیصدی	تانبا	جنوبی امریکہ، ریاست ہائے متحدہ، کینیڈا

صرف کوئلے کے لئے جاپان کم و بیش خود مختار ہے اگرچہ عام طور پر اُسے اچھی قسم کا کوئلہ انڈوچائنا اور شمالی چین سے منگانا پڑتا ہے۔ معمولی حالات میں اپنے حالیہ مقبوضات سے جاپان اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔

"فولاد" کے لئے تو یہ صورت ہے۔ اس طرح جاپان بنیادی جنگی ضرورتوں کے لئے بھی بیرونی دنیا کا دست نگر ہے اُس پر طرّہ یہ کہ زمانۂ امن میں دسمبر ۱۹۳۸ء آخری سال ہے جس کے متعلق صحیح اعداد و شمار دستیاب ہو سکتے ہیں، جاپان نے اس درآمد کا ۴ر ۴۳ فیصدی حصہ ریاستہائے متحدہ سے ۲ر ۲۰ فیصدی سلطنت برطانیہ سے، ۷ر ۷ فیصدی ڈچ سلطنت سے اور صرف ۵ر ۶ فی جرمنی سے حاصل کیا۔ اب امریکہ، برطانیہ، چین اور ڈچ اتحادیوں سے برسر جنگ ہونے کی صورت میں اسے درآمد کے تمام معمولی ذرائع سے (سوائے لوٹ کے) ہاتھ دھونا پڑے گا اور ساتھ ہی اپنے محوری ساتھیوں سے بھی قطعی الگ رہ جائے گا۔ اس اقتصادی محاصرہ کے اثرات بہت

سخت ہوں گے کیونکہ اُس کے ریاستہائے متحدہ پر حملہ کرنے سے پیشتر جولائی ۱۹۴۱ء میں برطانوی اور امریکی لوہے کے خام فولادی سامان کی درآمد پر کچھ پابندیاں لگ جانے سے ہی اس کی فولادی پیداوار یک لخت ۲۵ فیصدی گر گئی تھی (ٹائمس ۲۹ ۱/۴)

چین کے ساتھ "چھوٹی سی جنگ" کے دوران میں ۱۹۳۷ء سے اینگلو امریکن تجارتی بندش تک جاپان نے اپنی درآمد کا دو تہائی حصہ انہیں ملکوں اور اتحادی سلطنتوں سے حاصل کیا تھا۔ یہ ہے جاپان کے ہونے والے فاتحینِ عالم کی ناقابلِ رشک حالت۔ اب رہا "خون" کا سوال: (گویا توپوں کا ایندھن اور مزدور) جاپان کی کُل آبادی سات کروڑ تیس لاکھ ہے۔ اس میں ۶۵ لاکھ آدمی فوجی عمر کے ہیں لیکن صرف ۴۳ لاکھ فوج میں بلائے جا سکتے ہیں۔ کوریا، فورموسا، کوانٹنگ کی عارضی مقبوضہ زمین، منچوریا اور جیحول کی سات کروڑ آبادی کو وہ پہلے ہی محکوم بنائے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے لڑنے والوں پر وہ اتنا اعتماد نہیں کر سکتا کہ انہیں اپنی لڑائیوں میں شریک کرے۔ اس کے پاس اس کی قدیم ترین نو آبادی کوریا تک کی کوئی ایک بھی رجمنٹ نہیں ہے۔ اس وقت تک وہ چا... آزاد چینی فوجوں سے ہی نہ نمٹ سکا اور کم سے کم ۱۵ لاکھ آدمیوں کی جمعیت اسے برِ اعظم میں مجبوراً رکھنی پڑتی ہے (جبکہ وہ پہلے ہی دس لاکھ جانوں کا نقصان ہلاک زدگان اور زخمیوں کی صورت میں بھگت چکا ہے)

شہنشاہیت کی توسیع

جاپان کے شہنشاہیت پرستوں کو اپنے خوابوں اور منصوبوں کے پورا کرنے میں بیشمار مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے اصل مقصد سے پہلو تہی کی ہو۔ ایک مجنونانہ گرمی چالبازی اور بیرحمی کے ساتھ وہ اس جنگِ عظیم کی تیاریوں میں لگ گئے۔ اُن کی طاقت میں ایک قسم کی بے جگری کی کیفیت پائی جاتی ہے، اُن کے سامراجی طریقہ کار کے بموجب جاپان گریا تو فتح حاصل

کرنی ہے یا اس کوشش میں خود تباہ ہو جانا ہے۔

ایک چھوٹے سے بند جزیرے کی سلطنت سے ابتدا کر کے جو صرف ہکیڈو، ہونشو، شکوکو اور کیوشو پر مشتمل تھی۔ انھوں نے قبضے، تعمیر، توسیع اور اہم مقامات کے محاصرے کے ہر امکانی موقعے کی گرفت کر کے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ شمال میں کوریا، سخالین۔ کُریلیز، منچوریا، منگولیا اور شمالی چین میں روس کے خلاف اور براعظم میں چین کے مقابل، جنوبی چینی سمندروں میں فورموسا، ساحلِ چین، ہینان اور اسپریٹلے نے انہیں آگے بڑھنے اور برطانوی ہانگ کانگ کا محاصرہ کر لینے کا موقعہ دیا اور اس طرح وہ انڈو چائنا، تھائی لینڈ، برما، ڈچ ایسٹ انڈیز اور "مشرقی کنجی" سنگاپور سے نمایاں طور پر قریب آگئے۔ شمالی اور مشرقی بحرالکاہل میں کُریلیز اور یکرونیشیا سے انہیں ریاستہائے متحدہ کے خلاف اڈّوں کی ایک بڑی قوس ہاتھ لگی۔ انھوں نے فلپائن، نیوگنی اور کیلیبز کو گھیرنے کے بعد جنوبی چینی سمندروں میں تمام خطّوں کو فتح کر کے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر حملہ کرنے کے لئے راستہ بنالیا ہے۔

ایک کمزور جاگیردارانہ ریاست سے ابتدا کر کے اور ۱۸۵۳ء میں ریاستہائے متحدہ کے فوجی افسر پیری کے ماتحت چند گنبوٹوں کی شکل میں دنیا کے سامنے نمودار ہو کر انھوں نے جاپان کو ایک زبردست ترین آمرانہ فوجی شہنشاہیت بنادیا ہے۔ جس پر فوجی سردار اور سرمایہ دار مختارِکُل فولادی حکومت کرتے ہیں۔

ایک کمزور زراعتی ملک سے آغاز کر کے انھوں نے جاپان کو مشرق کی مضبوط ترین صنعتی ریاست اور مغرب کی زبردست ترین سرمایہ دارانہ طاقتوں کا اہم مدمقابل بنادیا ہے اپنی بھاری صنعتوں اور بجلی کے بل پر جاپان نے سستی چیزوں سے اپنے حریفوں کو بیسیوں منڈیوں میں شکست دیدی ہے۔ جنگ سے پہلے وہ ڈچ ایسٹ انڈیز کی درآمدی تجارت کا چالیس فیصدی حصہ اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔ فلپائن میں امریکہ کے زیرِ حفاظت ڈیڑھ اپنی درآمد کا اسّی فیصدی جاپان سے حاصل کرتا تھا۔

اس مقابلے اور جنگ کے لئے مشنری کے دوران تیاری میں ربڑ، تیل، لوہا اور مشینیں جو انہیں درکار ہوئیں وہ سب انہی سادہ لوح شکاروں سے حاصل کی گئی ہیں۔ ان کامیابیوں کے نشہ میں چور اور خود کو ایک مضبوط جنگی مشین، مغربی بحرالکاہل میں سب سے بڑے بیڑے اور جنگی سامان کے زبردست ذخیروں کا مالک دیکھ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ دسمبر ۱۹۴۱ء کی عالمگیر کیفیت مشرق کی فتح کے لئے ایک فیصلہ کن ضرب کا مناسب ترین موقعہ ہے۔

مٹی کے قدم

لیکن ان بڑی کامیابیوں کے باوجود جاپان اب تک ایک نہایت کمزور "طاقتِ عظمیٰ" ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ برطانیہ، امریکہ، چین، ڈچ ایسٹ انڈیز اور سوویٹ روس کا ایک مصمم متحدہ محاذ ۱۹۳۱ء میں بلکہ ۱۹۳۷ء میں بھی ایک بہت قلیل مدت میں جاپان کا حساب بیباق کر سکتا تھا (کیا وہ اپنی زیادہ تر اہم جنگی ضروریات کے لئے انہی میں سے تین طاقتوں کا دست نگر نہ تھا؟) لیکن چیمبرلین، میونچ کے دوسرے لوگوں اور سائمن ہور، گنگلے ڈُڈ وشرکاہ کی دشمن سے دب کر خوش کرنے کی کینہ پرور پالیسی نے جمہوریتوں کو مفلوج کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جاپان کی دست درازیوں سے کم از کم برطانیہ کا تو فائدہ ہی ہو گا۔ خود چیمبرلین نے یکم نومبر ۱۹۳۸ء کو دارالعوام میں بیان کیا:— "ایک بڑا سرمایہ لگائے بغیر چین کو ایک حقیقی منڈی نہیں بنایا جا سکتا اور یہ حقیقت کہ اس جنگ میں اس قدر سرمایہ ضائع کیا جا چکا ہے صاف ظاہر کرتی ہے کہ آئندہ اس سے کہیں زیادہ سرمایہ جنگ ختم ہونے کے بعد پھر چین میں لگانا پڑے گا۔ آخر یہ سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ یہ قطعی طے ہے کہ جاپان تو بھرے گا نہیں۔ اس لئے اگر جناب والا مستقبل میں چینی تجارت پر جاپان کے کلی اقتدار اور ہماری قطعی علیحدگی کی پیشین گوئی کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔"

انھوں نے یا تو دیکھا ہی نہیں یا دیکھنا نہیں چاہا کہ جاپان چین کے پردے میں برطانیہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہانگ کانگ تو تمام حالات اور مقاصد کے پیش نظر ۱۹۳۸ء ہی میں ہاتھ سے نکل چکا تھا جب جاپان نے کنٹین پر قبضہ کیا تھا۔ تشفی دینے والے اس خیال سے مہلک طور پر مسحور ہو چکے تھے کہ جاپان کو "مشرق کے چوکیدار" اور مشرق میں بالشویکوں کو مارنے کی لکڑی کی حیثیت سے اسی طرح برقرار رکھ کر کام میں لایا جائے جیسا کہ مغرب میں ہٹلر کو ـــــ یہ بڑی لکڑی جو مشرقی نوآبادیات کو اُس وقت بھی غلامی میں رکھے گی جب اور سب کچھ ناکامیاب ہو جائے گا۔

ٹھیک اسی طرح جیسے زیکوسلاواکیہ اور آسٹریلیا مغرب میں سویٹ مخالف جنگ پسندانہ جنگی نقشے کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے چین کو مشرق میں اُسی نقشہ پر قربان کر دیا گیا۔ دشمن کو دب کر خوش رکھنے کی پالیسی دونوں صورتوں میں برطانیہ کے لئے فلاکت کا باعث ہوئی۔ اسی بد معاشی اور حماقت کے لئے تو جاپانی تدبیریں اور دعائیں کر رہے تھے۔ اسی پالیسی کے نتیجہ کے طور پر وہ اس قابل ہوئے کہ برطانوی اور امریکی مدد سے چین کو فتح کرنے کا اہم کام شروع کر سکیں۔ دنیا کی خوش قسمتی سے برطانوی قوم نے اُن خطرات سے جن میں وہ مبتلا کی جا رہی تھی بروقت متنبہ اور ناراض ہو کر ان تشفی دینے والوں کو الگ پھینک دیا اور فاشزم کے خلاف سویت یونین اور ریاستہائے متحدہ کے ساتھ جمہوری اتحاد کے راستے پر پورے عزم کے ساتھ گامزن ہوگئی۔ جنگی سامان کے ذخیروں کی اس مدد کے باوجود جو وہ ۱۹۴۱ء تک حاصل کر چکا تھا جاپان ابھی بنیادی طور پر کمزور ہی رہا۔ ٹینن اور ریوہان مصنفین جاپان کی جنگی شرکت کے متعلق ایک کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"جاپانی شہنشاہیت کی فوجیں اُس گھونسے کی طرح ہیں جو کمزور بازوؤں کے زور پر چلایا گیا ہو۔ گھونسے کی قوت ضرب کا کچھ کم اندازہ نہ کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی ہمیں جاپانی معاشیات کی تباہی طاقت، مضبوط بازوؤں، کی کمی کا بھی پورا احساس ہونا چاہئے جن پر گھونسوں کے پے در پے چلنے کا

انحصار ہے۔ آئندہ لڑائی مسلسل حملوں پر مشتمل ہوگی جن کے لئے لا انتہا دھکیلنے کی طاقت کی ضرورت پڑے گی اور اسی میں جاپان کمزور ہے۔"

اس جنگِ عظیم کے لئے جاپان کی تیاریوں میں اس خیال کا ایک اہم حصہ ہے۔ اسے اپنی کمزوری کا علم ہے، اس کی تمام فوجی حکمت کا انحصار اسی پر ہے۔ اُس نے "غیر شریک جنگ" ہوتے ہوئے اپنی دست درازیوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اور جب اس کے امکانات ختم ہو گئے تو اس نے سخت اور اچانک حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اُسے ہر حملے کا نتیجہ فوراً ملنا چاہیے انہی دو مصنفوں کے بیان کے مطابق یہ بات ناقابل قیاس ہے کہ وہ ڈیڑھ دو سال کی اجتماعی جنگ کے لئے کافی ذخیرے جمع کر سکا ہو۔ اسی لئے اُس نے جنگ کی شروعات ہی میں تمام قوتیں جھونک دی تھیں۔ کسی قیمت پر بھی ہو جاپان کو بہرحال اپنی شروع کی لوٹ کو جمع کر کے اپنے اہم سامانِ جنگ کے ذخیروں کی کمی کو پورا کرنا ہے اور ساتھ ہی اپنے دشمنوں کو اُس سے محروم رکھتے ہوئے اُن زبردست اقدامات کی تیاری کرنی ہے جو برطانیہ امریکہ اور ان کے حلیفوں کی مشترکہ طاقت کے مقابلہ میں اُسے درکار ہوں گے۔

جاپان کی کمزوری ــــــ فنِّ حرب

جاپان واقف ہے کہ زمانہ اس کے خلاف ہے۔ اس کی اپنی کمزوری نے اُسے ایک ایسی حالت میں حملہ کرنے پر مجبور کر دیا جو فوجی حکمت عملی کی رو سے انتہائی ناسازگار تھی۔ اگر معاشی طور پر وہ کمزور ہے تو فنِ حرب کے نقطۂ نظر سے گویا ایک چٹان کی طرف پشت کر کے لڑ رہا ہے۔ طناکا کی تجویز جسے عام افسروں کی حمایت حاصل تھی، بتاتی ہے کہ "جنگِ عظیم کو سازگار حالات میں شروع کرنے کے لئے جاپان کی شمالی مدافعت کی بنیاد منچوریا، منگولیا اور شمالی چین کی پوری طرح زیرِ اثر جاپانی نوآبادیات پر ہونی چاہیے اور سویٹ روس کو مشرقِ بعید سے قطعی خارج کر کے جھیل بیکل

کے مغرب یا کم از کم آمور کی پوری لمبائی کے شمال تک دھکیل دینا چاہئے اور ولاڈی واسٹک اپنے قبضے میں ہونا چاہئے"۔ لیکن جاپان کو اپنی جارحانہ تدابیر پہلے دو کو پورا کرنے سے پہلے ہی تیسری نوبت کا آغاز کرنا پڑا۔

جس وقت جنوبی سمندروں میں جنگِ عظیم کی پہل ہوئی ہے مشرق بعید کی سویت فوجیں اپنی حد بندیوں کو خوب مضبوطی سے برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ ٹوکیو نے انھیں پیچھے دھکیلنے کے لئے بہت بڑے پیمانے پر دو حملے کئے لیکن نتیجہ محض ٹائیں ٹائیں فش! ۱۹۳۸ء کی گرمیوں میں منچوریا کی حدود کے پاس چانگ کو فنگ کی پہاڑی فتح کرنے کی کوششوں میں جاپان کو تین ہزار جانوں کا نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ جولائی ۱۹۳۹ء میں جب اُس نے منگولین قوم کی ری پبلک کے حدود پر جس کا سویت یونین سے باہمی امداد کا معاہدہ تھا، حملہ کیا ہے تو صرف چھ دن کی لڑائی میں اس کے چھ ہزار آدمی کھیت رہے۔ اسی طرح آج سویت کا ایک مضبوط سمندری اور ہوائی بیڑہ بحر اعظم کے ساحل کی ولاڈی واسٹک کے نیچے تک، جاپان کے اپنے سمندر کے عین درمیان اور اس کے اسلحہ خانوں اور اہم اڈوں سے صرف تین چار گھنٹوں کی اڑان کے فاصلہ پر مدافعت کرتا ہے۔ ۱۹۳۳ء کے بعد سے یہ سویت مورچے ریل کے دو دُہرے راستوں کے ذریعے یورال کے شمال میں صنعتی اڈوں سے ملا دئے گئے ہیں۔

ٹناکا کو یہ بھی امید تھی کہ جنگِ عظیم شروع کرتے وقت چین، اس کی لکھو کھا آدمیوں کی طاقت اس کے قدرتی ذرائع اور اہم جنگی مقامات پورے طور پر جاپان کے ہاتھ میں ہوں گے۔ برخلاف اس کے چین ابھی تک غیر مفتوحہ ہے۔ اُس کی گوریلا فوجیں روزانہ جاپانی سپاہیوں کی تعداد کو تباہ اور حملہ آور کو چینی ذخیروں کے لوٹنے سے روک رہی ہیں۔ چین کی آزاد فوجوں کے پچاس لاکھ بہادر مغربی اُفق پر گرجدار بادل کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ جاپان کے آڑے وقتوں میں اُس

سامان رسد کا منبع بننے کی بجائے چین اس کے اپنے ذخائر کے مسلسل نکاس کا ایک اتھاہ مخرج بن گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جاپان کی شمالی فوجیں اس کے جنوبی سمندروں میں حملہ آور فوجوں سے پچاس ہزار میل کے فاصلہ پر ہیں۔

بحرالکاہل کی لڑائی کے حالات

ناسازگار جنگی کیفیت کے باوجود جاپان کو حملہ کرنا ہی پڑا۔ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ پر اس کا شدید حملہ اُس وقت ایک مشترکہ محوری مفاد کی ضروریات کے پیش نظر تھا اگرچہ جاپان کی فوری اہمیت اور ضروریات کی روشنی میں اس کے منافی! جاپان کے سب سے کٹر دیوانے تک اس بات کا بخوبی اندازہ رکھتے ہیں کہ جمہوریتوں کی مشترکہ طاقت کو (جو اگر محض ایک بار بھی پورے طور پر کام میں لے آئی گئی) وہ بغیر مدد کے شکست دینے کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔ صرف اس نیتناً برائے نام امداد نے جو برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ نے برما روڈ کے ذریعہ چین کو بھیجی، سویت یونین کے مؤثر تعاون کے ساتھ مل کر چین میں جاپان کیلئے لڑائی میں تھک کر تباہ ہو جانے کے خطرات پیدا کر دئے تھے۔

سنہ ۱۹۴۱ء میں یورپ کی جنگ نے ضرور کچھ ایسے حالات پیدا کر دئے تھے جن سے ایک ایسی مایوس کُن مہم کی کامیابی کے کم از کم کچھ امکانات نظر آتے تھے۔ جاپان جانتا تھا کہ برطانیہ نے اس وقت تک چیمبرلین کے زمانہ کی آسودہ خاطر اور خواب آلودہ رفتار سے نجات نہیں پائی ہے۔ میونخ کے بہت سے آدمیوں پر اب بھی" اپنے مقاصد کی انجام دہی" کے لئے اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ ملایا میں فوجوں اور سامان کے آتے رہنے کی تابناک کہانیوں کے باوجود جنہیں اچھی طرح شہرت دی جاتی تھی برطانیہ عظمیٰ جاپانی حملے کو رد کرنے کی تیاری سے ابھی بہت دور تھا۔ مسٹر چرچل نے ۱۵ فروری سنہ ۱۹۴۲ء کو جو تقریر نشر کی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ کو جاپان سے یہ توقع ہی نہ تھی کہ وہ حملہ کرے گا۔ وزیراعظم نے فرمایا کہ" میں آپ سے صاف طور پر کہوں گا کہ میں اس کا یقین ہی

نہیں کرتا کہ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ پر بیک وقت حملہ کرنے میں جاپان کی فلاح تھی۔ میں بمشکل اس کا یقین کرسکتا تھا کہ وہ ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں گے جو میرے نزدیک قطعی دیوانگی تھی۔"

جاپان یہ بھی جانتا تھا کہ ریاست ہائے متحدہ محض ہمہ گیر جنگ کی تیاریوں میں ہی مصروف تھا۔ یہ صنعتی دیو جو تنہا تمام محوریوں سے کچھ زیادہ ہی سامان تیار کرسکتا تھا۔ روزولٹ کی رہنمائی میں ابھی صرف کام ہی جما رہا تھا۔ ۱۹۴۱ء میں امریکہ کے پاس اُس سے زیادہ جہاز تو زیر تعمیر تھے جتنے جاپانیوں کے بیڑے میں استعمال ہو رہے تھے لیکن یہ سب کے سب ابھی اسٹاک ہی میں تھے۔ اس طرح امریکہ پر حملہ زیادہ سے زیادہ ۱۹۴۲ء کے شروع میں ہونا ضروری تھا۔

جاپان کبھی بھی ہٹلر کے ان بلند بانگ دعووں کے دھوکے میں نہیں آیا کہ روس کی آخری فوجیں بھی جلد برباد کردی جائیں گی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ شمال میں ولاڈی واسٹک کے مقابل حملہ کرتا لیکن اسے معلوم تھا کہ سوویت یونین مغرب میں ہٹلر کے خلاف اپنے زبردست سرمائی یلغار کے درمیان میں تھی۔

یہ تھے وہ فوری حالات جن کے دوران میں جاپان بحرالکاہل کے محوری پہلوان کی حیثیت سے عالمگیر جنگ کے اکھاڑہ میں داخل ہوا۔ جاپان بخوبی واقف ہے کہ وہ تنہا یہ لڑائی نہیں جیت سکتا لیکن وہ سوچتا ہے کہ جرمنی اور اٹلی کی معاونت میں فتح کا ایک اچھا بلکہ صرف ایک ہی موقعہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جیسے ہی ہٹلر مغرب میں سوویت برطانوی اور اتحادی جمہوریت پسند فوجوں کی تباہی میں مشغول ہو جاپان ایک مضبوط اور آزاد طاقت کی حیثیت سے ان کی مشرقی فوجوں سے بھڑ کر انہیں تتر بتر کردے گا۔ پھر ایک مرتبہ بھی جمہوریت کے قدم یورپ اور ایشیا کے براعظموں سے اُکھڑ گئے تو وہ اور جرمنی فتحیابی کی لوٹ سے مسلح ہو کر شمالی اور جنوبی امریکہ کو براہِ راست ایک اور زبردست "دو بحری جنگ" میں نمٹ لیں گے۔ یہ ہے محوریوں کا "نقشۂ خواب" اگرچہ

ہٹلر کے خلاف سرخ فوج کے طاقتور حملے اس وقت بھی اس نقشہ کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ تاہم اس کا تجربہ میں آنا بھی بہت سخت تخریب کا باعث ہوگا۔

شہنشاہیت پرست جاپان کی جنگجوئی درحقیقت بہت تلخ پھل لائی ہے لیکن وہ صرف برلن روم کے محوری تعاون ہی کی صورت میں ایک مہیب عالمگیر خطرہ بنتا ہے یہ تعاون اور جنگی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت، انسانی آزادی اور ترقی کے لئے اتنا سخت خطرہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی بھی نہ ہوا تھا۔ اسی جنگی اہمیت کی رو سے آزاد اتحادی ملکوں کو ایک جامع نقشہ کے مطابق جو محوریوں کی زبردست فوجوں، اُن کی تدبیروں اور طریقوں کی پوری قوت شناسی پر مبنی ہو جنگ میں مصروف ہونا چاہئے، یہ جانتے ہوئے کہ نازی جرمنی بُرائی کی اصل جڑ ہے۔ انہی حقایق کی روشنی میں اتحادی ملکوں کو طے کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح اپنی فوجوں کو مختلف محاذوں پر مرکوز کریں اور انہی صورت حالات کے مطابق ہمیں مشرق میں جاپانی شہنشاہیت کی قوت کا اور ساتھ ہی آزادی کی اُن زبردست طاقتوں کا بخوبی اندازہ کر لینا چاہئے جو ایشیا اور خود جاپان کے اندر آزاد کر کے منظم کی جا سکتی ہیں اور کی جانی چاہئیں۔

دوسرا باب

جاپان کے اندر

جاگیرداری سے سرمایہ داری

مغرب کے سیاسی بازاروں میں جاپان نے اپنے متعلق اس سیاحانہ تصور کو شہرت دی کہ وہ لکڑی اور کاغذ کے مکانوں، چیری کے پھولوں، عجیب مندروں، سوکی یاکی، گیشا، بڑی بڑی ٹوپیوں والے وزراء، ممبران پارلیمنٹ اور سیانے لیکن عملی تاجروں کا ملک ہے جن میں چرب زبان فوجی اور لبرل عناصر بھی شامل ہیں جو جاپان کے تئے جب بھی وہ کسی اور جنگ میں کودنا چاہتا ہے ایک روکنے والی طاقت ثابت ہوتے ہیں۔ جاپان ایک ایسے جدید "شرقی" کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جس نے نہایت تیزی سے ۱۸۶۸ء میں میجی خاندان کے برسراقتدار آنے کے بعد جاگیردارانہ طریقۂ کار کو ختم کردیا جہاں آجکل ایک تیز رفتار آئینی سلطنت بن رہی ہے جو ایک پارلیمنٹ اور باقاعدہ سیاسی جماعتوں کے ذریعے چلتی ہے۔

برطانیہ میں دب کر خوش رکھنے والی پالیسی کے وکلا نے اس نظریہ کو جاپان کے ساتھ اپنے اُس "شریفانہ معاہدہ" کے بہانے کے طور پر پھیلانے میں قطعی تامل نہیں کیا جو منچوریا کی بربادی اور چین کی شہادت کا سبب ہوا۔ لیکن جاپان کے متعلق اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا واقعی اُس نے جاگیرداری کا جوا اُتار پھینکا؟ کیا اس کے یہاں کوئی سچ مچ کی پارلیمنٹ ہے؟ کیا شنتو مذہب

کوئی نیا جنم لے رہا ہے؟ کیا جاپان جدید کی ترقی واقعی اتنی ہی سادگی اور الوہیت کی حامل ہے جتنا اس کے فوجی دماغ مشہور کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ یہاں اس کی تاریخ پر صرف ایک طائرانہ نظر ڈالی جاسکتی ہے لیکن اس سے بھی یہ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ جاپان جدید ایسے معاشی اور عوامی تضادوں سے پیدا ہوا ہے جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ شدید اور پیچیدہ ہیں اور یہ کہ قانونی اور جمہوری حکومت تو درکنار جاپان ادقیانوسی جاگیرداری اور فاشسٹ کُلّی سرمایہ داری کی بدترین صورتوں کی اجتماعی آماجگاہ ہے۔

جاپانی تاریخ کی منزلیں

جاپان کی معلوم شدہ تاریخ سہولیت سے چار حصوں میں بانٹی جاتی ہے اور چوتھے یعنی موجودہ دور کے نمایاں آدمی اپنا شجرۂ نسب پہلے حصے کے بڑے آدمیوں اور اس سے پورے پھر خداؤں سے ملا دیتے ہیں۔ جاپانی شنتوؔ کا ابتدائی سماج ماقبل تاریخ زمانہ سے ساتویں صدی تک قبیلوں اور قبیلوں کے گروہ پر مشتمل تھا جن میں ہر ایک ایسے دیوتا کی نسل ہونے کا دعویدار تھا جو سردار قبیلہ سے قربانیاں وصول کرتا تھا۔ قبیلے کے لوگ جو آپس میں رشتہ دار ہوتے تھے، سپاہی تھے، اُن سے نیچے دہقانوں کسانوں اور غلاموں کی نسلی ذاتیں تھیں جو قیدی مجرم یا اُس قوم کے لوگ تھے جن سے شنتو قبیلوں نے جاپانی جزیروں کو چھینا تھا۔ شینتو کی ترقی کا یہ زمانہ یونانی بہادرانہ دور کی گُفرانہ تنظیم سے ملتا جلتا ہے جو قبیلہ کہ جنوب مشرقی ہونشو کے اہم معاشی اور جنگی رقبے پر تسلط رکھتا تھا اس نے رفتہ رفتہ دوسرے قبیلوں اور اُن کے سرداروں پر جو سورج کی دیوی "امرٹرا انسو ادمی کامی نسل" سے ہونے کے دعوے دار تھے اپنی حکومت جمالی اور خود کو جاپانی شہنشاہ بنالیا۔ نسلی چال نے آسمانی سلسلۂ نسب کی ترکیب چلی جس سے کہ اور قبیلوں کے خدا سورج کی دیوی کے خاندانی عزیز بن گئے بالکل اسی طرح جیسے کہ مفتوحہ اور اتحادی قبیلوں

سے کے سردار شہنشاہی قبیلہ کے خون کے رشتہ دار بنائے گئے اور بحیثیت پجاری افسر یا سپاہیوں کے اُس کی خدمت کرنے لگے۔ اس طرح تمام جاپانی نسل ایک خونی رشتے کی برادری میں منسلک کر لی گئی جس پر آسمان کا براہ راست نمائندہ حکمراں رہا۔

یوں قدیم شنتو قبائلی تنظیم پر ایک مرکزی جاگیرداری ریاست چھا گئی جو چین کی طاقتور "ٹانگ" نسل کی طرز پر تھی بہر حال ساتویں سے بارھویں صدی تک امراء کے درمیان خونریز خانہ جنگیوں کے بعد اصل طاقت طاقتور قبیلے "فوجی دارا" کے ہاتھ میں آگئی۔ غیر فوجی آمرین مطلق کی حیثیت سے انھوں نے تمام بڑی بڑی سرکاری عہدوں اور تنخواہوں پر قبضہ جما لیا لیکن میکیڈو کو ایک گڈی شہنشاہ اور ریاست کے الوہی حکمراں کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ یہ ضابطہ پرست جاگیردارانہ حکومت بھی ایک خونی محاربہ میں ختم ہو گئی۔ عہدیداروں کو تنخواہ میں زمینیں جاگیریں دی جاتی تھیں جو نسلاً بعد نسلاً بڑی بڑی خاندانی ملکیتوں میں منتقل ہوتی رہتی تھیں اور کسان محض بحیثیت خدمت گزاروں کے اُن سے تعلق رکھتے تھے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں لگا کہ عہدیداروں نے اپنی زمینوں کو جوڑ کر انہیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی شکل میں بڑھا لیا۔ اس طرح مرکزی حکومت بہت سے محصولوں سے محروم ہو کر اور بھی کمزور ہوتی گئی۔ مرکزی جاگیردارانہ ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی اور مقامی جاگیرداروں کو امن و قانون قائم رکھنے کے لئے اپنی ذاتی مسلح فوجیں تیار کرنی پڑیں۔ ایک نئی ذات "نائٹ یا سموارئی" اور پیدا ہو گئی جو جاگیردارانہ نظام کے عہدیدار اور مسلح نگراں تھے۔ بارھویں صدی کے ختم کے قریب یہ غیر فوجی ڈکٹیٹر اپنا اقتدار اعلیٰ کھو چکے تھے۔ یہ دور جاگیردار نوابوں کے مابین اقتدار کے حصول کے لئے ایک جنگی سلسلہ پر جا کر ختم ہو گیا جس کے دوران میں جاپانی سوسائٹی کے ڈھانچہ میں ایک بنیادی تبدیلی کروٹیں لینے لگی۔ ایک نئی جماعت جس نے انجام کار تمام جاپان کو اس کے مفاد پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا، اُٹھ کھڑی ہوئی۔

آپس کی ان خانہ جنگیوں نے جنگی ذرائع آمد و رفت کو ہر جاگیری رقبے کے اندر ترقی دی۔ یہ راستے قدرتی طور پر ایک رقبے کو دوسرے سے ملاتے رہے اور بڑھتی ہوئی تجارت کے مراکز بن گئے خصوصاً اُن نئے اسلحہ جنگ کی تجارت کے جو پرتگالیوں نے ۱۵۴۳ء میں رائج کئے تھے۔ تاجروں کی جماعت جن کی سرگرمیاں پچھلے دور میں شاہی ضابطہ پرستی کے بڑے اور اپنی ضروریات کو خود پورا کرنے والے تعلقوں کے سبب دب گئی تھیں اب ایک جاگیری حلقے سے دوسرے حلقے اور جاپان اور بیرونی دنیا کے درمیان تجارتی لین دین کا واحد ذریعہ بن گئی۔ ان کی دولت اور اثر برابر بڑھتا رہا۔ بعض سرگروہ تاجر تو انتہائی مقتدر بن گئے۔ ریکائی (حال اوکاسا) والوں نے تو اپنی فوجیں اکٹھی کر لیں اور اکاسا کو ایک آزاد شہر بنا لیا جس پر "بزرگوں" کی ایک منتخبہ کونسل حکومت کرتی تھی۔ انہی کے آتشیں اسلحہ کو جنگ میں استعمال کرنے سے ہر کسان کے بچے کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ ایک سپاہی بن کر سمورائی کا مع ان کے اسلحہ اور دوہری تلواروں کے مقابل بن سکے۔

شوگن حکومت

اسی گولوں اور آتشی آلات کی شروعات نے فوجوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا اور سوائے مضبوط ترین قلعوں کے اور سب کے لئے خونریزی سے بچنا ناممکن بنا دیا۔ چھوٹے نوابوں کو رفتہ رفتہ بڑے ہڑپ کر گئے اور سولھویں صدی کے ختم تک صرف چند آزاد ریاستیں باقی بچیں لیکن یہ انتہائی مضبوط تھیں ------ اور اس عرصے میں تاجر برابر ترقی کرتے رہے۔ آخر کار ٹوکوگاوا نے جو کہ قبیلوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا فوجی ڈکٹیٹر یا شوگن کی حیثیت میں جزیرہ پر طاقت عظمیٰ حاصل کر لی۔ اپنے اشارہ پر چلنے والوں اور حلیفوں کو سلطنت کے طول و عرض میں اہم جنگی مقامات کا گورنر بنا دیا اور انہیں بھی اسی میں سہولت نظر آئی کہ میکیڈو کو حکومت کے سرکردہ یا اُن کے اختیارات کے آسمانی نگراں کی حیثیت میں رہنے دیا جائے۔

ساتھ ہی شوگنوں نے "فوجی دار" قبیلے کے درباری رئیسوں (کرگے) اور دوسرے ضابطہ
پرستوں کو بھی ان کے عہدوں پر برقرار رہنے دیا تاکہ اس سلطنت کا نظام جو اب چار جزیروں
ہونشو، شکوکو، ہکیڈو اور کیوشو پر پھیلی ہوئی تھی بخوبی چلتا رہے۔ لیکن یہ طاقتور ٹوکوگاوا بھی دور
والے صوبوں کے بڑے صوبجاتی قبائلی زمینداروں کی طاقت کو مکمل طور پر ختم نہ کر سکے اور نہ وہ
سرمائے اور تاجروں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ سکے اگرچہ انھوں نے آزاد شہروں
کو تباہ کر کے شہری باشندوں کو سیاسی اور قانونی طور پر ان کی "اپنی جگہوں" پر جاگیردارانہ امارت کے
سایہ میں آباد رکھا اور اس طرح جاپان کی سرمایہ دارانہ ترقی کو اور ہوا دیدی۔ ہونشو کی سرزمین
کے تمام مرکزی اہم مقامات، ٹوکوگاوا قبائلیوں کے تصرف میں تھے اور ان کا صدر مقام ایڈو تھا
(جو اب ٹوکیو کہلاتا ہے) یہ کل سلطنت کا چوتھائی حصہ تھا۔ باقی ملک اُن کے حلقہ بگوشوں اور
ستوما، چوشو، ہیزن اور توزا کے بیرونی امرا میں منقسم تھا جو جزائر شکوکو، کیوشو اور ہونشو کے
انتہائی جنوب مغرب میں حکومت کرتے تھے۔ ان بیرونی امرا کو مقامی طور پر کافی آزادی حاصل تھی لیکن
وہ اس بات پر مجبور کر دئے گئے کہ اپنے اہل و عیال کو بطور یرغمال کے ٹوکیو میں چھوڑیں اور ہر دوسرا
سال خود بھی ٹوکوگاوا کے زیر سایہ بسر کریں۔

ایک مرتبہ طاقت حاصل کرنے کے بعد ٹوکوگاوا نے اپنے سلطنت کے نظام کو اس طرح ترتیب
دیا کہ اُن کا سیاسی اقتدار اور اندرونی طاقت کا توازن قائم رہے۔ اپنے توازن میں کسی بیرونی مداخلت
کے خطرے کو کم کرنے کے لئے انھوں نے یہ غیر معمولی اقدام کیا کہ ملک کو تمام غیر ملکی آمد و رفت کے لئے
بند کر دیا اور ۱۶۳۸ء میں جاپان واقعی دنیا سے جدا ہو گیا تھا۔ اُس کے آدمیوں کو بڑے سمندری
سفر کے قابل جہاز تک بنانے کی اجازت نہ تھی، غیر ملکیوں کا اخراج کر دیا گیا اور پھر بھی یہ ناقابل گزر
طریقہ کار ختم ہو گیا۔ شوگن حکومت نے ہر نازک موقعے کے لئے احتیاطی تدابیر کر لی تھیں جس سے

ایک کے!

اس حکومت نے ملک میں امن قائم کیا اور امن نے تجارتی ترقی کے لئے کافی آسانیاں بہم پہونچائیں جو کہ جاگیردارانہ خانہ جنگیوں کے دوران میں بھی پھلتی پھولتی رہی تھی۔ تجارت پہلے ہی ایک معاشیاتِ زر کی پیدائش کا سبب بن چکی تھی۔ کسان اپنے جاگیردار و سردار کو محصول اور نذرانے جنس (چاول) میں ادا کرتے تھے لیکن جب سے جاگیرداروں اور شہزادوں کو دربار میں اپنے زبردست تام جھام کو قائم رکھنے کی فکر ہوئی، انھیں یہ ضروری محسوس ہوا کہ ان کی دولت چاولوں کی بجائے روپے کی شکل میں ہو جس سے وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات بآسانی خرید سکیں۔ چاول فروشوں، روپیہ سود پر چلانے اور بدلنے والوں اور اساکا کے تاجروں کی خوب تجارت چلی۔ چاول کی قیمتوں کا سٹہ ایک پرانی چیز ہو گیا اور اس کا فائدہ ہمیشہ تاجروں ہی کو ہوتا تھا۔ شوگنوں کی تمام کوششوں کے باوجود وہ اور امراء دو صدیوں تک برابر مونڈے جاتے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار طبقے کا تقریباً ہر فرد اپنی آمدنی سے زیادہ پر جیتا تھا، یہاں تک کہ سنہ ۱۷۳۰ء تک اُمرا پر تاجروں کا اجتماعی قرضہ ملک کی تمام دولت سے بھی سو گُنا زیادہ ہو گیا تھا اور سنہ ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ یہ بیان کیا جاتا تھا کہ جاگیردار نوابوں اور ان کے سرداروں کی کل املاک کا ۱۵/۱۶ حصہ "شہر کے حقارت کی نظر سے دیکھے جانے والوں" کے پاس رہن ہو چکا تھا۔

شوگن حکومت خود دیوالیہ ہو گئی۔ وہ اپنے فوجی عہدیداروں کو ان کی تنخواہیں بھی نہ دے سکی تھی ہزاروں صوبجاتی فوجی سردار بے روزگار ہو گئے تھے اور کسی بھی ایسے انقلاب کے بھیجنے سے منتظر تھے جو ان کی پریشانیوں کو رفع کر دے۔ اس لئے بھی کہ حقیقتاً اُن کا پندار انہیں کام ہی نہ کرنے دیتا تھا۔ اس کوشش میں کہ جاگیردارانہ معاشرت کے معیار کو قائم رکھا جائے کسانوں کا پوری طرح خون نچوڑ لیا گیا۔ مکمل ناامیدی کے سبب کسانی بغاوتیں ہونے لگیں۔

ٹوکوگاوا نے بڑی شدت سے جاپان کے ساتھ پھر تجارت شروع کرنے کی غیر ملکی کوششوں کو روکے رکھا تھا لیکن ۱۸۵۳ء میں جب شوگنوں کا دور حکومت جھکولے رہا تھا امریکن کپتان پیری اپنی مضبوط گن بوٹوں کو لئے جاپان کے ساحل پر آموجود ہوا اور توپوں کی گرج کے ساتھ تجارتی مراعات اور دنیا کے لئے جاپان کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا۔ شوگن کے پاس نہ فوج تھی نہ بحری بیڑہ، انہیں جھکنا ہی پڑا۔ امریکہ کی رہبری میں سامراجی طاقتوں نے فوراً غیر ملکی مراعات اور مخصوص حقوق کا نظام قائم کر دیا اور مغرور جاپان ایک نیم نوآبادی بن کر رہ گیا۔ شوگن کی بےعزتی کی حد ہو چکی تھی۔ یہ جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ سامراجی دنیا پر کمزور جاپان کے وا ہو جانے کے کیا معنی تھے۔ سمندر کے ٹھیک اُس طرف اپنی شہنشاہیت پرست طاقتوں کے ہاتھوں چین کی پہلے ہی بکا بوٹی ہو رہی تھی۔ آخر ذہنی اور سماجی تعطل سے بچنے کا سوال درپیش ہوا۔ جاپان کے متوسط طبقے نے جو اگرچہ تمام قانونی طاقتوں سے محروم تھا لیکن ایک نہایت حقیقی معاشی قوت کا حامل تھا اسے اور ہوا دے دی۔

امیر تاجروں، مہاجنوں اور اساکا کی دولت ہضم کرنے والی متسوئی اور سماٹومو کمپنیوں کی دولت کے زور سے ستوما، چوسو، ہیزن اور توسا قبیلے مکیڈو کے گرد جمع ہو گئے، کچھ درباری امرا جیسے سائی اونجی اور کنوئی خاندانوں کو تحریک کیا اور غیر مطمئن فوجی افسروں کی حمایت حاصل کر کے کمزور شدہ شوگن کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا چنانچہ شہنشاہ میجی کی بحالی کا اعلان ہو گیا۔ جاپان جدید نے اپنی زندگی "قومی آزادی" ہی کے نعرے سے شروع کی لیکن ابھی اس کی گونج ساکت نہ ہوئی تھی کہ اس نے خود اپنے ہمسایوں پر زبردستی خونی جوا رکھنا شروع کر دیا۔

۲۔ میجی دور — سرمایہ داری کا نشوونما

ٹوکوگاوا شوگن حکومت کا تختہ اُلٹ جانے کے بعد کوئی ایک جماعت بھی کافی مضبوط

باقی تو رہی جو آزادانہ حکومت کر سکتی۔ چاروں قبیلوں اور اُن کے تجارتی پشت پناہیوں نے مل کر ایک چندسری حکومت قائم کرلی اور میکیڈو کے نام پر جس کی اُلوہیت کو خوب شہرت دی جاتی تھی حکومت چلاتے رہے۔ رئیسوں، جنرلوں اور یہاں تک عوام کے انتظامات اُدلتے بدلتے رہے لیکن جاپان کی حقیقی طاقت آج تک اسی چندسری حکومت کے قبضے میں ہے

سنہ ۱۸۶۹ء میں اس مشترکہ حکومت نے اپنی طاقت کو مستحکم کرنے کے لئے ایک شاہانہ قدم اٹھایا۔ چاروں قبیلوں ستشوما، چوسو، ہیزن اور توسا کے سرداروں نے اپنے جاگیری علاقے میکیڈو کو واپس کر دئے باقی تمام جاگیرداروں کو بھی مجبوراً ان کی پیروی کرنی پڑی اور اس طرح ملک کی تمام فوجوں کا نظم و نسق، تمام ریاستی اختیارات میکیڈو یعنی اس چندسری حکومت کے ہاتھ میں آگئے۔ ریاستی نظام کی حیثیت سے جاگیرداری فی الواقعی ختم کردی گئی، لیکن جاگیردار امرا اور فوجی سرداروں کو اُن کی دیوالیہ ریاستوں کی قربانی کا معاوضہ بھی کھول کر دیا گیا۔ بہت سے جاگیردار گورنر بنا دئے گئے اور سب کو اُن کی سابق ریاستوں کی برائے نام آمدنی کا دسواں حصہ بطور شاہی پنشن ملنے لگا۔ اس سرمایہ سے اُن میں سے سیکڑوں نے تجارت شروع کردی جو اب ایک ذی عزت پیشہ بن گئی تھی یہ تجارتیں خوب پھلی پھولیں۔ اس لئے کہ اُن کے مالکان حکومت کی مدد اور اپنے عہدیداران قبیلہ پر بھروسہ رکھتے تھے۔ باقی ہزاروں نئی ریاستی فوج میں افسر بن گئے جو عالمگیر لوٹ کے لئے بنی تھی لیکن بہتوں نے پھر بھی دیہاتی زندگی کو ہی ترجیح دی، نئی زمینداریاں خریدیں اور اپنی زراعت پیشہ "عایا کا" اُسی پُرانے اچھے طریقے سے "خون چوسنے" لگے۔

اساکا کے تاجروں نے جنھوں نے اس انقلاب کے لئے روپیہ دیا تھا خود کو فراموش نہیں کیا۔ انھوں نے یہ طے کر دیا کہ نئی حکومت کو جاگیرداراور فوجی سرداروں کے قرضوں کی ذمہ داری لینی چاہئے اور اسی کے ساتھ گورنمنٹ کی صنعتی تجاویز میں بڑے بڑے ٹھیکے حاصل کرلئے۔ یہ بھی

بنیاد اس لاتعداد دولت کی جو مِتسوئی اور سومی ٹومو خاندانوں نے اکھٹی کر لی۔ اور جنھیں اور چیزوں کے علاوہ بہترین کوئلہ کی کانوں کی اجارہ داری مفت میں حاصل ہو گئی۔ سرمایہ دار بھی اکھٹے ہوئے اور انھوں نے زمین خریدنے اور لگان پر چلانے، کسی پیشے میں داخل ہونے اور سیاست میں حصہ لینے کے اجازت نامے حاصل کر کے اپنی سیاسی طاقت کو قانونی شکل دے دی۔ اس طرح سرمایہ دار زمینداروں کی ایک جماعت نے قدیم جاگیر دارانہ زمیندار خاندانوں کے ساتھ گٹھ بندیاں کر لیں۔ کسان جو کُل آبادی کے اسّی فیصدی سے زیادہ تھے اب غلاموں کی حیثیت میں زمین سے تعلق رکھتے تھے، اِس نے ایک دیہاتی مزدور جماعت کے اُبھرنے کے امکانات پیدا کر دئے۔ اُس وقت حاکم جماعت آبادی کے صرف سات فیصدی ــــ کوئی ۳۱ کروڑ انسانوں میں سے کُل بیس لاکھ کی نمائندہ تھی۔

پارلیمنٹری چال

۱۸۷۳ء میں گورنمنٹ نے خود کو اتنی بڑی بڑی پنشن دینے کے ناقابل پاکر فضول خرچ فوجی سرداروں کے وظیفے میں تخفیف کر دی۔ انھوں نے بغاوت کر دی لیکن یہ اُن کا آخری اقدام تھا کسانوں کی زبردستی بھرتی شدہ نئی ریاستی فوجوں نے جاپانی بہادری کے منتخب نمونوں کو تباہ کر کے رکھدیا اور حکومت کا کافی خرچ بچا لیا۔ اس کے جلد ہی بعد ۱۸۸۹ء میں اس چندسری حکومت نے ایک نیا دستور اساسی نافذ کیا اور اس کے بعد طاقت کی تمام تر جدوجہد کم و بیش آئینی انداز میں ہونے لگی۔ مشترکہ حکومت کے مختلف فریقوں میں شہنشاہ کے طمانیت بخش خاموش مُنھ کے قریب ہی کیبنٹ پر تسلط اور حکومت میں اہم عہدوں کے حصول کی کشمکش ہوتی رہی۔

یہ کشمکش کافی تلخ بھی تھیں کیونکہ بحالی شہنشاہیت کے فوراً ہی بعد سٹسوما قبیلے نے بحری اجارہ داری حاصل کر لی، چوسو نے فوج پر قبضہ جما لیا اور دونوں نے سرکاری عہدوں کو

آپس میں بانٹ لیا۔ تمام خوش نصیب اہل قبیلہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہو کر مرے۔ یمیزن اور ٹیما کے باقی دو قبیلوں نے حکومت کے خرچ پر اپنی حالت بہتر بنانے کے لئے انتخابات لڑے، بہتر اصلاحات کے لئے زور دیا اور چھوٹے سرمایہ داروں اور نچلے متوسط طبقے کے لوگوں میں اپنا اثر جمانے کی کوشش شروع کر دی جن کی رایوں کے زور سے وہ طاقت حاصل کرنے کی توقع کرتے تھے۔ اور چنانچہ جونہی یہ جمہوری رہبر "خطرناک حد تک ہر دلعزیز ہو جاتے، شتر کہ حکومت فوراً انہیں خرید کر" ممبران کونسل یا وزیر بنا دیتی۔

یہ دستور اساسی حقیقتاً جاپانی جالوں میں شاہ کار کی حیثیت سے یاد رکھنے کے قابل ہے۔ میکیڈو کی طرف سے اس کی قوم کے لئے یہ ایک تحفہ تھا۔ اس نظام کے ماتحت شہنشاہ سلطنت کا سرگروہ اعظم، الوہی اختیارات کا سرچشمہ قرار پاتا ہے۔ وہ بحری اور بری فوج کا حاکم اعلیٰ ہے وہ تمام کمانڈر ایڈمرل اور فیلڈ مارشل مقرر کرتا ہے جو خاص شرف حضوری رکھتے ہیں۔ وہ وزیر اعظم کا تقرر کرنا اور کیبنٹ اور ملکی اور خارجی پالیسی کی منظوری دیتا ہے وہ ممبران پریوی کونسل مقرر کرتا ہے (کیبنٹ کے وزیر قاعدہ کی رو سے خود بخود ممبر ہو جاتے ہیں) جو اسے پالیسی میں مشورہ دیتے ہیں۔ "بڑے سیاستدانوں" (اب صرف سیاؤنجی زندہ باقی ہے) لارڈ پریوی سیل وزیر محلات شاہی اور بحری و بری فوجوں کے سرداروں سے بھی وہ رائے لیتا ہے۔ اس طرح یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ میکیڈو کو مشورہ دیتے ہیں در اصل وہی ملک کے حاکم اور کیبنٹ کو بنانے اور توڑنے والے ہیں اور یہ مشیر آج بھی وہی سرمایہ دارانہ اجاروں کے رہبر، درباری امرا، پرانے ضابطہ پرست اور بحری و بری افسران ہیں اور یہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ یہی چند سری حکومت ہے جو اس وقت جاپانی خاسسٹ شہنشاہیت کی حاکم اعلیٰ ہے۔

میکیڈو نے نہایت شان و افتخار کے ساتھ اپنی قوم کے لئے ایک نمائندہ اسمبلی کی منظوری

مرحمت فرمائی لیکن اس کا ایوانِ بالا جس کی منظوری کسی قانون کے بنانے کے لئے ضروری ہے شہزادوں، اونچے سرمایہ داروں ۱۲۵ شاہی نامزدگان اور بڑے بڑے ٹیکس دینے والوں کے چُنے ہوئے ۶۵ ممبروں پر مشتمل ہے، جس میں اُنھی کی مرضی کے بغیر کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ایوانِ زیریں جو ابتداءً ایک نہایت محدود رائے شماری سے (جس کا رائے دہندہ ہونے کے لئے ملکیتِ جائداد ہونا ضروری تھا) منتخب ہوتا تھا، اب عام آبادی کی رائے سے ہونے لگا ہے لیکن وزیر اعظم کے لئے اسی ایوان کا رکن ہونا لازمی نہیں، اسے شہنشاہ خود منتخب کرتا ہے۔ کہنے کو تو اس مجلس قانون ساز کو اپنے سالانہ اجتماع کے موقع پر حکومت کے تمام فیصلوں کی منظوری دینی چاہئے تاکہ وہ قانون بن سکیں لیکن حقیقتاً یہ ہوتا ہے کہ اگر مجلس ذرا بھی منحرف ہوئی تو فوراً توڑ دی جاتی ہے اور چند سری حکومت ایک نئی مجلس بنانے لگتی ہے جو زیادہ نرم ہو۔

مجلس یقیناً شہنشاہ پر تسلط نہیں پا سکتی۔ تخت کا مسئلہ ایک شاہی خانگی قانون کے تحت میں ہے جو دستورِ اساسی سے قطعی جداگانہ ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شاہی خاندان خود ایک بڑا سرمایہ دار ادارہ ہے جس کے ریاستی ذخیرے اور حصے بیس ارب سے زیادہ مالیت کے ہیں۔ اسی سے دربار میں اجارہ داریوں کے اثرات پر روشنی پڑتی ہے۔ مجلس کسی زمانہ میں بھی سوائے اس چند سری حکومت کے آلۂ کار کے کچھ نہ رہی۔ درحقیقت جاپان میں سیاسی جماعتیں اصل میں اسی مشترکہ حکومت کے بیرونی حلقوں سے پیدا ہوتی تھیں جو اندرونی حلقوں سے برسرِ پیکار تھے۔ صرف ۱۹۱۸ء و ۱۹۳۰ء کے درمیان ایک مختصر مدت کے لئے جماعتی حکومت کی کوشش عمل میں آئی تھی (جسے متوسط طبقے اور زمیندارانہ مفاد کے مختلف گروہوں کی نمائندگی حاصل تھی)

دو بڑی جماعتوں میں منسوتو مخصوص طور پر بڑی صنعتوں (متسوبیشی خاندان کی فرمز) اور قدامت پسند فوجیوں کے مفاد کی نمائندہ ہے۔ سیوکائی اُن متسوئی کے اجارہ دار حلقوں اور

انتہا پسند فوجی رہبروں کی نمائندگی کرتی ہے جو دونوں فوری نوآبادیاتی توسیع اور منڈیوں کے خواہشمند ہیں۔ اس لئے سیوکائی نے روایات کے مطابق جنوبی توسیعی تجویز کی مدافعت کی جبکہ منسوتو نے براعظم پر خام مال کی حقیقی ٹھوس فتوحات پر زور دیا۔ صرف ایک واقعہ اس عزت کا اندازہ لگانے کو کافی ہے جس سے چندسری حکومت اس مجلس کو دیکھتی ہے۔ سامراجی پوشیدہ جماعتوں کا ایک لیڈر ٹویاما جب ہکیڈو کی کانوں میں جھوٹا نہ سٹہ بازی کر رہا تھا تو اس نے بیان کیا کہ وہ چھ کروڑ جمع کر کے تمام پارلیمنٹ کو خرید لینا چاہتا تھا تاکہ ایک زبردست قومی جماعت کی بنیاد ڈال سکے۔

یہ تھا وہ دستوری ڈھانچہ جس کے اندر مشترکہ حکومت کے مختلف گروہ اور عوام اپنے مفاد کے لئے گتھم گتھا رہے لیکن اس ڈھانچے کے اندر بھی عوام کی مسلسل آواز اپنا اثر کئے بغیر نہ رہی بعض اوقات چندسری حکومت کے افراد کو خود مراعات دینے پر مجبور ہو جاتے تھے جیسے کہ پچاس سال کی جدوجہد کے بعد عام رائے دہندگی کی منظوری دینی پڑی۔ لیکن جب عوام اپنے دستوری پنجرہ کے اندر ہی بےچینی سے پھڑپھڑانے لگے تو یہ چندسری حکومت اپنے مفاد کی خاطر ایک فرد کی طرح متحد ہو گئی یہاں تک کہ یہ دستوریت بھی اسی رو میں بہہ گئی۔

فوجی جنگل

"بھائی بھی" کے پہلے دور میں اس کے رہنماؤں (جرنیل یا بڑے سیاستدانوں) نے کوئی مخالفت برداشت نہیں کی بلکہ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۸ء تک صرف یہی لوگ وزیر اعظم رہے۔ ساہوکاروں کے اشتراک سے انھوں نے جدید جاپان کا ڈھانچہ تیار کیا، بحری و بری فوج کو وسعت دی ریلوے کے نظام کو مقبول اور صنعت اسلحہ سازی کو بہتر بنایا اور عام تعلیم نیز ٹیکنیکل مشق کے ایک بلند معیار کی بنیادیں رکھیں۔ چوسو کے جرنیل جنرل یاماگاٹا نے ایک شہنشاہی فرمان نکلوادیا کہ بحری اور بری فوجی وزرا صرف فوجی حکام کی منظوری سے مقرر ہو سکتے ہیں۔ اس سے فوجیوں کو

کیبنٹ پر تسلط جمانے کا موقع مل گیا جس سے فائدہ اٹھانے میں انھوں نے کبھی دریغ نہیں کیا۔

یہ یاماگاٹا ہی کی مسلح فوجیں تھیں جنہوں نے جاپان کو اس قابل بنایا کہ وہ ۱۸۹۳ء میں غیر ملکی مراعات اور بیرونی مخصوص حقوق کو ختم کر سکے اور اس طرح خود کو بیرونی شہنشاہیت سے آزاد کرائے لیکن یہ بھی وہی جنرل کی رہبری تھی۔ جس نے ۱۸۹۴ء میں جاپان سے چین پر حملہ کرا کے سامراجی تسلط کے راستے کے پہلے قدم کی حیثیت سے فارموسا اور پسکیڈورز پر قبضہ کرایا۔ اس پہلی لڑائی کے بعد جب کہ جاپان نے چینی جزیرہ نما لیوتنگ پر قبضہ کیا لیکن زار روس کے دباؤ سے خالی کرنا پڑا (جس نے اسے خود قبضا لیا) عیار جنرل نے روسی مخالف برطانوی حکومت کے اشتراک سے ۱۹۰۵ء میں روس پر حملہ کر کے اسے شکست دے دی اور کوریا، جنوبی منچوریا ریلوے کا علاقہ اور جزیرہ نما لیوتنگ پر تسلط کر لیا۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات کے علاوہ تمام کی تمام حکومت نے ان اقدامات کی تائید کی اور یہ بات قابل غور ہے کہ کوریا کی آزاد سلطنت سے بدعہدی اور قبضہ اس قدر شیطانی بیرحمی سے کیا گیا جس سے زیادہ اِس لڑائی میں کبھی نہیں ہوئی۔

یہ دو لڑائیاں جاپانی سرمایہ داری کے سمند ناز کو ایک اور تازیانہ ثابت ہوئیں بڑے بڑے سرمایہ داروں کو نہ صرف نفع بخش جنگی ٹھیکے ملے بلکہ گراں بہا تاوانِ جنگ بھی۔

۰۰۰،۰۰۰،۶ روپے چین سے اور ۰۰۰،۰۰۰،۴۰۰ روس سے۔ سرکاری اعانت کے طور پر ان کی جیبوں میں گئے تاکہ اگلی لڑائی کے لئے تیاری کریں۔ متسوبیشی نے جو متسوئی کے بعد سب سے بڑی اجارہ دار کمپنی ہے درحقیقت اپنی زبردست دولت کی بنیاد ہی فارموسا کی پہلی مہم میں رکھی تھی۔ اُس وقت جاپان میں جتنے بحر اعظم کے سفر کے قابل جہاز تھے جن میں فوجیں روانہ کی جا سکتی تھیں، سب اسی کے بانی اواساکی ہی کے پاس تھے۔ چنانچہ اس نے اس لڑائی سے خوب زبردست منافع حاصل کیا جس کی پہل کرانے میں بھی اس نے کافی حصہ لیا تھا۔

۳۔ سامراجی جاپان کا اُبھار اور جاپانی قوم کی بیداری

۱۹۱۴ء تک جاپانی سرمایہ داری اپنی تیسری بڑی لڑائی کے لئے تیار ہو گئی۔ چین اور منچوریا کا کھاجا اسے ہضم ہو چکا تھا۔ اس کے بینک، سنڈیکیٹ اور صنعتیں اس نسبت سے چل رہی تھیں جس سے وہ نیویارک لندن اور خصوصاً لنکاشائر کا صحیح مدمقابل ہو گیا تھا کیونکہ جاپانی صنعت کا زیادہ تر حصہ پارچہ بافی کے کارخانہ داروں کی ملکیت تھا جو بیچارے "دیسی" باشندوں کی لمحو تو نہیں تو قمیضوں ہی سے ستر پوشی کر لینے کے لئے بیچین ہو رہے تھے۔ بنؔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۴ء تک جاپان کے صنعتی مزدوروں کی تعداد تین لاکھ اڑتیس ہزار سے بڑھ کر دس لاکھ چھیاسی ہزار تک پہونچ گئی تھی، جاپان کی درآمد کی قیمت تگنی ہو گئی تھی۔ اب وہ ایک معمولی تجارتی ملک نہ رہا تھا بلکہ ایک صنعتی اور درآمد کے قابل ملک تھا جس کی نگاہیں ہر وقت نوآبادیاتی منڈیوں کے لئے منڈلاتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے جاپانی سرمایہ دار کا فوجی رہنماؤں سے قریبی تعلق ہے جن میں سے بیشتر اپنے مقام پر خود سرمایہ دار ہیں نیز زمیندار جماعت سے بھی اس کا اشتراک ہے جن کے صنعت اور تجارت میں بڑے بڑے حصص ہیں اور جو بیشتر دیہاتی حلقوں میں سرمایہ کے ایجنٹ ہیں۔ اسی گروہ کی عنایت سے دیہات کو اب تک جاگیردارانہ تعلقات کی بلاؤں سے نجات نہیں مل سکی ہے

بہترین قسم کی پینتیس لاکھ ایکڑ زمین صرف شاہی خاندان کی ملکیت ہے بھلا اس اُلوہی نژاد سے کون محاسبہ کر سکتا ہے؟ بڑے بڑے زمیندار جو تعداد میں کل زمینداروں کا صرف ایک فیصدی ہیں چھبیس[26] فی صدی زمین کے مالک ہیں اور پچیس لاکھ کسانوں کے پاس ایک ایکڑ فی کس سے بھی کم زمین ہے۔ اپنی زمین رکھنے والے کسان جو تمام زمینداروں کے ترانوے فی صدی ہیں قابل استعمال زمین کے صرف نصف کے مالک ہیں۔ کسان کو علاوہ

چھوٹی چھوٹی زمینوں پر بمشکل کاشت کے اپنی فصل کا ساٹھ فیصدی سے زیادہ لگان اور مشینوں کے لئے ادا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتا ہے۔ اس طرح غربت کے مارے دیہاتی عوام تو ملکی منڈی کو محدود کر دیتے ہیں اور صنعتی سرمایہ دار کو اپنے مال کی کھپت کے لئے باہر نظریں ڈالنی پڑتی ہیں۔ سامراجی دور میں ایسی نئی منڈیاں بصرف سخت تجارتی جنگ سے حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن اگر وہ روک دیا جائے یا اس کے امکانات ختم ہو جائیں تو پھر سامراجی حریفوں یا باقی کمزور آزاد ملکوں کے ساتھ کھلی ہوئی جنگ جاری کر کے۔ جاپان چونکہ عالمگیر منڈی میں کچھ دیر سے آیا تھا جبکہ بہترین نوآبادیاں یا تو پہلے ہی پرانی سامراجی قوتوں کے قبضے میں پہنچ چکی تھیں یا قبضے کے مراحل طے ہو رہے تھے اس لئے اس نے سمجھ لیا کہ جلد ہی جنگ میں کودنا ہے۔ اس کی لڑائیاں کامیاب رہیں، جاپانی کارخانہ دار اور زمیندار چین اور کوریا کے کسان کا خون چوس کر ہم آہنگ ہو گئے اور جاپانی صنعت کے لئے خام پیداوار اور نئی منڈیاں حاصل ہو گئیں۔ نتیجتہً صنعتی توسیع نے مزدوروں کی اُس زاید تعداد کو جذب کر لیا جو برباد شدہ دیہات کو چھوڑنے اور دیہاتی قرضے نمٹانے کے لئے روزگار کی تلاش میں کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

گاؤں نے صنعت کو مزدور عورتوں اور بچوں کی لاتعداد فراہمی کا اطمینان دلایا۔ کارخانے ایک ہی وقت میں لاکھوں دیہاتی لڑکیوں کو نگلنے کی مشینیں بن گئے تھے جنہیں وہ دو تین سال تک خوب پیستے اور پھر دق یا آتشک سے اپاہج بنا کر گاؤں میں واپس پھینک دیتے اور ان کی بجائے دوشیزاؤں کے تازہ گروہ حاصل کر لیتے۔ مزدوروں کی یہ کمزور اور بدلتی ہوئی بھیڑ مخصوصاً عورتیں اور جوان لڑکیاں جن پر زبردست صنعت پارچہ بافی کی پست ترین جماعت مشتمل تھی۔ جاپانی صنعتی انقلاب کے ابتدائی دور میں چند سری حکومت کے سامنے

بالکل بے بس کر چکی۔ جیسے کہ برطانیہ میں اونچے ماہر مزدوروں کا چھوٹا سا گروہ نو آبادیاتی لوٹ میں سے رشوت پاکر سامراج کے ہاتھوں بک گیا تھا۔ بلاشبہ یہی اس دور میں جاپانی مزدور تنظیموں کی ترقی میں رکاوٹ کا ایک بڑا سبب ہے۔ جبکہ اس چند سری حکومت کے پاس اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے فوج پولیس اور جیلخانوں کا ایک پورا ریاستی لوازمہ موجود تھا اور وہ تن دہی سے لکمیڈو کی اپنی قوم پر پدرانہ نگرانی کے فرضی افسانے کو ہوا دے رہے تھے، عموماً۔ مزدور اور دیہاتی کسان ابھی یہی طے کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے کہ اُن کے حقیقی مفاد ہیں کیا ؟ اُن کی پہلی کوششیں تو اکا دکا بلووں اور ہڑتالوں میں ختم ہو گئیں۔ البتہ جنگِ عظیم کے دوران میں اور اس کے بعد ذرا تیزی سے ترقی ہوئی۔

منڈیوں اور کچے سامان کی مقدس جدوجہد میں جاپانی سرمایہ دار حریصانہ جنگ میں کود پڑے، شانٹنگ پر قبضہ کیا اور جرمنی سے مائکرونیشیا چھین لیا۔ اس کے بعد ٹوکیو گورنمنٹ نے وہ اکیس[21] مطالبات پیش کر دئے جو اگر منظور ہو جاتے تو ان کا حلیف چین ایک بات میں جاپانی نو آبادی بن کر رہ جاتا۔ صرف چینی انقلابی تحریک نے پیکنگ گورنمنٹ کو سپر ڈالنے سے باز رکھا۔ ناکامی کے باوجود جاپانی سرمایہ داری کو اس جنگ سے بھی فائدہ حاصل ہوا ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان جاپان کی قومی معاشیات نے اپنا لگایا ہوا سرمایہ سات گنا بڑھا دیا اور مصنوعات کی درآمد دگنی سے زیادہ ہو گئی۔ جس وقت اس کے حریف یورپ کی لڑائی میں مشغول تھے جاپان نے ہندستان، انڈونیشیا اور جنوبی امریکہ کی منڈیوں پر تسلط حاصل کر لیا۔

بہر حال جنگِ عظیم کے خاتمے اور اس کے بعد کے جمود نے جاپانی توسیع میں ایک عارضی رکاوٹ پیدا کر دی نو طاقتوں کے صلحنامے اور برطانیہ و ریاستہائے متحدہ سے ۳-۵-۵ کی بحری نسبت نے پہلے اینگلو جاپانی اشتراک کی جگہ لے لی جاپان کی مُہماتی فوج جو بالشویک

سویٹ گورنمنٹ سے سائبیریا کا علاقہ چھیننے کے لئے بھیجی گئی تھی تقریباً دو ارب ین (جاپانی سکہ) برباد کر کے سخت رسوائی کے بعد واپس آگئی یہ واقعات جماعتی مجالس شوریٰ کی حکومت کے ماتحت رونما ہوئے۔ فوجی حکام خصوصاً سائبیریا کی شرمناک ناکامی کے بعد کے مشکل دور میں سیاستدانوں پر تنقیدوں اور ان کی شہرت پانے کے خلاف نہ رہے تھے لیکن جاپانی حریت پسندی کی بہار محض چند روزہ تھی۔ ۱۹۲۷ء میں جاپان کی کمیونسٹ پارٹی کے خلاف اوّلین قانون اس جرم میں نافذ کئے گئے کہ اس نے چینی قومی انقلاب میں مدد کی تھی۔ ۱۹۲۸ء کے آخر میں تمام دنیا ایک معاشی جمود میں مبتلا تھی، سب بڑی بڑی طاقتوں نے اپنی اپنی منڈیوں کی حفاظت کے لئے محصول کی ٹٹیاں کھڑی کرنی شروع کر دیں جس سے جمود اور بھی سخت ہو گیا۔

"اجارہ داری سرمایہ"

جاپانی حاکم جماعت یکے بعد دیگرے منڈیوں سے محروم ہو کر ایک غیر محدود تجارتی جنگ کی تیاری پر مجبور ہو گئی۔ اپنے ملکی محاذ پر تو انھوں نے عقلی تنظیم اور سرمائے کی مرکزیت کا ایک دور رس طریقہ کار جاری کر دیا۔ مٹسوئی، مٹسوبیشی، سومی ٹومو، یسودا، اکورا، فرد کادا، کوہارا ۱
کی موجودہ زبردست اجارہ داریاں جن کی حاکم جماعت میں اہم حیثیت نے دیگر مقابلہ کرنے والوں کی نسبت زیادہ آسانیاں پیدا کر دی تھیں اب اور زیادہ بڑی ہو گئیں۔ انھوں نے بیشمار تجارتی کمپنیوں کے سسکتے ہوئے ڈھانچوں کو جنہیں جمود نے ختم کر دیا تھا ہضم کر لیا۔ اجاری داری کی طاقت جاپان کی معاشی زندگی میں پوری طرح چھا گئی۔ انھوں نے نہ صرف مختلف صنعتوں پر ہی تسلط پا لیا بلکہ تنہا مٹسوئی کمپنیوں کا سرمایہ دس ارب ین ہو گیا اور مٹسوبیشی کا سوا تین ارب۔

جاپان میں تانبے کی ننانوے فیصدی مجموعی پیداوار مٹسوبیشی اور کوہارا کے قبضے میں، کاغذ کی ۹۷ فیصدی مٹسوبیشی، مٹسوئی اور آبے کی ملکیت ہیں، کوئلہ کا ۹۵ فیصدی مٹسوئی اور

مٹسوبشی کے ہاتھ میں، ریل و رسائل کے ۹۰ فیصدی ذرائع مٹسوئی مٹسوبشی اور حکومت کے ماتحت، اور تجارتی جہاز رانی کا ۵۰ فیصدی مٹسوبشی، مٹسوئی اور سمی ٹومو کے پاس ہے۔ کیمیاوی صنعت کے مجموعی سرمایہ کا ۶۶ فیصدی مٹسوئی اور ریسودا کے اختیار میں ہے۔

مٹسوئی، مٹسوبشی کوہارا اور حکومت لوہے اور فولادی مصنوعات کی، مٹسوئی، سمی ٹومو اور کوہارا سونے چاندی ٹین اور ولفرام کی، مٹسوبشی، اسانو، مٹسوئی اور پندرھواں بینک گروپ جہاز سازی کی، مٹسوئی اور ریسودا سیمنٹ کی اشیا کی اور مٹسوئی، مٹسوبشی مصنوعی ریشم کی اجارہ دار ہیں اور تمام سوتی صنعت پر تسلط رکھتی ہیں۔

ملک کے پانچ بڑے بڑے بینک مٹسوئی، مٹسوبشی، سومی ٹومو، ڈائی چی اور ریسودا ہیں۔ وسیدا یونیورسٹی مٹسوبشی کی ملکیت ہے۔ کیجو یونیورسٹی اور جاپان کے ۲۷ براڈکاسٹنگ اسٹیشنوں میں ۱۲ مٹسوئی کے قبضے میں ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے اخبارات اور دارالاشاعت مٹسوئی اور مٹسوبشی کے ہاتھ میں ہیں۔

مزدوروں پر دباؤ

اجارہ داروں کی نئی تقسیم نے مزدوروں سے محنت لینے میں حد ہی کردی۔ اجرت کی کمی کے باعث جاپانی مال کم سے کم نرخ پر باہر بھیجے جانے اور محصول کی سخت سے سخت پابندیوں پر حاوی ہونے کے قابل ہوگیا۔ اجارہ داریوں کے جابرانہ طریقہ کار نے شہروں اور دیہات کے مزدور اور نچلے متوسط طبقے کی بڑھتی ہوئی خوفناک مدافعت کو اور تیز کردیا، جنگ کے بعد کے تعطل نے گاؤں کو تو ایسا برباد کیا کہ کسانوں نے بغاوت کردی۔ ۱۹۱۸ء میں ۸۵ دیہاتی ہنگامے ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں ۴۰۸ اور ۱۹۲۳ء میں دو ہزار۔ بہت سی مرتبہ تو انھیں فوج کے ذریعے دبادیا گیا۔ رسوائے زمانہ "خطرناک خیالات کے قانون" کے پاس ہونے اور پولیس کے بڑھتے ہوئے

خوف کے باوجود ۱۹۲۲ء میں جاپانی کمیونسٹ پارٹی قائم ہو گئی اور نہ صرف مزدور، بلکہ روشن خیال لوگوں چھوٹے تاجروں اور طالب علموں کے بڑے بڑے گروہ ترقی پسند جمہوری تحریک کی طرف کھنچ آئے۔

عوام کے خیالات کو ہموار کرنے کی کوشش میں آخر کار عام رائے دہندگی ۱۹۲۵ء میں رائج کردی گئی جس سے رائے دہندگان کی تعداد محض ۲۸۰۰۰۰۰ سے ۱۳۰۰۰۰۰۰ ہو گئی۔ کسانوں کی ایک مزدور جماعت جس کی رکینت اس کے قیام ہی کے دن ایک لاکھ پچاس ہزار تھی اُسی روز دبا دی گئی۔ لیکن چند سری حکومت کے قانون کی مخالفت بڑھتی چلی گئی۔ ۲۸-۱۹۲۶ء میں ۴۸۴۳ صنعتی ہنگامے ہوئے جس میں ۳۳۵۰۰۴ مزدوروں نے حصہ لیا اور ۳۱-۱۹۲۹ء میں ۶۱۶۵ جن میں ۵۱۸۵۰۰ مزدور شریک تھے (دفتری اعداد و شمار) اس دو برس کے دوران میں بیکاروں کی تعداد چبیس لاکھ تھی۔ دیہاتی حلقوں میں اس زمانے میں چاول اور کرایہ پر ۷۵۹۷ بلوے ہوئے۔ صرف ۱۹۳۲ء میں ۸۰۰۰ آدمی اشتراکیت کے شبہ میں گرفتار کئے گئے۔

اب یہ بخوبی روشن ہو گیا کہ ۱۸۶۸ء میں بحالی میجی سے اوائل ۱۹۳۰ء تک جاپانی سرمایہ داری امراء، زمیندار اور فوجی مختاروں کی ملی جلی حکومت کے تعاون سے بعجلت ترقی کر گئی اور پہلے جنبرد کے ماتحت پھر دستور اساسی کے پردے میں جاگیرداروں اور فوجی سرداروں کی معاشی بنیادوں کو اُکھڑ دا کر اُن سب کو سرمایہ داروں یا سرمایہ داروں کے ملازموں میں تبدیل کر دیا اگرچہ بظاہر وہ بالکل آزاد نظر آتے اور سرمایہ داری کے "مستقل مفاد" کی بیانگ دہل برائیاں کرتے رہے۔ انہی برسوں میں ٹوکیو اور اساکا کا صدر مقام سرمایہ کا اجارہ دار مرکز بن گیا یہاں تک کہ آج بھی تمام جاپان پر اس کا تسلط ہے اور اس کی ریشہ دوانیاں ایشیا کے ہر حصے اور جنوبی امریکہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

لیکن انہی برسوں نے جاپانی سماج کے ایک نئے عنصر کا فروغ بھی دیکھ لیا۔ مزدور جماعت کی ایک واضح اور منظم تحریک جو جاپانی سرمایہ داری کے تعطل کا حل اپنے ہی طور پر تلاش کرتی اور تمام

جمہوری ترقی پسند گروہوں کا اجتماعی مرکز بن رہی تھی۔ اس نئے جاپان نے چندسری حکومت اور اتحادِ تجار کی طاقت، ان کی روز روز کی لڑائیوں اور مستقل جابرانہ عوامی لوٹ کو ختم کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ چندسری حکومت نے ایک ایسی ہر دلعزیز تحریک کو اپنے مقابل پایا جو اُن کی ہستی کی بنیادوں تک کے لئے خطرہ بن گئی تھی۔ یہ کیفیت اُن دنوں سے بالکل مختلف تھی جب انھیں صرف اپنے ہی جھگڑے نمٹانے پڑتے تھے لیکن اجارہ دار اس موقعہ پر آڑے آگئے۔ ایک جارحانہ شدید سیاسی اقدام کے ذریعہ معاشی ردِ عمل شروع کر دیا گیا۔ حکومت کے زیادہ سخت اور فوجی بازو نے کھلے بندوں فاشیت کے طریقۂ کار، شورش انگیزی، دہشت زدگی اور عام تشدد پر عمل کرتے ہوئے نظم ونسق سنبھال لیا اور جمہوریت کے جال کو بھی جو اُن کے لئے اتنا مفید نقاب ثابت ہو رہی تھی، زیادہ سے زیادہ اُتار پھینکا۔

تناکا کے ماتحت فوجی سرداروں نے چین میں اپنی من مانی متشدد کارروائی کی اور مجلس انتظامیہ کو قطعی نظرانداز کر دیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ ایک ضبط پالیسی کی مانگ پر اور زیادہ مصر ہو گئے، غیر فوجی وزیراعظم ہاماگوچی قتل کر دیا گیا اور ۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو فوج نے منچوریا پر چڑھائی شروع کر دی۔ فروری ۱۹۳۲ء میں ٹوکیو کی ایک فوجی بغاوت نے آنری سوملین کیبنٹ کا قتل عام کر دیا۔ یہ فاسسٹ حملہ نہ صرف جاپان کی عوامی بیداری کے خلاف تھا بلکہ اُن طاقتوں کے خلاف بھی جو حقیقتاً جاپان کی مزید سامراجی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہیں اور اُن نوآبادیاتی یا نیم نوآبادیاتی قوموں (خصوصاً چین) کی بیدار کُن جمہوری اور قومی تحریکوں کے خلاف بھی جو جاپانی سامراجی لوٹ کی اصلی اور حقیقی شکار ہیں۔ یہ سال اندرونی اور بیرونی جنگوں سے پُر تھے۔ جاپانی فاسزم کی حکومت کا جہاز خون کے ایک سمندر میں اُتارا گیا۔

۴۔ فاشزم اور جنگ — مُلکی محاذ

چین کے کمیونسٹ مدبر ماؤ زے تنگ نے فاشزم کی یوں تعریف کی ہے "سرمایہ داری کے سب سے زیادہ رجعت پرست، جارحانہ اور سامراجی عناصر کی کھلی ہوئی متشددانہ آمریت"۔ اس سے جاپان کی چند سری حکومت کے وسط ۱۹۳۰ء سے شروع دور کا بعینہٖ نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ اگرچہ عالمگیر جنگ اور اس کے بعد کے تجربہ کی بنیاد پر فوج کی دوبارہ تنظیم ۱۹۲۵ء کے آغاز سے ہی شروع ہوگئی تھی لیکن شنگھائی کی مہم ۱۹۳۱ء اور شنگھائی کی جنگ ۱۹۳۲ء کے بعد جاپانی حکومت کو اس کا احساس ہوا کہ ایک زبردست جارحانہ لڑائی کے لئے کن کن بسیط تیاریوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اسپین اور ابی سینیا کی لڑائیوں میں جرمنی اور اطالوی فاشزم کے نظریات اور تجربات کو دہرایا لیکن سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے جو خاص نقشے ایک مرتبہ مرتب کر لئے گئے ان پر شدت کے ساتھ عمل کیا گیا۔

جرمنی میں فاسسٹ اجتماعی جنگ کی سیاسی تیاریوں نے نازیوں کے لئے ایک مخالف انقلاب کو لازمی کر دیا تھا چنانچہ ہٹلر اور اس کے ٹھگوں نے سرمایہ دارانہ اجارہ داری کے مفاد میں ویمر کی ری پبلک اور جرمن متوسط طبقے کی جمہوریت کو کچل کر رکھ دیا جاپان میں، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، جمہوریت کے ایک معمولی سے چربے ہی کو الٹنا پڑا، حکومت کے چند رکن قتل ہوئے اور رجعت پسندی کی تمام تر قوت عوام کے خلاف کھڑی ہوگئی۔ زمینداروں، تاجروں اور مہاجنوں کی حکومت نے نہایت عیاری سے جاگیردارانہ سماج کو متوسط سماج میں بدلنے کا انتظام کیا تھا، انہیں اسی وقت آمرانہ اقتدار حاصل ہو گیا اگرچہ وہ کبھی بھی اس سے محروم نہ رہے تھے سنہ ۳۰-۱۹۲۰ء کی جمہوریت پسند حکومت نے بھی ان کے اقتدار کی سنجیدگی سے مخالفت نہ کی تھی اب انھوں نے جنگ عظیم کی تیاری کے لئے فاسسٹ حکومت کے قیام میں اپنی طاقت کو پوری مضبوطی سے استعمال کیا۔

جاپان کی یہ فاسسٹ سازی ۱۹۳۳ء کے قریب رونما ہونی شروع ہوگئی تھی ۱۹۳۶ء میں

شہزادہ کونوئی کے ماتحت اس کی تکمیل ہوگئی۔ اس دور میں حکومتی تبدیلیاں اُن کوششوں کے سبب کچھ اہمیت رکھتی ہیں جو حکومت کے لنگر خانے میں بڑے بڑے حصوں کے حصول یا جنگِ عظیم میں اپنے مخصوص نظریات پر عملدرآمد کے متعلق چند سری حکومت کے مختلف گروہوں کے درمیان ہوتی رہیں۔

جاپانی صنعت کے نفع میں جو بڑا حصہ حکومتی سرمایہ کا ملتا ہے اُس نے ہمہ گیر آمریت کی بعجلت تبدیلی میں اور آسانیاں پیدا کردیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں لوہے فولاد اور ریل ورسائل میں لگائے ہوئے سرمائے کا پچاس فیصدی سے زیادہ اور مشین سازی میں تیرہ فیصدی حکومت کی اپنی ملکیت تھا۔ نمک، فاسفیٹس اور منچوریا کی زیادہ تر معدنیات کی اجارہ داریاں اسے حاصل ہیں اور حکومتی بینک کُل سرمایے پر ایک فیصلہ کن اقتدار رکھتے ہیں۔ لیکن اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حکومت کی یہ سرمایہ دارانہ تجارتیں پرائیوٹ سرمایہ داری سے مقابلہ کرتی ہیں بلکہ وہ حقیقتاً اس کے ماتحت ہیں۔ اجارہ دار اس پر قطعی متفق ہیں کہ حکومت کے سرمایہ کو اُن مخصوص دشوار قسم کی تجارتوں میں لگانے کا موقع دیا جائے جن میں منافع غیر یقینی اور دیر طلب ہو یا اُن حدود میں جہاں کے جھگڑوں پر وہ آپس میں فیصلہ نہ کرسکیں۔ علاوہ بریں فاسسٹ مخالف تحریک نسبتاً کمزور تھی اور ابتدائی منازل میں قدیم حکومتی تشدد کے طریقوں یعنی پولیس، باقی ماندہ شورش پسندوں اور خفیہ جماعتوں کی ذریعہ دبائی جارہی تھی۔

جنگ برائے صنعت

جنگ کی تیاریوں کے لئے یہ لازمی تھا کہ جاپانی صنعت بحیثیت مجموعی جنگی ضروریات کے ماتحت آجائے چنانچہ کم سے کم قیمت پر مال کی درآمد سے مبادلۂ زر پر ایک ایسے فنڈ کی بنیاد پڑ گئی جس سے اہم ترین جنگی سامان کا ایک بہت بڑا محفوظ ذخیرہ خرید لیا گیا (جاپانی سمندر پار کی تجارت سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۳۶ء کے درمیان دگنی ہوگئی) درآمد شدہ تمام مال میں سے ملکی استعمال

کے لئے سوتی سامان کی تیاری ممنوع قرار دے دی گئی اور چونکہ جاپان میں پچانوے فیصدی کپاس اور اون باہر سے آتا ہے اس لئے لازمی طور پر کپڑے کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ دوسری طرف لوہے کی درآمد صرف ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان ڈھائی گنی ہو گئی۔ ہلکی صنعت میں نسبتاً کمی کر دینے سے بھاری (اسلحہ) صنعتوں میں اور زیادہ سرمایہ لگانے کا موقعہ مل گیا۔ اگر ۱۹۳۳ء کا معیار ۱۰۰ اقرار دیدیا جائے تو ۱۹۳۷ء کے قریب بھاری صنعت ۲۶۲ اور ہلکی محض ۵۵ اتھی۔ بلاشبہ اس کے معنی یہ تھے کہ جاپان کے ذاتی استعمال کے لئے سامان کم رہ جائے کیونکہ ہلکی مصنوعات سب دوسرے ملکوں میں سستی قیمت پر بکنے کو بھیج دی گئیں تھیں "یہ قمیضوں کی جگہ بندوقوں والی" پالیسی تھی۔ اسلحہ سازی کے جو نئے کارخانے قائم ہوئے وہ درحقیقت خود جنگ عظیم میں زبردست دلچسپی رکھتے تھے۔ لیکن جنگی ٹھیکوں میں شیر کا حصہ انہی بڑی بڑی اجارہ داریوں کو ملا کیونکہ جاپانی ارباب حل وعقد کھلے بندوں اس کا اعتراف کر چکے تھے کہ یہی "زمانہ امن کی وہ تنظیمیں ہیں جو جنگ کے زمانہ میں صنعت کی رہنمائی کے لئے تیار اور استوار ہیں" (پروفیسر تاکیموری)

گورنمنٹ کی نگرانی میں کارخانوں کے اندر سخت قسم کی تقسیم رائج کر دی گئی۔ مٹسوئی، متسوبیشی، سمی ٹومو اور فروکاوا کی زبردست اجارہ داریوں کی مخصوص اسلحہ ساز کمپنیوں میں سینکڑوں جنرل بحیثیت منیجر اور ڈائرکٹر مقرر کر دئے گئے، ہر فیکٹری کو ایسی جنگی پیداوار کے احکام مل چکے تھے جو چند گھنٹوں میں شروع کی جا سکے اور صنعت کو ایک دم جنگی صنعت میں بدلنے کی مشق کرائی جاتی تھی۔ متعدد قانونوں نے پہلے ہی گورنمنٹ کو ذاتی صنعتوں پر تسلط پانے کے دور رس اختیارات بخش دئے تھے۔ کوئی جہاز گورنمنٹ کے مخصوص نقشوں کے علاوہ نہیں بن سکتا تھا تاکہ بعجلت سمندر پار کے سفروں اور مسلح حملہ آوروں کی شکل میں تبدیل ہو سکے۔ موٹروں اور ہوائی جہازوں کے کارخانے بھی اسی طرح قبضے میں کر لئے گئے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں ساٹھ ہزار تجارت خانوں کی

نگرانی کرنے کے لیے جن میں بیس لاکھ مزدور کام کرتے تھے قومی وسائل کا ایک مخصوص مرکز قائم کردیا گیا۔ مرکز نے اس بات کا التزام رکھا کہ منچوریا اور کوریا کے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے تاکہ جاپان کی ملکی خام پیداوار کے ذخیرے وقتِ ضرورت کے لئے محفوظ رہیں۔

اس سیاسی اور معاشی تقسیم کے ساتھ ہی فوجی طریقے بھی استعمال کئے گئے۔ بحری اور بری فوجیں جدید ترین سامان سے مسلح کردی گئیں۔ ۱۹۳۱ء کے لئے جنگی بجٹ پینتالیس کروڑ چھیالیس لاکھ ین یعنی کل بجٹ کا ۳۱ فیصدی تھا۔ ۱۹۴۱ء میں سات ارب چھہتر کروڑ چھیالیس لاکھ نوے ہزار ین یعنی مجموعی بجٹ کا تقریباً پچاس فیصدی ہو گیا بھاری صنعت میں لاانتہا سرمایہ لگا دینے سے لوہے کی پیداوار ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۶ء تک دگنی ہو گئی۔ ۱۹۳۸ء میں ۲۰ فیصدی کا اور اضافہ کردیا گیا (اس اضافہ کا بہت بڑا حصہ ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا کی برآمد میں حاصل ہوا تھا) فولادی پیداوار اس عرصہ میں تگنی ہو گئی۔ یہ سب سامان اسلحہ کے ایک سیلاب، بندوقیں، گولے، مشین گنیں، ہوائی جہاز، ٹرک ٹینک، ٹریکٹر اور جنگی جہازوں میں کھپ رہا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں دس لاکھ سے زیادہ آدمی مسلح تھے۔ اُسی سال جبکہ گورنمنٹ نے کھلے عام ایک "سالِ تعطل" کا اعلان کیا تھا، جاپان اسلحہ سازی کو محدود کرنے کے سوال پر لندن بحری کانفرنس سے علیحدہ ہو گیا اور جنگی جہاز بنانے کا ایک لامحدود مقابلہ شروع کردیا۔ جاپان نے نہایت عیاری سے ریاستہائے متحدہ کو ۳۵۰۰۰ ٹن کے جنگی جہاز بنانے پر مجبور کردیا یعنی اتنے بڑے جو نہر پناما میں سے نہ گذر سکیں۔ امریکہ کو ایک دو بحری بیڑہ تیار کرنا پڑا۔

۱۹۳۷ء میں جاپان نے چین پر چڑھائی کی دوسری نوبت کا آغاز کیا۔ گورنمنٹ کو امید تھی کہ یہ حادثہ محض چند مہینے جاری رہے گا، انہیں ایک ایسی چینی شکست کی توقع تھی جس سے انھیں

چینی خام پیداوار کی دولت سے کھُل کھیلنے کا موقع ملے گا جو کسی بھی جنگ عظیم کے لئے کافی ہوگی اور لامحدود چینی منڈیاں، ارزاں مزدوروں اور توپوں کی خوراک کی ناقابل ختم بہم رسانی اور ایسے اہم فوجی اڈے اُن کے ہاتھ لگیں گے جن سے وہ سویت روس، انڈوچین، برما، تھائی لینڈ اور تمام جنوبی سمندروں کے لئے خطرہ کا باعث بن سکیں گے۔

چین میں تفرقے پیدا کر دئے گئے، اس کی مرکزی حکومت میں جاپان کے موافق وطن فروش موجود تھے، چینی فوجیں جدید سامان جنگ سے تقریباً محروم تھیں لیکن اخیر وقت میں عوام کی ایک مضبوط تحریک نے جو حملہ آوروں کے خلاف ایک قومی محاذ پر جمع ہو گئے تھے تمام ملک کو متحد کر دیا اور جاپانیوں نے خود کو ایک ایسی طویل اور گراں جنگ میں گھرا ہوا پایا جس کے غیر متوقع صدمے نے چند سری حکومت کی مجموعی جنگی تقسیم کی ضرورت کو اور بڑھا دیا۔ اندرونی مرکزیت تیز کر دی گئی اور مکمل فاشزم کی طرف میلان ترقی پا گیا شہنشاہیت کے جارحانہ بے لگام طریقۂ کار کے تمام مخالف کچل دئے گئے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ملکی محاذ پر تمام فاسسٹ مخالف اور خلافِ جنگ تحریکوں کو فنا کر دیا جائے۔ یہ ضرورت اس لئے اور بھی شدید ہو گئی تھی کہ جنگ نے عوام اور ان کی اجتماعی تحریک کے وزن کو بڑھا دیا تھا۔ ملک میں بیس لاکھ سے زیادہ آدمی ہل چھوڑ کر فوج میں بلائے جا چکے تھے، اُن کے گھوڑوں میں سے ۳۵ فیصدی پر ان کے ساتھ ہی قبضہ کر لیا گیا تھا، قرضوں کے سبب زیادہ سے زیادہ کھیت بکتے چلے گئے۔ آدمیوں کی کمی نے چاول کی پیداوار کو صرف ۱۹۳۶ء میں دس فیصدی کے قریب گھٹا دیا اور اس کے باوجود کہ دیہاتی لڑکے ہزاروں پرندوں کی قمیضیں جنہیں شنتو پجاریوں کی دعاؤں کا فخر حاصل تھا پہنے ہوئے تھے، ہلاک شدگان کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو گئی۔

عوام کی مخالفِ جنگ تحریک

شہروں میں کام کی مدت چودہ ۱۴ سے سولہ ۱۶ گھنٹے تک روزانہ بڑھادی گئی۔ رہن سہن کی قیمت بھی پچاس فیصدی بڑھ گئی۔ ۱۹۳۷-۳۹ء جنگی برسوں کے دوران میں ٹیکس کا بوجھ ۲۰۰ فیصدی بڑھ گیا، ۱۹۳۲ء کے مقابلہ میں یہ دو سو ۲۰۰ فیصدی سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ پیدائش کا اوسط جو جنگی صدمے کی صاف علامت ہے ۱۹۳۳-۳۷ء کے ۱۳ فی ہزار سے گر کر ۱۹۳۸ء میں ۹ فی ہزار ہو گیا۔ جاپان میں ضبطِ تولید کا سب سے بڑا حامی جیل میں بند کر دیا گیا۔ جارحانہ کارروائیوں کے باوجود ہڑتالوں اور کسانی بلووں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ۱۹۳۸ء کے پہلے پانچ مہینوں میں ۴۰۰ ہڑتالیں ہوئیں جن میں ۲۷ ہزار آدمی شریک تھے ۱۹۳۹ء کے انہی مہینوں میں ۴۸۷ ہڑتالیں ہوئیں جن میں ۵۲ ہزار تین سو آدمی شریک ہوئے۔ یہ تازہ ترین سرکاری اعداد و شمار سے بیان کیا گیا ہے حقیقی تعداد بلاشبہ زیادہ ہے۔

فاسسٹ مخالف تحریک کے متعلق سیاسی اور معاشی مطالبات تھے۔ کسان یونین کا پروگرام "ایک منصفانہ کرایہ کے قانون، گورنمنٹ کا چاول ضرورتمند کسانوں کو ملنے، سپاہیوں کے خاندانوں کی حفاظت اور کسانوں کے حقِ آراضی کی حفاظت" پر مشتمل تھا۔ اسی پروگرام کی بنا پر مزدور کسان جماعت کو ۱۹۳۶ء میں ٹیفیکیٹ کے انتخابات میں سارے ملک سے سات لاکھ پچاس ہزار ووٹ اور چالیس نشستیں حاصل ہوئیں لیکن اسی سال مجلس کے انتخابات میں منسوٹو نے (جو خود اجارہ دارانہ سرمایہ کا آلۂ کار تھا) یہ فتنہ انگیز سلوگن لگا کر کہ "کیا ہونا چاہیے، پارلیمنٹی گورنمنٹ یا فاشزم؟" عام ہر دلعزیزی حاصل کر لی اور ایک انتخاب میں پینتالیس لاکھ ووٹ جمع کر کے جہاں اسے دہندوں میں ۸۰ فیصدی نے رائے دیں ایک زبردست انتخابی فتح حاصل کر لی۔

ان انتخابات کے موقع پر بہت سے جارحانہ انتظامات کے پہلے سے ہونے کے باوجود

متعدد ٹریڈ یونینیں کھلے بندوں جنگ کے خلاف سامنے آگئیں اور ساتھ ہی مصنفین، آرٹسٹ، استاد اور دوسرے روشن خیال لوگوں کے ان گنت گروہوں نے فاسسٹ مخالف تحریک میں عام دلچسپی پیدا کردی۔ مزدور جماعت کی تنظیموں نے سیاسی جماعتوں کی آزادی، اجارہ داریوں کو قومی ملکیت قرار دینے اور چین میں تشدد کے خاتمے کے لئے آواز بلند کی۔ مخالفِ جنگ تنظیموں نے چینی قومی آزادی کی جماعتوں سے رشتۂ اخوت قائم کرنے کے لئے ڈیلی گیٹ روانہ کئے۔ فوج میں مخالفِ جنگ اشتہار بانٹے گئے جو جاپانی اسلحہ کی طرح منچوریا کے چھاپہ ماردستوں کے ہاتھوں میں جا پہنچ گئے۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل (۱۹۳۵) کی ساتویں کانگرس کے چینی ڈیلی گیٹ نے جاپانی کمیونسٹ پارٹی کی "جاپانی سامراج کے خلاف بہادرانہ جدوجہد اور چینی قوم کے بچاؤ" کی خاص طور پر تعریف کی اور اس کا کام کسی بھی دوسری کمیونسٹ پارٹی سے زیادہ مؤثر بتایا گیا۔ مشہور مصنف زدی ہون کی طرح جاپانی فاسسٹ مخالف آج بھی چین میں کام کر رہے ہیں۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں سوشل ماس پارٹی نے (جسے بعد میں فاسسٹوں نے ختم کردیا) مجلس میں ۳۷ نشستیں جیت لیں، چندسری حکومت تھرا اٹھی اور بے رحمانہ سختی سے کام لینا شروع کردیا۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں ۴۰۰ مزدور رہنما گرفتار کرلئے گئے۔ پولیس نے مخالفِ جنگ تنظیموں، ٹریڈ یونینوں اور کسانی جماعتوں پر چھاپے مارے، چندسری حکومت کی کٹھ پتلی جیسے سیاستدان منسوٹجبنوں نے فاشزم کی مخالفت سے اپنا کام بنایا تھا متنبہ کردئے گئے۔ "جنگی رہنمائی" کے نام پر ایک شاہی ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا جس کا اصل مقصد تمام ملک کو ایک مسلح کیمپ کی طرح رکھنا تھا۔ سامراجی خفیہ جماعتوں جیسے بلیک ڈریگون (سیاہ اژدھا) اور بلیک اوشن (سیاہ بحر اعظم) وطن پرست جماعتوں جیسے سوسائٹی آف ریزروسٹس (محفوظ فوجیوں کی انجمن جس میں ہر ایک اس شخص کا جس کی فوجی ٹریننگ ہو چکی ہے شریک ہونا ضروری ہے) اور پرانے

فوجیوں کی سوسائٹی" بھاری دباؤ والے جنگجو گروپ جیسے" حکومت کی بنیادوں کی سوسائٹی" ٹریڈیونین کے دائیں بازو کے لیڈروں اور حتیٰ کہ شنتو فرقے سب کو ملاکر کوئی چھ سو فاسسٹ اور تقریباً فاسسٹ" جماعتیں بالشویزم کے خلاف جدوجہد کے لئے تیار کرلی گئیں۔ کچھ گروپ کھلے عام دہشت پسند تھے اور کچھ "تعلیمی" کچھ فتنہ پردازی کے ساتھ مزدوروں اور کسانوں کے انقلابی جذبات سے اور باقی صرف "شہنشاہی طریقے" کے "بلند" عقائد سے اپیل کرتے تھے۔ یہ سب بہرحال چندسری حکومت کے مفاد کی خدمات انجام دیتے تھے حتیٰ کہ "تقدیری بگل" جنرل اراکی بھی جو سرمایہ داریت پر اپنے حملوں سے کیبنٹ کو تھرادیتا تھا۔

جوان افسروں کے گروہ میں اراکی سب سے زیادہ پرجوش لیڈر تھا۔ عام جبری بھرتی سے فوج کے بڑھنے کے ساتھ سمورائی کا فوجی طبقہ بھی یا تو ترقی کرکے اعلیٰ کمان تک پہونچا یا ختم ہوگیا۔ ان کی جگہ نوجوان افسروں نے لے لی جو عام طور پر نچلے زمینداروں یا چھوٹے سرمایہ داروں کے لڑکے تھے یہ فطری طور پر بڑے بڑے اجارہ داراداروں کی غاصبانہ طاقت کی مخالفت اور ان کے مستقل حقوق کی شدت سے برائیاں کرتے تھے۔ لیکن اپنی ذاتی سرمایہ دارانہ بنیادوں اور شاہی فوج کی روایات میں سرشار ہونے کے سبب سرمایہ داری پر ان کی نکتہ چینیاں محض زبانی جمع خرچ سے آگے نہ بڑھتی تھیں حقیقت میں وہ ایک حکومتی سرمایہ داری کے لئے محنت کرتے تھے۔ یہ چندسری حکومت کے تسلط کا ایک زیادہ اجتماعی اظہار ہوگا لیکن ان کی عامیانہ تقریریں محنت کش نچلے متوسط طبقے کی بیشمار تعداد کو گمراہ کردیتی تھیں جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ بیچ بچ سُودیوں اور بھی ٹھگوں سے چھٹکارا پاجائیں گے۔ حکومت نے عوام کے خلاف اپنی کوششوں میں ان "کچھ خطرناک" عناصر سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اُس نے مغربی فاشزم سے "فیوہرر" کا تصور بھی لے لیا اور اسے کمیڈو کی پرستش پر محمول کیا۔ ہٹلر کا "نیا نظام" "مشرقی ایشیا کے نئے نظام" اور "ہم خلاجی علاقے"

میں تبدیل کر لیا گیا۔

لیکن جاپانی فاشست فتنہ پروری کی اُستواری اور پولیس کا تشدد خود زبردست فاشست مخالف تحریک سے چندسری حکومت کے خوف کو ثابت کرتا ہے۔ یہ تحریک آج نہ صرف جاپان کے اجتماعی اتحاد کی سطح کے نیچے کھول رہی ہے بلکہ اکثر جنگ کے خلاف کھُلے مظاہروں کی شکل میں پھٹ پڑتی ہے اور بلاشبہ جاپانی شہنشاہیت کی شکست میں اس کا ایک اہم حصہ ہوگا۔

۵۔ آخری دور

اس بات میں کہ جاپان کی فوجی فاشزم جاپانی اجارہ دارانہ سرمایہ داریت کی کنیز ہے اگر کوئی ہلکا سا شبہ بھی ہو تو وہ اجارہ داروں کے منافعوں پر ایک نظر ڈالنے سے دور ہو جاتا ہے ۱۹۳۵ء میں صرف بحری فوج کے ٹھیکوں میں انھیں چھتیس کروڑ اسی لاکھ ین سے کم نہیں ملے ۱۹۳۶ء میں یہ ۳۷ کروڑ ۸۰ لاکھ تک پہونچ گئے اور ۱۹۳۷ء میں ۴۷ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو گئے۔ بعض صورتوں میں فُخیر گورنمنٹ نے ٹھیکوں کے خرچ کا ۷۵ فیصدی پیشگی ادا کر دیا۔ ۱۹۳۶ء میں ۱۹۸ کمپنیوں کا اوسطاً نفع ½۱۴ فیصدی تھا، بھاری صنعتوں کا اوسط ۲۰ فیصدی تھا، چمڑے کے کارخانوں نے اوسط منافع ۴۶ فیصدی حاصل کیا، سائیکلوں میں ½۲۷ فیصدی، لوہے اور فولاد میں ۲۴ فیصدی اور کیمیات میں ۲۳ فیصدی۔ متسوئی، متسوبیشی، یسودا اور سمی ٹومو کے لئے حُبّ الوطنی ایک نفع بخش تجارت ہے۔ چھوٹے سرمایہ داروں نے بھی اُن کی نقل کرنے کی پوری کوشش کی صرف اگست ۱۹۳۸ء میں چور بازاری کی وارداتوں کے نو ہزار آٹھ سو مقدمات عدالت میں چلے جن میں دس ہزار آدمی ملوّث تھے۔ نومبر میں ان کی تعداد ۱۴ ہزار ۶ سو ہو گئی۔

لیکن فاشزم کا وحشیانہ حماقت میں لگایا ہوا سرمایہ تو بہر حال ادا ہونا چاہئے اور یہ سب کا سب براہِ راست غریبوں سے نہیں نچوڑا جا سکتا۔ جاپان کے جنگی بجٹ خزانہ کی عام

آمدنی سے کروڑوں کی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں۔ ۱۹۴۰-۱۹۳۹ء میں بجٹ کا ۶۰ فیصدی سے زیادہ قرضوں سے پورا کیا گیا جن کی تعداد ۵ ارب ۹۲ کروڑ پچاس لاکھ ین تھی۔ جاپان کا قومی قرضہ ۳۱ ارب ین کی عظیم الشان اعداد تک پہونچ گیا ہے جس کا ۳۱ فیصدی بڑے اجارہ دار اداروں کا ہے۔ آج جاپان اس جواری کی مثل ہے جس نے اپنی قمیص بھی ایک آخری قسمت آزمائی میں لگادی ہے سنہ ۱۹۳۰ء میں وہ ۲ ارب ۷ کروڑ ۹۰ لاکھ ین کے سونے کا خوش نصیب مالک تھا جس کا نصف غیر ملکی ادائیگی کے سلسلہ میں باہر رہتا تھا سنہ ۱۹۳۷ء میں اس کے پاس صرف ۸۰ کروڑ ین رہ گئے جن کو کاغذی ین کی شکل میں بڑھا کر ایک ارب ۲۶ کروڑ ۲۰ لاکھ کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں اُس نے ۸۰ کروڑ ۵۰ لاکھ ین اپنے بھاری جنگی سامان کی خریداری کے معاوضہ میں امریکہ کو بھیج دے اور سنہ ۱۹۳۸ء میں ۶۲ کروڑ ۵۰ لاکھ اور بھیجد ئے۔ اس کے باوجود اس کی جامد تجارت کا حاصل جمع سنہ ۱۹۳۸ء میں ۱۲ لاکھ ین تھا۔ اس کی اپنی سونے کی پیداوار ۵۴ کروڑ جمع کر کے یہ معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں اس کے سونے کا مجموعہ ۵۰ کروڑ سے زیادہ نہ تھا اگرچہ مشہور یہ تھا کہ گورنمنٹ کے پاس ۳۰ کروڑ ین کا ایک خاص بد آمدی سونے کا ذخیرہ موجود ہے۔ اس حساب سے (جو ایک نہایت ذمہ دارانہ ذریعہ سے معلوم ہوا ہے) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک یا دو سال کی مزید بھاری خریداری جاپان کے سونے کے ذخیرے کو قطعی ختم کر کے ملک کو سنہ ۱۹۴۲ء میں کسی وقت دیوالیہ کر دے گی۔ (اب تک ایسا نہ ہونے کی وجہ اس کے نئے مقبوضات سے کافی دولت کا ہاتھ لگ جانا ہے، مترجم) جیسا کہ سنہ ۱۹۳۸ء میں ہوا کہ جاپان کی تیل اور دھاتوں جیسی اہم درآمد سنہ ۱۹۳۷ء کے مقابلے میں گر گئی۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں وزیر اعظم کونوئی نے اندازہ لگایا کہ چین کی جنگ ایک طول طویل مرحلہ ثابت ہوگی، اُسے اور لڑائیوں کے بادل بھی گھرتے ہوئے نظر آئے اور اس نے زور لگا کر قومی جنگی تیاریوں کا قانون پاس کرایا جس نے صحیح معنوں میں ملک کی اجتماعی تنظیم کو مکمل کر دیا

اور جنگ عظیم کے صدمات کو برداشت کرنے کے لئے اس کی ٹوٹتی ہوئی معاشیات کو سنبھال لیا۔

ملک بھر کی تنظیموں جیسے "شہنشاہی دور کی معاون جماعت" مجلس کے اراکین کی "معینِ تخت جماعت" اور "نپّن نوجوانوں کی جماعت" نے جاپان میں ایک ایک مرد، عورت اور بچے کو چند سری حکومت کے شہنشاہی مقاصد کے لئے جمع کرنا شروع کر دیا۔

جاپان کے سامراجی مدبروں نے ہر نئے جارحانہ اقدام کی بنیاد بین الاقوامی توازنِ قوت کے ایک عیارانہ تخمینے پر رکھی ہے۔ جب یہ اُن کے مقصد کے مطابق ہوئی تو انھوں نے برطانوی اور امریکی امداد سنہ ۱۹۰۵ء میں روس پر، سنہ ۱۹۱۴ء میں جرمنی پر اور سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۳۷ء میں چین پر حملے کرنے کے لئے بخوشی قبول کرلی اور جب یہ نظر آیا کہ برطانیہ، امریکہ یا فرانس پر بھی مؤثر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے تو جرمنی سے جا ملے۔ اپنی مخالف شہنشاہیتوں کی باہمی رقابتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انھوں نے ایک خاص طور پر بھرپور دار کیا یعنی منچوریا پر چڑھائی کے بعد انھوں نے سرجان سائمن کو مسٹر اسٹمسن کے خلاف بھڑکا دیا۔ اسٹمسن۔ جو اس وقت ریاستہائے متحدہ کا سکرٹیری تھا جاپانی حملے کو روکنے کے لئے مشترکہ اقدام پر مصر تھا۔ سرجان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ برطانیہ کے مفاد میں کچھ حاصل کر سکے گا تعاون سے گریز کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ اور امریکہ دونوں منچوریا سے نکالے گئے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں ۳-۵-۵ کی نسبت سے بحری معاہدہ اس اعتراف کا صریحی ثبوت تھا کہ برطانوی امریکی بحری تعاون سے پہلے بحرالکاہل میں جاپان ہی کا بول بالا تھا۔ اُس تعاون کا اثر اب جا کر کچھ ہوا ہے ورنہ جاپانی فاشزم نے برطانیہ، فرانس اور ریاستہائے متحدہ کی سامراجی رقابتوں پر پرورش پائی ہے۔

جاپان کی تسلّی کے لئے برطانوی کوشش

اس کے علاوہ جاپان اپنی کامیاب فتوحات کو برطانیہ، فرانس اور ریاستہائے متحدہ

کے اس وقت برسر اقتدار خوشامد پسند مدبرین کے عملی تعاون کے بغیر ہرگز بھی حاصل نہ کر سکتا تھا جن کی سویت روس سے نفرت۔ خوف اور مختلف قوموں کے عوام کے اور خصوصاً وہ جو نو آبادیات میں پھیلے جا رہے ہیں، اُس کا اثر، اُن کے تمام دیگر خیالات پر چھا گیا تھا اور اب بھی فاشزم کے خلاف جدوجہد میں اپنا اثر ڈال رہا ہے یہ رجعت پسند بخوبی سمجھتے تھے کہ جاپانی فوجی حلقوں کی توجہ زیادہ تر براعظمی پالیسی پر تھی جس کا مقصد چین کے وسائل اور علاقوں (منچوریا، منگولیا، سنکیانگ) اور سویٹ سائبیریا پر قبضہ کرنا تھا۔ جب کہ بحری افسروں کا مرکزِ توجہ جنوبی پالیسی تھی جس کا مطمح نظر اس چیز کو فتح کرنا تھا جو جاپان کے جنوب اور ہندستان کے مغرب میں ہو یعنی برطانیہ فرانس اور امریکہ کے زیر اثر علاقے۔

یہ دب کر خوش رکھنے والے سمجھتے تھے کہ سویت اور چین کے خلاف جاپان کے شمالی براعظمی عزائم کی ہمت افزائی ایک نہایت اچھی تدبیر ہو گی جس سے انھیں یہ امید بندھی تھی کہ اس طرح اس کی تمام تر قوتیں ان کے اپنے مالدار جنوبی مقبوضات کی طرف سے ہٹ جائیں گی۔ اس کے علاوہ ایک خوش آیندا امکان یہ بھی تھا کہ ان کی مدد سے جاپان شاید سویت یونین اور اس کی نئی جمہوریت کو مکمل طور پر برباد کر دے یا پھر یہ کہ وہ اپنی چین کی لڑائی میں خود کمزور پڑ جائے۔ یہ گویا ان مغربی تسلیوں کا مشرقی تتمہ تھا جن کے ذریعے جرمن نازیت اور اطالوی فاشیت کو ابی سینیا، البانیہ آسٹریا اور زیکوسلواکیہ پر قبضے کر کے خود کو مضبوط بنانے کے موقعے صرف اس لیے دئے جا رہے تھے کہ آخر میں وہ سویت یونین پر حملہ کر سکیں۔

۱۹۳۸ء میں جبکہ چین پر چڑھائی اپنے عروج پر تھی یہ اندازہ کیا جاتا تھا کہ جاپان کو اس کی مجموعی جنگی درآمدوں کا تقریباً دو تہائی حصہ برطانوی امریکن اور ڈچ ذرائع سے مل رہا تھا، عین اس وقت جبکہ چینیوں پر بے پناہ مظالم توڑے جا رہے تھے اور خود انگریزوں کی

بدترین طریقوں سے توہین کی جا رہی تھی جیمبرلین کے ٹوڈی سفیر جاپان سر رابرٹ کریگی نے مندرجہ ذیل سرکاری اعلان پر دستخط کئے "کہ ہز میجسٹی کی حکومت چین میں حقیقی کیفیت کو تسلیم کرتی ہے جہاں ایک بڑے پیمانہ پر جنگ وجدل جاری ہے اور سمجھتی ہے کہ جب تک ایسے حالات موجود ہیں جاپانی فوجوں کو اپنی حفاظت اور پبلک میں نظم قائم رکھنے کے لئے چین میں مخصوص ضروریات درکار ہیں۔ ہز میجسٹی کی حکومت جاپانی فوجوں کے مندرجہ بالا مقاصد کے خلاف کسی فعل کی حمایت کرنے کو تیار نہیں ہے" یہ تھی وہ دعائے خیر جو "مرد میونخ" نے قتل عام کے حق میں فرمائی۔ اب یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جاپان سے دب کر خوش رکھنے کی وجہ برطانوی فوجی کمزوری تھی لیکن اُسی وقت تو برطانیہ جنگی سامان کی کثیر مقدار جاپان کو بھیج رہا تھا۔ برطانیہ کی اپنی اسلحہ کی کمی کو دور کرنے کے لئے کوئی بھی علاج نہ ہو رہا تھا بلکہ ہر ممکن کوشش سوویت یونین کی ان تجاویز میں روڑے اٹکانے کے لئے کی جا رہی تھی کہ تمام حملوں کے خلاف جمہوریتوں کا ایک مشترکہ محاذ قائم کیا جائے۔

اسی زمانے میں ہٹلر کا سوویت کے خلاف رویہ برطانیہ، فرانس اور امریکہ کے ان عناصر کے ساتھ سمجھوتے کے امکانات پیدا کر رہا تھا جو برطانوی۔ امریکن سرمایہ اور مالی پشت پناہی سے جرمنی اور جاپان کی ایک زبردست سوویت مخالف جنگ کی توقع کر رہے تھے۔ حقیقتاً جاپانی شہنشاہیت پرستوں کا ایک بڑا گروہ ایسے اشتراک کے لئے تندہی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن سوویت روس کی بڑھتی ہوئی طاقت اس نقشے کو کم سے کم جاذب نظر بناتی چلی گئی خصوصاً سائبیریا اور منگولیا پر جاپانی حملوں کی سخت ناکامی کے بعد جین نے سوویت کی مدد سے براعظمی توسیع کے سارے جاپانی منصوبے خاک میں ملا دئے اور اس وقت تو ان تجویزوں کی بنیاد ہی اکھڑ گئی جب خود ہٹلر نے سوویت یونین کی طاقت کا اندازہ لگا کر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر دئے اور برطانیہ اور فرانس کی تسلیوں سے کمزور شدہ حکومتوں پر حملہ کر دیا۔ اس صورت میں

جاپان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار ہی نہ رہا کہ یورپ کی جنگ سے اپنے غیر متعلق ہونے کا اعلان کر کے چین کو ختم کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جائے۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں صورت حال بدل گئی۔ ہٹلر کے تمام یورپ پر چھا جانے اور فرانس پر قبضے کے تین مہینے بعد (جس نے جاپان کے لئے انڈوچین میں فرانسیسی مشرق بعید کے مقبوضات کا راستہ صاف کر دیا) محوری سمجھوتے پر دستخط ہو گئے۔ جاپان نے یورپ میں برلن اور روم کا اقتدار تسلیم کر لیا اور انھوں نے مشرقی ایشیا میں اس کی فرمانروائی۔ اور اس بنیاد پر ایک دوسرے کے اقدامات میں مدد کرنے پر متفق ہو گئے۔ نیز انھوں نے اس صورت میں بھی باہمی امداد کا وعدہ کیا جب تینوں جماعتوں میں کسی پر کوئی ایسی طاقت حملہ کرے جو اس وقت جنگ یورپ یا چین اور جاپان کی لڑائی میں شریک نہ ہو۔

اس کے علاوہ انھوں نے اس امر کی توثیق کی کہ مندرجہ بالا شرائط کسی شکل میں بھی اُن سیاسی تعلقات میں مخل نہ ہوں گی جو اس وقت سویت روس اور حلیف جماعتوں میں ہر ایک کے درمیان ہیں۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد (اپریل ۱۹۴۱ء میں) جاپان نے سویت یونین کے ساتھ ایک غیر جانبدارانہ معاہدے پر دستخط کئے جس میں یہ طے پایا کہ:۔

(۱) دونوں حلیف جماعتیں آپس میں پُرامن اور دوستانہ تعلقات قائم رکھنے اور ایک دوسرے کی مُلکی کُلّیت اور استواری کا احترام کرنے پر اتفاق کرتی ہیں۔

(۲) اگر حلیف جماعتوں میں سے کسی پر کوئی ایک یا کئی حکومتیں حملہ آور ہوں تو دوسری حلیف جماعت تمام دوران جنگ میں قطعی غیر جانبدار رہے گی۔

یہ بہر حال ظاہر ہے کہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود جاپان اس زبردست امداد میں کوئی کمی نہ کرا سکا جو سویت یونین چین کو دے رہا تھا۔ اس نکتہ پر جاپان کو قطعی اطمینان نہیں ہوا۔ چینی

جمہوریت کو سویت کی مدد جاری رہی اور اب بھی جاری ہے۔

یہ دو معاہدے جاپانی مشرقی پالیسی میں ایک بنیادی تبدیلی کی علامات تھے، اب برِاعظمی توسیعی پالیسی سے زور ہٹ گیا اور جنوب میں لڑائی چھیڑنے کی تیاریاں زور و شور سے ہونے لگیں۔ "ایشیائی جنگ" جاپانی ضمیر کے "حکمِ آخر" کے نام پر چھیڑی گئی اور یہ حکمِ آخر، جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے اُلوہی میکیڈو کی نہیں بلکہ خداوند "زر" کی خواہش ہے۔

تیسرا باب

میدانِ جنگ

(۱) براعظمی توسیع

ستّر سال تک بحر الکاہل جاپان کا جنگی میدان اور اس کے فوجی سرداروں کے لئے منڈیوں نیز خام پیداوار کی مسرت بخش شکارگاہ بنا رہا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جاپان بحر الکاہل میں واقعی اتنا طاقتور ہو گیا ہے یا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں براعظمی اور بحری طاقتوں کے سب سے بڑے اشتراک کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے یا یہ اقدام سامراجی جاپان کی نظر فریب عام خودکشی کی ایک شکل ہے؟

ا۔ کوریا

جاپان کی جزائر لوچو، بونین وغیرہ کی اولیں فتوحات بھی اپنے انداز اور قیمت میں جنگی نقطۂ نظر سے کافی اہم تھیں لیکن جب اُس نے ۱۹۰۵ء میں کوریا پر قبضہ کیا تو وہ گراں بہا مالِ غنیمت اس کے ہاتھ آیا جسے وہ اُس وقت سے برابر احتیاط کے ساتھ ترقی دے جا رہا ہے۔ آج اُسے کوریا سے سالانہ تقریباً چار کروڑ ین کا سونا، پچیس لاکھ ٹن کوئلہ، پچیس لاکھ ٹن چاول، دنیا بھر کی پیداوار کا تقریباً ۶ فیصدی ٹنگسٹن (ایک کمیاب دھات) اور تقریباً ۷ فیصدی سویابین اور بہت سی دیگر قیمتی پیداواریں حاصل ہوتی ہیں۔

لیکن کوریا کے باشندوں کی حالت دولت کے ان اعداد کے بالکل متضاد ہے۔ کُل آبادی کے پچاسی فیصدی کاشتکار مفلسی کی بدترین حالت میں گذر بسر کر رہے ہیں۔ اُن میں صرف چار فیصدی کے پاس اپنی ذاتی زمین ہے۔ کُل مزرعہ کا نصف ایسے زمینداروں کے قبضے میں ہے جو وہاں رہتے بھی نہیں۔ لگان عموماً فصل کا پچاس فیصدی ہوتا ہے اور اس کا بیشتر ٹیکسوں اور قرضوں کے سود میں جاتا ہے۔ ۸۰ فیصدی کسان مقروض ہیں اور یہ تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ چالیس فیصدی سالانہ سود تو محض معمولی ہے۔ کوریا کے باشندوں کو نہ تمدنی آزادی حاصل ہے نہ سیاسی بلکہ آزادی کی تمام کوششیں نہایت بیدردی سے دبا دی جاتی ہیں۔

ایک آزاد کورین قومی کونسل آج کل چینی فوجوں سے جاپان کے خلاف تعاون کر رہی ہے جس نے اس وقت تک لڑتے رہنے کا عہد کیا ہے جب تک کہ کوریا کو مکمل طور پر آزادی نہ مل جائے۔ جاپان کی قدیم ترین نوآبادی میں شرکتِ دولت کے صرف یہ معنی ہیں اس جنگ میں پولینڈ اور ایبی سینیا کی طرح کوریا کی آزادی بھی اتحادیوں کے اعلان شدہ مقاصد میں شامل ہونی چاہیے۔

۲۔ چین (منچوریا اور اندرونی منگولیا)

۱۹۰۵ء میں کوریا اور کوانٹنگ پر جاپانی قبضے نے (۱۹۳۱ء میں) چین کے تین شمال مشرقی صوبوں اور ان کے ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ باشندوں پر تسلط پانے کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ چینی حکام یہ یقین کرتے ہوئے کہ جمعیت اقوام چین کے معاملہ کو سنبھالے گی اپنی مدافعتی جنگ میں تامل کرتے رہے اور ساتھ ہی مقامی فوجی سردار بھاگتے رہے پھر بھی غیر مسلح عوام نے چند محبِ وطن افسروں کے ساتھ چھاپہ مار مدافعت کی تنظیم کی جو اس وقت تک جاری ہے اور ایک انتقامی فوج کی شکل میں ٹوٹ پڑنے کے لئے صرف مزید اسلحۂ جنگ کی منتظر ہے جاپانی فوجوں میں سے ہزارہا آدمی یہاں پولیس کے کام میں بندھے ہوئے ہیں۔ منچوریا میں دنیا کی کل پیداوار کی ساٹھ فیصدی سویابین

چودہ فیصدی میگنسائٹ اور اس کے علاوہ کوئلے، لوہے اور اناج کی بہت بڑی مقدار پر جاپان کا تسلط ہے۔ اندرونی منگولیا کے مقبوضہ حصوں سے اُسے سمور، کھالیں اور اُون حاصل ہوتے ہیں۔ جاپان کے اس بیان کو کہ اُسے اپنے آدمیوں کے رہنے کو اور جگہ درکار ہے قطعی جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہے تو وہ اس حقیقت سے مِل سکتا ہے کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک صرف ۶۳۹۵ آدمی جاپان سے منچوریا میں بسنے کے لئے آئے۔

چین کے تینوں شمال مشرقی صوبوں کی فتح سے جاپان سویت سائبیریا کے کنارے تک پہونچ گیا۔ نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح جاپان ٹرانس سائبیرین ریلوے، ساحلی صوبوں اور ان کے صدر مقام ولاڈی واسٹک کے لئے خطرہ بن گیا ہے لیکن یہاں وہ محض سائبیریا کی دولت پر نظریں ڈالتا اور سوچ کر رہ جاتا ہے۔

پیداوار	ذخیرے
کوئلہ	دو ہزار کھرب ٹن
تیل	۲ ارب ۸۵ کروڑ ٹن
عمارتی لکڑی	اسّی کھرب ٹن
لوہے کے ٹکڑے	پچیس کھرب ٹن
تانبا	ایک کروڑ ۳۵ لاکھ ٹن
جست	ایک کروڑ ۲۶ لاکھ ٹن

سویت روس اور خصوصاً سائبیریا کی صنعتی تکمیل — دس لاکھ سے زیادہ تعداد میں مضبوط سرخ فوج کا مشرقِ بعید میں اجتماع اور اُسی کی نسبت سے اس کے جدید سامانِ حرب کے ذخیرے، دس ہزار سے زیادہ ہوائی جہاز، اسّی ڈبکنی کشتیاں اور سیکڑوں بکتر

لاریاں اور ان کے ساتھ دریائے آمر پر ولاڈی واسٹک، نکولائی وسک اور کمچٹکا میں ٹیرد پاؤ لوسک کی قلعہ بندیاں"۔ یہ چند اسباب ہیں جنہوں نے جاپان کے فوجی ماہرین کو توقف کرنے پر مجبور کر دیا۔ استالین کی پنج سالہ تجویزوں نے اس علاقے کی تاریخی رفتار کو ہی بدل دیا۔ منچوریا کے مغرب میں نگاہ ڈالنے پر جاپان کو پتہ چلا کہ منگولیا کی نسبتاً کمزور عوامی جمہوریت بھی سویت یونین سے باہمی امداد کے سمجھوتے کی بدولت اتنی ہی ناقابل تسخیر ہو گئی ہے۔ اُدھر مغرب کی طرف چینی صوبے سنکیانگ میں جاپان نے نہایت عیاری سے پانچویں کالم کی تحریک پھیلادی تھی لیکن ۱۹۳۶ء کے قریب اس کا بھو جنرل ما عرف بڑا گھوڑا اچھی طرح مرمت کر کے قید کر دیا گیا۔ وہاں اب ایک مضبوط چینی نظم ونسق قائم ہو گیا ہے اور ترکی ریلوے سے ہو کر سویت روس کے ساتھ بڑھتی ہوئی تجارت نے اسے معاشی اور سیاسی دونوں کے استحکام میں مدد پہونچائی ہے۔ اپنی شمالی اور وسطی ایشیائی توسیع کی تجویزوں میں سویت کی طاقت کو مانع پاکر جاپان دیوارِ چین کے جنوب کی طرف مڑ گیا۔

یہاں اَن گنت دولت پڑی ہوئی ہے۔ جاپان کے پہلے نشانوں یعنی چھ شمالی چینی صوبوں میں (آبادی دس کروڑ سے زیادہ) چینی کوئلے کے مجموعی ذخیروں کا ۸۰ فی صدی (دو کھرب ٹن) اور اس کی لوہے کی کل پیداوار کا ۲۰ فیصدی (۵ کروڑ چھ لاکھ ٹن) حاصل ہوتا ہے۔ دریائے زرد کی زرخیز وادی میں چین کی کل کپاس کی پیداوار کا ۳۳ فیصدی (یعنی دو لاکھ ٹن) اور اس کے کل 'اون' کا ۹ فیصدی (پچاس ہزار ٹن) حاصل ہوتا ہے۔ اور جنوب میں یانگ ٹی وادی اور جنوبی چین کے لکھو کھا عوام (آبادی ۲۰ کروڑ) ایک پرکشش منڈی بنا دیتے ہیں۔ صوبہ ہونان سے سالانہ ۸ ہزار ایک سو ٹن سُرمہ (دنیا کی مجموعی پیداوار کا تقریباً ۴۲ فیصدی) یونان کی کانوں سے ۱۱ ہزار ٹن ٹین (دنیا کی مجموعی پیداوار کا ۷ فیصدی) اور کیانگسی سے دس ہزار ٹن ٹنگسٹن

(دنیا کی مجموعی پیداوار کا ۸۰ فیصدی) حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس دولت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ایک زبردست سرمایہ چاہئے جو جاپان اِس وقت تک مہیا نہیں کرسکا پھر بھی حملۂ چین ۱۹۳۷ء میں اس کے فوجی سرداروں نے اتنے بڑے علاقے کی بازی لگادی تھی جو یورپ سے زیادہ بڑا ہے۔

اُس وقت جاپانی شہنشاہیت پرستوں کو فتح کے گلابی خواب نظر آرہے تھے۔ انہیں یہ توقع تھی کہ طاقت کی ایک فیصلہ کن نمائش اور چند ایک اہم شہروں پر قبضہ کرلینے سے چین ہتھیار ڈال دے گا۔ ۱۹۳۶ء میں چین ابھی ایک کمزور اور غیر متحد ملک تھا۔ قدیم ناکارہ سامراجی نظام ۱۹۱۱ء کے انقلاب میں لُٹ چکا تھا اور ایک برائے نام جمہوری سلطنت قائم کردی گئی تھی لیکن حقیقی طاقت کئی سال تک پُرانے فوجی رہبروں کے ہاتھ میں رہی۔ انھوں نے ملک کو متعدد نیم آزاد علاقوں میں بانٹ کر رکھ دیا اور قدیم جاگیردارانہ زمینداری نظام نہایت مضبوطی سے برقرار رکھا۔ کسانوں کی بہت بڑی اکثریت (آبادی کا ۸۰ فیصدی) لگان دار کاشتکار کی حیثیت میں تھی جن کی پیداوار کا ۷۰ فیصدی لگان اور محصولوں میں جاتا تھا۔ زمینداروں اور جنگی حکام کی حکومت میں ان گراں لگانوں اور محصولوں، جبری وصولیوں، بدنظمیوں اور من مانے اندرونی نرخناموں نے ملکی منڈی کی ترقی کو روک دیا تھا۔ اُن کی بے ترتیب فوجیں ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے نہ بچا سکیں جنہوں نے ملک بھر میں بھاری تاوان جنگ اور غیر مساویانہ معاہدے عائد کردئے۔ تمام بڑی بڑی طاقتوں کے شہنشاہیت پرست کھلاڑی اس وقت چین کے ٹکڑے کرنے کے خیالی گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

تاہم شہروں میں اور خصوصاً اُن میں جو غیر ملکی قبضوں میں تھے تجارت اور صنعت پھل پھول رہی تھی، چینی متوسط اور اس کے ساتھ ہی مزدور طبقہ نشوونما پا رہا تھا۔ ۱۹۲۶ء کے قریب یہ قوم پرست متوسط طبقہ ڈاکٹر سن یات سین اور ان کی کومنتنگ جماعت کی قیادت اور عوام نیز چین کی نئی کمیونسٹ پارٹی کی مدد سے اتنا مضبوط ہوگیا کہ کینٹن میں ایک علیحدہ گورنمنٹ قائم کرسکے۔ ڈاکٹر سن نے اپنے تئیں

عوامی اصولوں والا یہ نظریاتی ڈائنامیٹ پیش کیا کہ "عوام کی حکومت، عوام کے ہاتھوں اور عوام کے لئے" یا زیادہ اجمالاً "قومیت، جمہوریت اور اشتراکیت" انھوں نے تمام طاقتوں سے مدد کی درخواست کی لیکن صرف ایک سویت نے فوجی مشیروں اور نظم و نسق کے ماہرین کے ذریعے امداد کی۔ اُن کی اصلاحات اتنی کامیاب رہیں کہ ۱۹۲۵ء کے قریب زبردست "کمتنگ شمالی مہم" چین سے فوجی آمریت کا خاتمہ کرنے کے مشن پر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

قومی انقلاب نہایت تیزی سے وسطی چین اور شنگھائی کی طرف پھیل گیا جو چینی تجارت و صنعت کا مرکز اور چین میں غیر ملکی شہنشاہیت کا اڈا تھا لیکن یہاں اسے تباہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ دبے ہوئے کسان اور مزدور عوام میں انقلابی خیالات کی بڑھتی ہوئی رفتار نے متوسط طبقے کو خوف زدہ کر دیا ہزاروں ہڑتالیوں نے مزدوری کے انسانی معیار پر لانے کا مطالبہ کیا (سولہ گھنٹے روزانہ کام کا معمولی اوسط تھا) کسانوں نے اپنی ذاتی جماعتیں منظم کر لیں اور بدمعاش زمینداروں کا قلع قمع کرنے لگے (اُن میں کتنے تھے جو بدمعاش نہ تھے!) اُسی وقت سامراجی طاقتوں نے بھی جوابی حملہ کر دیا۔ برطانوی امریکن اور جاپانی فوجیں شنگھائی میں جم گئیں اور برطانوی اور امریکن جنگی جہازوں نے "اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے" نانکنگ پر بہت تھوڑے فاصلے سے خوب بمباری کی۔ اس اندرونی اور بیرونی دباؤ نے چینی متحدہ محاذ کے ٹکڑے کر دئے۔ وسطی کمتنگ نے (جو چینی صنعتوں کے مالکوں اور بینکروں کے ساتھ تھا)، داہنے کمتنگ اور اس کے حلیف زمیندار اور فوجی گروہوں کے ساتھ ایک جماعت بنائی جس کا مقصد بیرونی سامراجی طاقتوں سے سمجھوتہ کرنا اور قومی جمہوری انقلاب پر قابو پانا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں اس رجعت پسند جماعت نے تمام جمہوری اور بائیں بازو کے عناصر کی عام اور خونی صفائی شروع کر دی۔ اس اقدام نے سویت روس سے اس کے تعلقات قطع کرا دئے۔

اشتراکی سورما اندرونی پہاڑی علاقے تک واپس لوٹنے میں کامیاب ہو گئے جہاں انھوں نے کسان مزدوروں کی ایک سویت حکومت قائم کرلی۔ جنرل چیانگ نے نانکنگ کی وسطی حکومت کی بنیاد ڈالی اور ملک کا باقی حصہ متعدد جنگی حاکموں اور فوجی جتھوں کے ہاتھوں میں رہا۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۶ء تک ملک میں سیاسی لڑائیاں ہوتی رہیں مرکزی حکومت نے کمنٹانگ کی آمریت قائم کرنے کی کوشش کی اور اگرچہ اس کے کچھ اراکین ایمانداری سے اُسے چینی اتحاد، جمہوریت کے حصول اور بعدہٗ معاشی ترقی کا ذریعہ سمجھتے تھے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ کوشش جمہوریت پر مزید دباؤ اور پولیس کے تشدد کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حکومت نے مخالفوں کے استحصال کے ذریعہ اپنے تسلط کا دائرہ صوبجاتی فوجی حکام تک پھیلانا چاہا۔ اس کا نتیجہ بھی اشتراکیت، کسان جماعتوں اور ٹریڈ یونین وغیرہ میں عوامی جمہوریت کے آغاز کی تمام علامات کو دبا دئے جانے کی شکل میں بر آمد ہوا۔ چینی سویت اور لال فوج کے خلاف کم از کم چھ مرتبہ مہم روانہ کی گئیں جن میں سے آخری دس لاکھ آدمیوں پر مشتمل تھی۔ جاپان، جرمنی، برطانیہ اور امریکہ نے روپئے اور آدمیوں سے اُسے مدد پہونچائی۔

جس زمانے میں یہ تباہ کن باہمی جنگ ہو رہی تھی، جاپانی تھوڑا تھوڑا کر کے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔ کمنٹنگ کی پھوٹ کے وقت انھوں نے شانٹنگ پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے بعد سے تو انھوں نے خود کو چینی قومیت کے زبردست سامراجی حریف کی شکل میں ظاہر کر دیا تھا جس کا مقصد صرف چین کو کمزور رکھنا ہی نہیں بلکہ اس کی تکا بوٹی کر ڈالنا تھا۔ انھوں نے منچوریا پر ۱۹۳۱ء میں، شنگھائی کے دیہات جیپی پر ۱۹۳۲ء میں اور شمالی چین پر ۳۶-۱۹۳۳ء میں قبضہ کر لیا آخر قومی جمہوری تحریک بھی زور پکڑ گئی۔ چینی کمیونسٹ پارٹی، اس کی تین لاکھ آدمیوں کی ناقابل تسخیر فوج، اور کمنٹانگ کے بائیں بازو (جس کے رہبر، ڈاکٹر سُن فو اور مادام سُن یات سُن تھے

اور نیشنل سالویشن ایسوسی ایشن (قومی آزادی کی جماعت) کے ہزاروں لاکھوں محبانِ وطن کی قیادت میں اُس نے جاپانی حملوں کے روکنے کے لئے تمام چینیوں کے ایک متحدہ جمہوری محاذ کے قیام کا مطالبہ کیا۔ اس کا نعرہ تھا "چینیوں کو چینیوں سے ہرگز نہیں لڑنا چاہیے"۔

اس تحریک کے اثرات کو اتنی طاقت حاصل ہوئی کہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں جب جنرل چیانگ کائی شیک نے شمال مغربی چین میں دوسری بار نئے سویت مرکز کے خلاف اپنی کمیونسٹ مخالف مقدس جنگ چھیڑی تو وہ اپنی ہی فوجوں کے ہاتھوں گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد جنرل سمیت اس کے مشیروں اور جنرلوں اور کمیونسٹ لیڈروں کے درمیان ڈرامائی ملاقاتوں کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چیانگ اس بات کا قائل ہوگیا تھا کہ وہ جس پالیسی پر چل رہا ہے اور جو اسے وانگ چنگ وی (جو اب چین کا جاپانی کٹھ پتلی صدر ہے) اور ہوائی چنگ (جو اب بھی اس کا وزیر جنگ ہے) نے سجھائی اور جسے برطانوی و دیگر تسلی دینے والوں نے سراہا تھا حقیقتاً ملک کو تباہی کی طرف لے جارہی تھی اور اس کی پالیسی کے مرکزی مقصد — اتحادِ چین — کو برباد کررہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنرل چیانگ نانکنگ کو واپس ہوگیا اور اپنا سارا اثر متحدہ قومی محاذ کی تحریک کے ساتھ وابستہ کردیا۔ یہ کوشش فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان کے حامی عناصر حکومت سے خارج کردئے گئے اور کمیونسٹ پارٹی، آزاد صوبجاتی جنرل اور تمام عوامی جمہوری تحریک جنرل چیانگ کے ماتحت مرکزی نانکنگ گورنمنٹ کے گرد جمع ہوگئی اب چین کو تقریر، تحریر اور تنظیم کی آزادی کا ایسا لطف حاصل ہونے لگا جو اس سے پہلے اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا حملہ آوروں کے خلاف ایک متحدہ محاذ کی بنیاد ڈالدی گئی اور یہ عظیم ملک دشمن کے مقابلہ میں ایک قومی جنگ کی تمام قوتوں کو جمع کرنے کے قابل ہوگیا۔ سویت روس کے ساتھ دوبارہ دوستانہ تعلقات قائم کئے گئے۔ یہ چین میں جاپان کی شکست کی تمہید تھی۔

خوش قسمتی سے چین کا سیاسی اتحاد ایک کافی مستحکم معاشی بنیاد پر قائم تھا۔ نانکنگ کی مرکزی حکومت نے جنرل چیانگ کے زیر اثر جو رجعت پسند زمیندار جماعت سے تعلق رکھتا تھا کسانوں کی زمین اور قرضہ کی بنیادی گتھیوں کے حل کرنے کے لئے برائے نام ہی اقدامات کئے لیکن اس کے سرمایہ دار بازو نے نرخ اور محصول کا ایک مشترکہ سسٹم اور ایک مستحکم قومی سکہ چلایا، رسل ورسائل خصوصاً ہوائی جہازرانی کو کافی ترقی دی حتیٰ کہ ایک چھوٹا سا صنعتی مرکز بھی قائم کردیا جو مدافعت کے سلسلہ میں بہت مفید ثابت ہونے والا تھا تاہم توقع کے مطابق جاپان کی پورے طور پر مسلح فوجوں نے ساحلی صوبوں، خاص خاص ریلوں اور پانی کے راستوں اور اُن شہروں پر جو اُن کے کنارے آباد تھے بعجلت قبضہ کرلیا۔ چین کے پاس نہ کوئی بڑہ تھا نہ مسلح فوجیں اور ہوائی جہاز بھی صرف تین سو کی تعداد میں تھے۔ ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے اُس نے لڑائی کی تین نوبتوں والی ترکیب اختیار کی، اس کی فوجیں آہستہ آہستہ اندرونی پہاڑیوں تک پیچھے ہٹ آئیں جہاں وہ بہتر طریقہ پر مسلح فوجوں کا مقابلہ کرسکتی تھیں اور اسی دوران میں چھوٹے چھوٹے لیکن تیز جوابی حملوں سے بڑھتے ہوئے جاپانیوں کو بھاری نقصان پہنچاتی رہیں۔ اسی کے ساتھ جاپانیوں کے عقب میں چھاپہ مار دستے بھیجدیئے گئے تاکہ ان کے رسل ورسائل کو منقطع اور فتوحات کو منضبط کرنے سے روکیں۔ چینی کمیونسٹ پارٹی نے جنگی نقشوں کو ترتیب دینے اور لکھوکھا کسانوں کے چھاپہ مار دستے بنانے میں ایک نمایاں حصہ لیا۔ چین کو دس کروڑ پونڈ قرض اور اسلحہ جنگ کی صورت میں سوویت روس سے قابل قدر مدد ملی۔ ایک محدود مقدار میں برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ سے بھی مدد آنی شروع ہوگئی۔

جنگ کی دوسری منزل میں جو ۱۹۳۸ء میں رونما ہوئی جاپانیوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ نہ کچھ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ اپنی مفروضہ فتوحات سے کوئی خاص معاشی فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اسی دوران

میں چینی ایک نئی فوج کو تربیت دیتے رہے جس کی تعداد اب سرکاری بیان کے مطابق پچاس لاکھ ہے۔ کئی لاکھ چھاپہ ماروں کی بے قاعدہ فوج اس کے علاوہ رہی۔ یہ فوجیں باقاعدہ طور پر سوویت روس اور برما روڈ کے راستے سپلائے ہوتے فوجی سامان سے مسلح ہو گئی ہیں۔ مغربی چین کے ناقابلِ تسخیر صوبوں میں چین کے نئے صنعتی مراکز کے اندر بھی اسلحہ تیار ہو رہے ہیں۔ اس طرح جبکہ چین حملہ آوروں پر ایک فیصلہ کن ضرب لگانے کے مناسب وقت کے لئے تیاریوں میں مصروف ہے جاپانی سولہ سو میل لمبے محاذ کی دلدل میں زیادہ سے زیادہ پھنستے جا رہے ہیں اور اس معرکہ پر ۲۶ کھرب ین برباد کر چکے ہیں۔

چین نے آپ اور اپنی دولت کو جاپانی فاشزم کے کھلے ہوئے پنجوں سے محفوظ کر لیا ہے اور جمہوری دنیا کو سانس لینے کا ایک قابل قدر موقعہ بہم پہنچایا ہے۔ آخر ۱۹۳۸ء میں جا کر جاپانی چند سری حکومت کو یہ اندازہ ہوا کہ چین پر اس کا پوری طاقت سے کیا ہوا حملہ اس وقت تو ناکامیاب ہو گیا ہے اور وہ اس زبردست پیچیدگی سے نکلنے کے لئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور ہو گئی جو اس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے والی تھی۔ اس طرح چینی جمہوریت نے جاپانی فاشزم کے خلاف پہلی جنگ جیت لی۔

چوتھا باب

میدانِ جنگ

(۲) جنوبی بحری توسیع

۱۔ راستے کی ہمواری

سویت کی طاقت اور چینی جمہوریت کی مزاحمت سے مجبور ہو کر ۱۹۳۶ء میں جاپانی چند سری حکومت تازہ توقعات کے ساتھ جنوبی توسیعی پالیسی کی طرف متوجہ ہوئی جیسا کہ اس کے ایک لیڈر نے بیان کیا کہ جاپان کی آئندہ قومی پالیسی اب اس ایک جملہ میں سما گئی ہے کہ "شمال میں دفاع، جنوب میں پیشقدمی" شمال میں جاپان کو آنے والے کئی برسوں تک ایک بہت بڑا سرمایہ لگانا پڑے گا لیکن جنوب کے تغیرات فوراً بار آور ثابت ہو سکتے ہیں۔

مشرقی ایشیا کے نسبتاً بڑے ہم دولتی علاقے کو زیادہ شہرت دی جانے لگی۔ مثلاً بحری سپہ سالار، ایڈمرل سیکاہاشی نے لکھا:-

"یہ شمال میں سخوریا سے شروع ہو کر جنوب میں آسٹریلیا تک پھیلتا ہے۔ مشرق میں یہ ایک سو اسی خطِ متوازی سے شروع ہو کر مغرب میں خلیج بنگال اور برما تک پہنچتا ہے اس کی تعمیر کی پہلی منزل میں منچوکو، چین، انڈوچائنا، برما، ملایا، نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز، نیوگنی، نیوکیلیڈونیا، تمام مغربی بحرالکاہل کے جزیرے، مگر دنیشیا اور فلپائن شامل ہوں گے، اس کے بعد آسٹریلیا بھی ملا لیا جائے گا۔" اور اس کے بعد لکھا:-

"ہماری قوی طاقت کے تناسب سے ایک زیادہ عظیم مشرقی ایشیا بنایا جائے گا جتنی زیادہ ہماری طاقت ہوگی اتنا ہی بڑا ہمارا علاقہ بھی ہوگا۔"

یہ ہے حملے اور دفاع کا وہ تانا بانا جو جاپانی سامراج کا فوری مطمح نظر ہے۔ جنوبی حملے کے لئے خوب تیاریاں کی گئی ہیں، معاشی چھان بین، پانچویں کالم کا پھیلانا، جاسوسی کا جال اور جنگی پیشقدمیاں۔ کریلیز، پیسکیڈورز، لوچو، بونین اور مکرونیشیا کے ۲۵۵۰ جزیرے اڈوں کا ایک پردہ بناتے ہوئے ہوائی کے امریکی بیڑے کو مغربی بحرالکاہل کے اہم میدان جنگ سے جدا کر دیتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ کا بعید ترین مغربی اڈہ، گوام جو جاپانی ہوائی اڈوں سے صرف ۴۰ میل کی دوری پر ہے ہوائی سے ۳۳۰۰ میل دور ہے اور بحرالکاہل کی جنگ کے دوسرے ہی ہفتے میں اس پر تسلط کر لیا گیا تھا۔ مکرونیشیا جو شمال سے جنوب تک ایک ہزار تین سو میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے اور مشرق سے مغرب تک دو ہزار سات سو میل، نیوگنی اور آسٹریلیا کے لئے جاپانی کمین گاہ کا کام دیتا ہے۔ چینی ساحل کے محاصرے اور فتح کے ذریعے جاپان پہلے ہی امریکی و برطانوی فوجوں کو چین سے باہر نکلنے پر مجبور کر چکا تھا۔ رفتہ رفتہ جاپانیوں اور خود اپنے خوشامد پسندوں کے دباؤ سے وہ برطانیہ کے بعید ترین شمالی بحری اسٹیشن ہی ہائی وی، پیکنگ، ہانکو، ٹینٹسن، شنگھائی، فوچو اور امائی سے بھی نکال دئے گئے۔ ایک گولی بھی چلائے بغیر برطانیہ نے صرف ایک شنگھائی میں اپنے پندرہ کروڑ بیس لاکھ پونڈ کے سرمایہ کو کھو دیا۔ دسمبر میں جب جاپانیوں نے اس پر قبضہ کیا ہے تو محض ایک چھوٹی سی برطانوی گنبوٹ باقی بچی تھی جس نے خود کو غرقاب کر کے خوشامدانہ پالیسی پر ایک آخری بھینٹ چڑھا دی۔ ہانگ کانگ کو جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں ۱۹۳۸ء میں کینٹن پر جاپانی تسلط کے بعد خشکی اور تری دونوں راستوں سے قطعی جدا کیا جا چکا تھا اور ہونان نیز اسپریٹلے کے سونگے کے جزیروں پر جاپانی قبضے نے تو اس

کی قسمت پر مہر ہی لگادی۔ اس طرح ۱۹۳۹ء کے قریب جاپان جنوبی سمندر اور اس کے سنہری جزیروں میں کافی اندر تک گھس چکا تھا۔

جنوب مغربی بحرالکاہل کے حسین اور گرم علاقے سب کم و بیش عام نوآبادیاتی طرز کے ہیں تقریباً ناقابلِ رسائی جنگل کے بڑے بڑے علاقے، با فراط دریا اور ساحلی میدان جن میں زرعی پیداوار اور غریب کسانوں کی بہتات۔ چند ایک بڑی کمپنیاں جو براہِ راست یا چھوٹے زمینداروں کی معرفت ربڑ اور ناریل کی کاشت سے ناجائز فائدے اٹھا رہی ہوں، وہ تیل کے بڑے کارخانے جنہوں نے برما اور نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز میں اَن گنت منافع حاصل کئے، ہزار ہا چینی اور جاپانی تاجر اور اندرونی جانب ولایت کے لئے دولت رولتی ہوئی چند مالدار کانیں، جن کے ارزاں ترین مزدوروں کو خود اپنے ملک کے نظامِ حکومت میں تقریباً یا مطلق چوں چرا کرنے کی گنجایش نہیں۔ یہ اُن کی مخصوص تصویر ہے۔

جاپان نے چند ہی برسوں کے اندر ان علاقوں میں ہزار ہا ایجنٹ بھیج دئے ہیں۔ جو وہاں کے ایک لاکھ عجیب و غریب جاپانی کاشتکاروں، تاجروں، حجاموں اور ہر جگہ موجود فوٹو گرافروں اور "نفع کے متلاشیوں" میں گھسے ملے رہتے ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں اس کی ⅕ تجارت انہی علاقوں سے ہوتی تھی۔ ۱۹۴۱ء میں یہ ½ ہوگئی۔ جزیروں کے ان معاشی اور جنگی امکانات سے جاپان نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

۲۔ انڈوچین

جاپان کی جنوبی فوج کشی کی پہلی ہی منزل میں اِنڈوچین اُس کا شکار ہوگیا۔ دو لاکھ ترسٹھ ہزار چھ سو مربع میل کی اس وسیع فرانسیسی نوآبادی کے باشندوں کی تعداد دو کروڑ پچاس لاکھ ہے جن کے قومی اور جمہوری جذبات کا نشان تک انتہائی بے رحمی سے دبایا گیا ہے۔ اس کی سڑکیں، ریلیں

اور ہوائی اڈے ملکی نگرانی کے لئے کھول دئے گئے ہیں اور حقیقتاً یہ خود جاپانیوں کے لئے نہایت مفید ہے۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں فرانس کے فوراً ہتھیار ڈالنے کے بعد جاپان نے ایک تحکمانہ خط گورنر جنرل کیٹرو کو بھیجا جس میں "کچھ مراعات" کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کیٹرو نے سنگاپور سے کمک طلب کی لیکن جواب میں صفر پا کر مستعفی ہو گیا۔ وشی کے حقیقی ارباب حل وعقد نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، انڈوچین کے بچاؤ کی قومی تحریک پارہ پارہ کر دی گئی، جاپانیوں کے خلاف ایک مسلح جماعت انام میں کھڑی ہو رہی تھی وہ دبا دی گئی اور تمام ملک جاپان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس طرح وشی کی غیر جانبداری کی عزت بچالی گئی اور جاپانی گٹھ بندی مغربی سامراجیوں کے سب سے زیادہ رجعت پسند گروہوں میں ایک اور کے ساتھ وابستہ ہو گئی۔

اس معاہدے میں جاپان نے کوئلے ربڑ اور خاص طور پر چاول (دنیا کی کل پیداوار کے ۰ فیصدی) پر خوب ہاتھ مارا اور اسی کے ساتھ جست، سرمہ، کھالوں اور لوہے کی بہت کافی مقدار بھی۔ شمالی انڈوچین میں اسے چھ ہزار سپاہی رکھنے کی اجازت دی گئی اور بہت سے ہوائی اڈوں پر اس کا قبضہ ہو گیا جہاں سے بڑھ کر اُس نے چینی دارالسلطنت چنکنگ پر بمباری کی جس میں دو روز کے اندر تین ہزار آدمی مارے گئے۔ جاپان نے ہنائے اور ہائی فونگ کے ہوائی اڈوں پر بھی تسلط کر لیا۔ معاہدے کی خفیہ دفعات کی رو سے جاپانی باشندوں پر محصول گھٹا دیا گیا اور انھیں تمام تجارت، سرمائے، کاشت کاری اور کان کنی کے اداروں میں پچاس فیصدی حصہ یا حقیقی معنوں میں ملک کی معاشی زندگی کی اجارہ داری دے دی گئی۔ دسمبر تک جاپان اپنے ساٹھ ہزار سپاہی ملک میں پہنچا چکا تھا۔ "برطانوی حملے کے خطرے کے سبب" ایک اور معاہدہ پر دستخط کئے گئے جس سے جاپان کو جنوبی انڈوچین میں مزید اڈے خلیج کمرانھ میں ایک بحری اور ڈبکنی کشتیوں کا اڈا سیگاؤں میں تباہ کن جہازوں کی مرمت کے لئے بحری گودی اور مخصوص

آسامیاں اور آٹھ مزید ہوائی اڈے ہاتھ آئے۔ تھائی لینڈ کی حدبندی پر خاص سڑک اور بنکاک جانے والی ریل کے قریب سنریپ کے مقام پر فوجیں جمع کردی گئیں۔

۳۔ تھائی لینڈ

دوسرا شکار تھائی لینڈ تھا۔ یہ پانچویں دستے کی ریشہ دوانیوں اور غداروں کے جال سے پہلے ہی اتنا چھلنی ہو رہا تھا کہ سات دسمبر کو محض ساڑھے پانچ گھنٹے کی برائے نام مدافعت کے بعد اطاعت قبول کرلی۔ تھائی لینڈ رقبہ میں فرانس سے بڑا ہے، شمال میں پہاڑ اور جنگی میدان اور وسط میں چاول کی کاشت کا علاقہ۔ جنوب مشرقی حد پر ٹین کی کانیں اور ربڑ کے باغات ہیں۔ ایک کروڑ چالیس لاکھ باشندوں میں دس لاکھ چینی ہیں، دس لاکھ پہاڑی پست قبائل اور باقی تھائی باشندے۔ یہ تھائی دراصل جنوبی چین کے رہنے والے تھے لیکن صدیاں گزریں جب چینی توسیع نے انھیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ انھوں نے موجودہ سرزمین کو مقامی باشندوں سے چھین کر دوسروں کی مرضی کی محتاج ایک آزاد حکومت فاصل ریاست کی حیثیت قائم کرلی جبکہ پچھلی صدی کے آخر میں برطانیہ اور فرانس، برما اور انڈوچین میں اپنی سلطنتیں بنا رہے تھے۔

سیام کی سلطنت، جیسا کہ یہ اس وقت کہلاتی تھی، ایک قطعی مطلق العنان شخصی حکومت تھی لیکن ۱۹۳۲ء میں فوجی و غیرفوجی افسروں کی عوامی جماعت نے طلبا اور کمیونسٹ پارٹی کی مدد سے شاہ پراجادھپک کو ایک نظام اساسی منظور کرنے پر مجبور کردیا چنانچہ ۷۰ عوامی نمائندوں اور ۷۰ تاج کے مقرر کردہ ممبروں کی اسمبلی کے اشتراک سے ایک نئی حکومت قائم کی گئی لیکن آخر میں طاقت پھر فوجی جتھے کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ نئی تھائی بحری فوج کے عہدہ داروں میں بہتوں نے جاپان میں تربیت پائی ہے اور تھائی کے معدودے چند جنگی جہاز بھی جاپان میں جاپانی نقشوں کے مطابق ہی بنائے گئے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں جب جمعیت اقوام نے چین میں جاپان کی جارحانہ

کارروائیوں کے خلاف متفقہ طور پر احتجاج کیا ہے تو تھائی لینڈ وہ تنہا ملک تھا جس نے رائے دینے سے احتراز کیا تاہم وہ محوری پھندے میں بہت کافی کشمکش کے بعد پھنس سکا۔ ۱۹۳۲ء میں عوامی جماعت کے انقلاب کے فوراً ہی بعد تھائی لینڈ کی کمیونسٹ پارٹی خلافِ قانون قرار دیدی گئی کیونکہ وہ جمہوری اصلاحات کے لئے مسلسل اصرار کئے جاتی تھی۔ حتیٰ کہ لوانگ پریڈسٹ (جو حال ہی میں وزیر مالیات تھے) اپنی پنجسالہ "اشتراکی نما" تجویز کی بنا پر سخت رجعت پسندانہ نکتہ چینیوں کے نشانہ بنے۔ متعدد وزیر صرف اس لئے استعفیٰ دینے پر مجبور کر دئے گئے کہ وہ وزیر اعظم لوانگ بیپُل کی موافقِ جاپان تبدیلیوں کے خلاف تھے جو حکومت کے زراعتی اصلاحات اور اسمبلی کے تمام ڈپٹیوں کو رائے دہندگان کا ذمہ دار بنانے کے وعدے کو پورا کرنے سے قاصر رہا تھا۔ لیکن مشرق میں برطانیہ اور امریکہ کی دَب کر خوش رکھنے کی حالیہ پالیسی نے اُن تھائی باشندوں کی مطلق حوصلہ افزائی نہ کی جنہوں نے اپنے ملک کو محور کے مقابلہ میں جمہوریتوں کے ساتھ اشتراک کرنے پر مائل کرنے میں سخت محنت کی تھی۔ یہ عناصر اب بھی تھائی لینڈ میں سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ایک لاکھ تھائی فوج دفتری طور پر جاپانیوں کی طرف ہے لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جاپان تھائی عہدیداروں پر کسی اہم اقدام میں اعتماد کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں تھائی کے سفیر نے اپنی جاپان موافق حکومت سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اپنے اہل وطن سے جاپانی مدافعت کی اپیل کی ہے۔

موجودہ وطن پرست سیام نے اپنا اصلی نام تھائی لینڈ پھر اختیار کر لیا۔ اس سے اُن تھائی قبائل سے تعلق کی تجدید ہوگئی جنہیں ۱۸۹۳ء میں فرانس نے زبردستی انڈوچین میں شامل کر لیا تھا۔ جب ۱۹۴۰ء میں فرانس کے خاتمہ کے بعد تھائی لینڈ نے ان ٹکڑوں کو مادرِ وطن سے ملانا چاہا تو جاپان نے خود کو حکم مقرر کیا اور متنازعہ علاقے تھائی لینڈ کو انعام میں بخش دئے اور ساتھ ہی اس انعام کے تحفظ کے لئے "کنارے پر" اپنی فوجیں تعینات کردیں۔ ۱۹۳۰ء سے

تھائی لینڈ میں جاپانی ایجنٹوں کی تعداد مستقل بڑھتی رہی ہے، کپاس کی کاشت کو ترقی دینے اور درحقیقت تھائی لینڈ پر قبضے کی تیاریوں کے لئے ہزارہا جاپانی آموجود ہوئے۔

تھائی لینڈ جاپانی اقتصادیات میں ایک بہت مفید اضافہ ہے۔ دنیا بھر کی ٹین کی پیداوار کے نو فیصدی سے زیادہ، بڑے جنگی جہازوں میں استعمال ہونے والی ٹیک (لکڑی) میں سے بیشتر اور ربڑ نیز چاول کی کافی مقدار وہاں پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک زیادہ مالدار ملک نہیں ہے لیکن اس میں امکانات بہت کافی ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں اس کی مجموعی تجارت تین کروڑ پونڈ تھی اور محصول صرف ایک کروڑ گویا ایک جنگی جہاز کی قیمت کے بقدر لیکن جنگی اہمیت کے لحاظ سے تھائی لینڈ جاپان کے لئے بے بہا ہے۔ سنگاپور، کل جزیرہ نما ملایا اور برما سے پانچ سو میل کے اندر اندر اس میں دس ہوائی اور تین بحری جہازوں کے اڈے موجود ہیں۔ اس کی چند سڑکوں سے ان خاص ریلوں کو سامان مہیا ہوتا ہے جو برما روڈ اور چین و برما کی حدود کے قریب شمالی جانب دارالسلطنت بنگ کاگ سے چینگ مائی کو اور مغربی جانب انڈوچین کے کنارے سے روانہ ہوتی ہیں۔ جنوبی ریل اب جاپانی فوجوں اور سامان رسد کو تنگ کرا استھمس کے راستے ریاستہائے ملایا میں لے جاتی ہے۔ یہی ریل جنوبی برما اور ملایا کے ذریعے سنگاپور پر حملے کی اہم لائن تھی۔

۴۔ ملایا

برطانیہ کے ایشیائی بیڑے کے دو خاص جہاز "پرنس آف ویلز" اور "ریپلز" کو ڈبونے اور کھوٹا بھارو کے ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کے بعد (جس کی محض ۲۰ آدمیوں نے مدافعت کی) جاپانی تھائی لینڈ کی سرحد کو پار کرکے مغربی ساحل پر ریل کے کنارے کنارے، ربڑ کے باغات اور ایپوہ کی ٹین کی کانوں کے درمیان اُن ناکافی برطانوی، ہندستانی اور آسٹریلین فوجوں کو جو مقابلہ کے لئے بھیجی گئی تھیں بے رحمی سے پسپا کرتے ہوئے جزیرہ نما میں پانچسو میل اندر تک نہایت تیزی سے

بڑھتے چلے گئے۔ جاپانی پریس نے نہایت مسرت کے ساتھ ملایا کی دولت کا شمار کیا جو اب ان کے ہاتھوں میں آ رہی تھی اور حقیقتاً وہ تھی بھی قابلِ فخر، دنیا کی کُل ربڑ کی پیداوار کا ۴۱ فیصدی، ٹین، ۲۶ فیصدی، کھوپرا ۸ فیصدی اور بیشمار ٹنگسٹین لوہا اور دوسری معدنیات ۵۵ لاکھ کی آبادی اور ایک ارب پونڈ سالانہ کی تجارتی درآمد و برآمد۔

ملایا کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا (۱) دیسی ریاستیں جن پر سلاطین کا قطعی اقتدار تھا اور (۲) مخصوص برطانوی نظم و نسق کے ماتحت۔ دونوں میں سے کسی میں بھی کوئی با اثر جمہوری حکومت نہ تھی نہ اُن میں کسی نے مدافعت کی خاطر عوام کو بیدار کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھایا" زمین کو برباد کر کے چھوڑنے" کے اتنے دعووں کے باوجود اب یہ پتہ چلتا ہے کہ سفید آبادی تک نے اپنے ربڑ کے باغات اور ٹین کی کانیں جاپانیوں کے لئے کافی اچھی حالت میں چھوڑیں۔ جن میں بہت معقول تعداد ربڑ اور ٹین کے تیار سامان کی تھی۔ پیناننگ میں سرکاری حکام ہی سب سے پہلے بھاگے اور ایک ریڈیو اسٹیشن قطعی محفوظ حالت میں چھوڑ گئے جو شہر کی فتح کے آدھے گھنٹے کے اندر جاپانی پروپگنڈہ کے نشر کرنے میں استعمال کیا گیا۔ یہاں بھی جاپانیوں کو درجنوں کشتیاں اور لانچ ہاتھ آئے جن سے انھوں نے ساحل کے پیچھے برطانوی فوجوں کے عقب میں لنگر اندازی کا کام لیا اور چھ ہفتے کے اندر اندر جاپانی گولے سنگاپور کے دروازوں کو مسمار کر رہے تھے۔ اس چھ کروڑ پونڈ کے" ناقابلِ تسخیر قلعہ" کی مدافعت محض" ٹائیں ٹائیں فش" ثابت ہوئی۔ خشکی کی جانب سے تو یہ قطعی غیر مسلح تھا۔ اس کی بھاری بحری توپیں جو سمندر کی طرف مڑی ہوئی تھیں خشکی کی طرف سے حملہ آور ہونے والوں کے خلاف گھمائی بھی نہ جا سکیں۔ آخری وقت میں سپاہیوں کی بہت بھاری کمک اندر پہونچائی گئی لیکن اُن کے ساتھ کافی ہوائی مدد نہ تھی۔ سنگاپور ایک ہی ہفتے میں ختم ہو گیا اور ۷۰ ہزار فوجوں اور تمام ذخیروں اور اسلحہ کے ساتھ غیر مشروط ہتھیار ڈال دئے گئے۔ بقول مسٹر چرچل

"سنگاپور ہماری تاریخ میں برطانوی اسلحہ کی سب سے زبردست تباہی کا منظر رہا ہے" (ٹائمس ۲۷ مارچ ۱۹۴۲ء)

ملایا کی مہم نے نوآبادیاتی حکومت کے سارے کھوکھلے پن کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ برطانوی حکام کا اعلیٰ طبقہ، سلاطین اور "پکے صاحب" سب آرام طلبی، خود بینی اور نسلی برتری کے احساس سے "پلپلے" ہو رہے تھے" اوپر سے نیچے تک وہی ایک مضبوط لیڈر شپ (رہبری) کا فقدان خود اپنا احساس کرا دیتا تھا۔ قوتِ محرکہ اور جارحانہ طاقت کی کمی سویلین حکام کے اعلیٰ طبقے کی خصوصیت بن گئی تھی۔ ملکی عوام کی زندگی میں حکومت کا مطلق دخل نہ تھا"۔ ٹائمس کے سنگاپور میں نامہ نگارِ خصوصی کے اس آخری بیان سے زیادہ لعنت آمیز تنقید برطانوی نوآبادیاتی نظام پر نہیں کی جا سکتی۔ (۱۸ فروری ۱۹۴۲ء)

سفید رنگ والے منتظمین نے اس وقت تک جاپانی حملے کے لئے مفید سامان کو تباہ کرنے کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جب تک کہ انہیں کمپنی کے ڈائرکٹروں سے جو لندن کے کلب گھروں میں گلچھرے اڑا رہے تھے ہدایات نہ موصول ہو گئیں۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہی کمپنی ڈائرکٹروں نے اجارہ داری تسلط، گراں قیمتوں اور محدود پیداوار کی ایک ایسی نقصان دہ پالیسی پر عمل کیا تھا کہ اس وقت جبکہ جاپان دنیا کی ربڑ کی پیداوار کے ۹۰ فیصدی پر قابض ہے ریاستہائے متحدہ کے پاس محض ایک سال کو کفایت کرنے کے قابل ذخیرہ رہ گیا ہے اور برطانیہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مقامی سرمایہ داروں کی باہمی رقابت اس حد کو پہونچ گئی تھی کہ وہ نہ صرف خود اپنے ماتحتوں کے درمیان نکتہ چینیاں کرتے تھے بلکہ بین الاقوامی پریس تک کی زبان بندی کی کوشش کرتے تھے۔

ایک مقامی "اطلاعات" کے صاحب بہادر نے تو ایک پریس کے نمائندے سے یہ اطلاع دینے کی تحریک کی کہ انھوں نے خود برطانوی بمبار جہازوں کی قطاریں دیکھی ہیں حالانکہ حقیقتاً ایک

ٹکڑی بھی دکھائی نہیں دی۔ ایسے رہبروں کے ہوتے ہوئے یہ کچھ تعجب خیز بات نہیں کہ جب شاہی فوجیں جاپانیوں کے سامنے سے پیچھے بھاگ رہی تھیں تو "حیرت زدہ دیسی عوام گروہ در گروہ بیچارگی سے کھڑے دیکھ رہے تھے"۔ لیکن یہ صرف دیسی عوام ہی نہ تھے جو بیچارگی سے دیکھ رہے تھے بلکہ ساری کی ساری برطانوی نوآبادیاتی حکومت۔

"ملایا کی زبردست ٹریجڈی ہمارے سامنے ہے۔ ہم ملایا میں دیسی باشندوں کی اس سے کہیں بہتر مدافعتی فوج بنا سکتے تھے جیسی کہ جنرل میک آرتھر نے فلپائن میں تیار کی تھی۔ لیکن یہ مٹھی بھر فوجی ہری جگ اور شراب زدہ مالکانِ باغات آبادی کے اس عنصر کو بھول ہی گئے اور اسے جاپانیوں کے سپرد کر دیا۔" یہ ڈیلی اکسپرس کا بیان تھا۔

جب برطانوی حکام نے پناتگ خالی کیا تو دیسی پولس ہتھیار بند تھی لیکن اُسے یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ حملہ آوروں کی مدافعت نہ کرے بلکہ اپنے اسلحہ کو "قانون اور امن" بحال رکھنے کے لئے استعمال میں لائے۔

بایں ہمہ اس لق ودق میدان میں امید کی چند شعاعیں بھی نظر آتی ہیں جنگ کے بالکل ابتدائی دنوں میں ملایا کیونسٹ پارٹی نے عوام کو متحد اور مسلح ہونے اور ہر سڑک، گلی، کان، گاؤں اور ربڑ کی ریاست کو اپنے وطن کی مدافعت میں ایک فصیل بنا دینے کے لئے للکارا۔ "ہم اپنے آخری قطرۂ خون کے بہنے تک ملایا کی حفاظت کے لئے لڑیں گے۔" یہ اور ایسی ہی تجاویز نے جو ہندستانی اور چینی ڈیفنس کونسلوں نے منظور کیں، سنگاپور میں دفاعی خدمات کے لئے بیشمار اور پُرلطف امداد حاصل کر لی ہیں جب کہ جاپانی صفوں کے عین عقب میں ملایا کے ساحلی علاقے کے درمیان کیونسٹوں کے منظم کئے ہوئے چھاپہ مار دستے دشمن کو پریشان کر رہے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ وہی سنگاپور کے حکام جنہوں نے چند ہی ہفتے پہلے دو آدمیوں کو صرف غیر قانونی اشتراکی جماعت

سے تعلق رکھنے کے جرم میں اٹھارہ ماہ قید سخت کی سزا دی تھی، موقعہ پڑنے پر اتنے معقول بن گئے کہ (کمیونسٹ) مینی فیسٹو میں سے اقتباسات شائع کرنے لگے یہ قدم اگرچہ دیر میں اٹھا لیکن غنیمت ہے کہ صحیح سمت میں اٹھا تو سہی۔ لیکن اسی دوران میں دوسرے اہم ترین انتظامی مرکز کوالالامپور سے ٹائمس کے نامہ نگار نے (۳۱ جون ۱۹۴۲ء کو) مندرجہ ذیل بیان بھیجا:۔

"شہر کی دیسی عمارتوں کی مخالف سمت میں، آبادی سے باہر کے رہائشی رقبے جہاں برطانوی حکام اور تاجر رہتے ہیں قطعی ویران ہو گئے تھے۔ یہ وسیع مکانات مع اپنے بہترین باغات کے کسی بھولے بھٹکے کتے کے سوا بالکل غیر آباد پڑے تھے۔ بہت کم سامان برباد کیا گیا تھا۔ شراب کی ایک ادھ بھری بوتل اور ایک عورت کی نصف استری شدہ پوشاک! یہ ایک پورے شہر کے خالی کرنے سے زیادہ اہم سمجھے گئے۔ یہ ایک دور کا خاتمہ تھا۔ اب کچھ بھی ہوتا رہے مستقبل میں برطانیہ کو اُس آرام اور دولتمند طرزِ زندگی کا نعم البدل کبھی نہیں مل سکتا جو کوالالامپور میں ایک یادگار ہو گئی تھی"

ملایا کے حالات کی صرف یہی خصوصیت نہیں کہ مقامی آبادی کے کچھ حصے بے حس تھے بلکہ یہ کہ اُس کے بیشتر گروہ جمہوریت کے لئے لڑنے کے خواہاں بلکہ مصر تھے لیکن سوائے ایکنزار جیتیوں کے نہ کسی کو ہتھیار دئے گئے نہ موقع۔

ہانگ کانگ، منیلا اور نصف ملایا کے کھوئے جانے کے بعد جنرل ویول جنوب مغرب میں بحر الکاہل میدان جنگ کی تمام اتحادی افواج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے لیکن سنگاپور کو بچانے کا وقت نکل چکا تھا اور سنگاپور ہی جنوبی سمندروں اور بحر ہند کی کنجی تھا، ان سمندروں میں سنگاپور ہی وہ واحد اتحادی اڈہ تھا جہاں ایک پورے بیڑے کو پناہ اور بڑے بڑے جنگی جہازوں کی مرمت کی جا سکتی تھی۔ سنگاپور کے کھونے کے بعد اتحادی اب دوسرے درجہ کے اڈوں، مثلاً

سڈنی اور پورٹ ڈاروِن کے ایندھن کے اسٹیشن اور ہندستان و افریقہ کے اڈوں کے محتاج ہو گئے ہیں۔

۵۔ برما

سنگاپور کی فتح کے بعد جاپانیوں نے اپنے حملے کا سارا زور برما، ڈچ ایسٹ انڈیز اور فلپائن کی طرف پھیر دیا۔ برما پر جاپانی حملہ تمام جزیرہ نما ملایا کے قبضے میں آنے سے پہلے ہی زور پکڑ رہا تھا۔ سنگاپور کے ختم ہوتے ہی جاپانی طوفان پورے جوش پر آگیا فروری ۱۹۴۲ء سے تین مہینے کے اندر آخری برطانوی فوجیں بھی انڈو برمی سرحد کے جنگلوں اور پہاڑیوں پر سے انداد ھند پسپائی کے دوران میں اپنا تمام ساز و سامان کھو کر ہندستان میں داخل ہو گئیں۔ اس طرح برما کی کل دولت اور دو لاکھ چونتیس ہزار مربع میل بھی جاپان کے جنگی سینے سے مل گئے اور اُن کے ساتھ ہی دنیا کی ٹنگسٹن کی پیداوار کا سولہ فیصدی، سیسہ کا ۵ فیصدی، سالانہ دس لاکھ ٹن تیل اور ٹین، نکل، کپاس، ربڑ اور ٹیک علیحدہ۔ بحر ہند کا تمام راستہ جس کا رنگون پر انحصار تھا اس کے لئے کھل گیا اور ۲۳ مارچ کو انڈمان پر اُس کے تسلط نے تو خلیج بنگال میں بھی ایک بیرونی چوکی عطا کر دی۔ اب اس کا اہم ترین فوجی مقصد یعنی چینی رسل و رسائل کو روکنے کے لئے برما روڈ کو کاٹ دینا، پورا ہو چکا تھا۔

یہ چینی "رگِ جاں" رنگون سے لاشیو جانے والی ریل کے متوازی اور وہاں سے کیونچاگ، کونمنگ اور چنگنگ کی سڑک کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ سفر کے قابل موسم میں اس پر دو سو لاریاں روزانہ گذرا کرتی تھیں۔ خوش قسمتی سے پہلے ہی یہ زبردست خیال آجانے کی بدولت چینیوں نے کچھ عرصہ قبل ہی سے ایک اور شمالی راستہ شمال مشرقی ہندستان سے براہِ راست چین کے اندر تک بنانا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ یہ راستہ زیادہ دشوار گذار ہے لیکن ہندستان کی جانب سے سڑک سازی کے جدید آلات سے بعجلت بہتر بنایا جا سکتا تھا اور ہوائی ذرائع سے ضروری سامان کی ہم رسانی کو ترقی دی جا سکتی تھی۔ ملایا کی طرح برما پر بھی ایک برطانوی نوآبادی کی طرح حکومت کی جاتی تھی اور اس کے الحاق

(۱۸۸۶ء) سے اب تک ایک سے زائد مرتبہ اس کی شورشوں کو دبایا جا چکا ہے۔ آخری "تھاراواڈی محبان وطن کی شورش" ۱۹۳۱ء میں نہایت بیرحمی سے دبا دی گئی جس میں کئی ہزار برمی جانوں کا نقصان ہوا۔ جاپانی حملے سے کچھ ہی عرصہ پہلے تمام اہم سیاسی جماعتوں نے ایک برمی خود اختیاری حکومت کا مطالبہ کیا تھا۔

۱۹۴۱ء میں حکومت برطانیہ نے عوام کی رائے کے خلاف یوساکو برما کا وزیر اعظم بنا دیا اگرچہ انہیں اس کے جاپان موافق رجحانات کا علم تھا۔ یوسا کی "میوحیٹ" یا وطنی جماعت نے برمی پارلیمنٹ کی ۱۳۲ نشستوں میں سے صرف ۴۳ نشستوں کے ساتھ نو برطانوی رایوں کی مدد سے ایک اقلیتی مشترکہ حکومت بنالی۔ سال ۱۹۴۱ء میں ایک گڈول مشن (خیر طلب وفد) لندن پہونچا تاکہ جمہوریت کی جنگ میں حکومت خود اختیاری کے عالمگیر برمی مطالبے پر زور دے۔ نومبر ۱۹۴۱ء میں واپسی پر اُس نے یہ بیان دیا "کوئی نہیں کہہ سکتا کہ برما کو حکومت خود اختیاری کب ملے گی۔ برطانوی ارباب حل وعقد نے کہدیا ہے کہ ہم جنگ کے بعد اس پر گفتگو کریں گے"۔ اس سوال پر فوراً بحث کرنے سے انکار کا خاص سبب یہ تھا کہ وائٹ ہال کے بیانات کے مطابق "برما خود کو بچا ہی نہیں سکتا تھا"۔

ایک ہی مہینے بعد وزیر اعظم یوسا گرفتار کر لیا گیا، اس پر جاپانیوں کے ساتھ سازش کرنے کا الزام تھا۔ لیکن جمہوری اور چین موافق برمی لیڈر بھی ساتھ ہی گرفتار کر لئے گئے مثلاً ڈاکٹر باما، مزدوروں کی جماعت کا سابقہ وزیر اعظم جون ۱۹۴۰ء میں ڈیفنس کی دفعات کے ماتحت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کا بیشرو یوباپے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ برما کے لئے حکومت خود اختیاری کے جائز مطالبات سے انکار کر کے اور دوسرے جمہوریت دشمن طریقوں سے حکومت برطانیہ جاپانی پروپگنڈہ کے لئے اس کی ضرورت کے تمام دلائل خود فراہم کر رہی تھی اور برما کے اُن بہت سے باشندوں کے قدموں کے نیچے سے زمین کھسکا رہی تھی جو یہ یقین رکھتے تھے کہ برما کی آزادی کا راستہ فاسزم کی تباہی میں ہی ہے۔

برما کی شکست مشرق اور خصوصاً ہندستان میں اُن تنگ نظر رجعت پسندانہ حلقوں کی ہمت

افزائی کرنے کی تباہ کن پالیسی کی قیمت کا محض ایک حصہ ہے جو بد ترین سامراجی رجعت پسندوں سے گٹھ بندی کو ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ بمقابلہ اُن روشن خیال قومی جماعتوں کے جن کا مقصد جمہوری آزادی اور تعاون ہے۔ وہ پالیسی ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے اور شاید اب ہندستان میں بھی شدید نتائج پیدا کرے۔

ہندستان کو اٹلانٹک چارٹر سے خارج کرکے محض کرپس کی تجاویز پیش کی گئیں اور اس وقت تک بھی اس کے قومی حکومت کے حق سے انکار کیا جارہا ہے۔ برما کو آزادی نہ دینے نے جمہوری مدافعت کی برمادالی صحت کو کمزور کر دیا۔ یہ وہی "نوآبادیاتی دماغ" تھا، سفید فام قوم کا حقیقی بوجھ، جس نے برما اور ملایا کی دفاع میں چینی تعاون کی پہلی پیش کش کے لئے برطانوی حکام سے انکار کرا دیا تھا جب زیریں برما پر جاپان کی اولیں بھاری ضربات پڑ چکیں، رنگون پر اچھی طرح بمباری ہو چکی اور دسمبر جنوری میں ملایا کے درمیان اور سنگاپور کے نیچے سے جاپان کا بڑا حملہ شروع ہو گیا تو انھوں نے بھی ذرا اپنے خیالات بدلنے شروع کئے۔

اس وقت بھی چینی تعاون جو چینیوں نے مکمل طور پر پیش کیا تھا برطانیہ نے اوپری دل سے قبول کیا۔ برمی آبادی کے گروہ فوجی کارروائیوں کے عین درمیان حقیقتاً دشمنی کا برتاؤ کر رہے تھے۔ تشدد کے دور نے اُن محبِ وطن اور ترقی پسند اثرات کو برما میں کچل کر رکھ دیا تھا جو جاپانیوں کی مدافعت کے لئے عوام کی بہت بڑی تعداد کو آمادۂ پیکار کر دینے کے اہل تھے۔ ملایا کی داستان ایک زیادہ شدید اور بڑے پیمانے پر دُہرا دی گئی۔

۶۔ فلپائینز

سنگاپور سے ایک ہزار تین سو تیس میل جانبِ شرق فلپائن کے جزیرے واقع ہیں جو تعداد میں ۷۰۸۳ ہیں۔ ان کا مجموعی رقبہ جاپان کے نصف سے زیادہ اور آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ

ہے۔ فلپائنز دولت مند جزیرے ہیں جن میں دنیا کی سالانہ ناریل کی پیداوار کا ۳۲ فیصدی، شکر کا ۵ فیصدی اور کافی، چاول، کردم، لوہا، سونا، چاندی تانبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ناقابل کاشت علاقے کے محض ۱۳ فی صدی حصے میں کھیتی کی جاتی ہے اور اس کی معدنیاتی دولت میں سے ابھی بیشتر کی تحقیق بھی نہیں کی گئی۔

تاہم یہی وہ دولت ہے جس پر جاپان کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ان جزیروں میں لاتعداد ایجنٹ مقرر کئے۔ یہ اس وجہ سے زیادہ دشوار نہ تھا کہ برازیل کے سوا کسی ملک میں بھی اتنے جاپانی مہاجر نہیں ہیں جتنے فلپائنز میں۔ جزیرہ دوائو میں ہر ایک امریکن کے مقابلے میں ۱۰۵ جاپانی تھے اور دوائو کی درآمد کا ۹۰ فیصدی جاپان سے آتا تھا۔ فلپائنز کی طرف جاپان کے حملے کی نیت برسوں پہلے اور خصوصاً ۱۹۳۸ء سے ظاہر اور وہاں کے باشندوں کے لئے باعث تشویش رہی ہے۔ وہ آزادی چاہتے تھے اور ساتھ ہی حفاظت بھی۔ چنانچہ امریکن حکام کے تعاون سے انھوں نے مدافعت کے لئے ملک کی تنظیم کی، اس کارروائی کے پہلے ہی دن جاپان نے لوزون کے جزیرے پر حملہ کردیا۔ ایک لاکھ تیس ہزار فلپائنی فوج نے امریکن جنرل میک آرتھر کی قیادت میں جنگ کا جواب دیا اور حملہ آوروں کی پہلی لہر کو روک دیا۔ فوجیوں اور انہی کے ساتھ غیر فوجیوں نے دشمن کو پیچھے کھاڑیوں میں دھکیل دیا۔ صدر کوئیزون نے ایک قانون نما بیان کے ذریعے مدافعت میں تمام جماعتوں کے تعاون کا خیر مقدم کیا۔ پھر بھی جاپانیوں نے ایک لاکھ آدمیوں کی جمعیت سے تین ہفتے کے اندر منیلا فتح کرلیا، اس کے بعد اور فوجیں اُتاردی گئیں اور میک آرتھر کو مجبوراً جزیرہ نما باٹان میں پیچھے ہٹنا پڑا جہاں بہرحال شدید مدافعت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ۱۱ اپریل کو باٹان کی بہادرانہ داستان بھی ختم ہوگئی۔ امریکہ کا ایشیائی بیڑہ جو کوئی تین کروزروں ۱۳ تباہ کن جہازوں ۱۸ آبدوزوں اور تقریباً ۲۰۰ ہوائی جہازوں پر مشتمل تھا۔ ابتدائی منزل میں ہی اپنے فلپائنی اڈے کیوائٹ سے منتقل ہوگیا اور ایک پوشیدہ

اڈے سے جاپانی بحری جہازوں کو کافی نقصانات پہونچاتا رہا جزیرہ ہوائی جہاں امریکہ کا خاص بیڑہ رہتا ہے یہاں سے چار ہزار میل دور، کوئی تین ہفتے کی مسافت پر تھا جب کہ جاپانیوں کی رسد رسانی کا مرکز فارموسا، قریب ترین فلپائنی جزیرے سے محض ۵۰۰ میل پر تھا اور جاپانی بحری اڈے پلاؤ سے تو نیلا تک کل ۱/۲ ۷ گھنٹے کی پرواز درکار تھی۔

فلپائنیز پر مکمل تسلط کا انتظار کئے بغیر جاپانی لڑائی کے دوسرے ہی ہفتے میں نیدرلینڈ ایسٹ انڈیز اور بورنیو کی طرف ایک پوری طاقت کے حملے کے لئے پورے ساز و سامان کے ساتھ بڑھ گئے۔ برطانوی سراوک جس پر ایک سفید فام راجہ کی حکومت تھی فوراً ہی فتح ہو گیا۔ اس میں درحقیقت کوئی مدافعت تھی ہی نہیں (ایک ہوائی اڈہ تھا جو فٹ بال کے میدان کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا)

برطانوی شمالی بورنیو بھی مع اپنے تیس ہزار مربع میل اور ڈھائی لاکھ کی آبادی کے ایک نشانہ پر بیٹھی ہوئی چڑیا کی طرح گر کر ختم ہو گیا۔ سلطنت برطانیہ اور برطانوی لگاندار کی زیر حفاظت اس ریاست پر لندن کی ایک لمیٹڈ کمپنی کی حکومت تھی جس کے چھ ڈائرکٹروں کی مجموعی عمر تقریباً چار سو سال تک پہنچتی تھی۔ جنگی صورتِ حال پر اُن کا بیان یہ تھا کہ "ہماری دستاویزیں گھلی ہوئی نہیں ہیں" اور اسی دوران میں جاپانی شمالی بورنیو کا ربڑ، تمباکو، شہتیر، تیل اور معدنیات جمع کر رہے تھے۔ سراوک معمولاً دس لاکھ ٹن تیل سالانہ پیدا کرتا ہے۔ شمالی بورنیو سے جاپانیوں نے نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز پر اپنے حملے کا آغاز کیا۔

۷۔ نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز اور اُس کے پرے۔

جنگی اور اقتصادی دونوں نقطۂ نگاہ سے جاپان کے لئے یہ سب سے زیادہ گرانبہا انعامات تھے۔ ان کا دس لاکھ مربع میل رقبہ شرق سے مغرب تک ایک لاکھ چار ہزار

میل لمبی پٹی کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ جاپان کے "ہم دولتی علاقے" کی پہلی منزل کی حد ہے۔ اقتصادی اعتبار سے جاپان کو دنیا کی ربڑ کی پیداوار کا ۳۲ فیصدی، ناریل کا ۳۱ فیصدی ٹین کا، ۱ فیصدی سیسل کا ۲۰ فیصدی، کونین کا ۹۰ فیصدی اور ۸۰ لاکھ ٹن سالانہ تیل یہاں سے ہاتھ لگا۔ بورنیو جو پہلے ہی فتح ہو چکا دنیا میں معدنی دولت کا سب سے بڑا منبع ہے۔

ڈچ ایسٹ انڈیز کے سات کروڑ بیس لاکھ باشندوں میں دو لاکھ پچاس ہزار یوروپین اور ساڑھے بارہ لاکھ چینی ہیں۔ جاوا کے انتہائی مہذب باشندے جاوا اور سماترا میں رہتے ہیں۔ بہت سے پہاڑی قبیلے اور پست پاپوان قوم جزیرۂ بورنیو کے باقی حصے، سیلیبیز، مولاکاز، نیوگنی کے کچھ حصے اور جاوا اور تیمور کے درمیانی جزیروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تمام ملک پر نیدرلینڈز گورنمنٹ کا مقرر کردہ گورنر جنرل ایک نامزدہ کونسل کی مدد سے حکومت کرتا تھا۔ عوام کی بھی ایک کونسل "دولسکراڈ" تھی جو کچھ نامزدہ اور کچھ منتخبہ مشاورتی جماعت تھی۔ خاص ملک اور باجگزار دیسی ریاستوں کے اندر مقامی گاؤں کے نظم میں کچھ آزادی دیدی گئی تھی لیکن مضبوط قومی تحریک کے باوجود "ہوم رول" کے تمام مطالبات سختی سے دبائے جا چکے تھے اور کمیونسٹ پارٹی خلاف قانون تھی۔

ان جزیروں کی مدافعت کے لئے پچاس ہزار آدمیوں کی فوج مقرر تھی جن میں پچیس ہزار ڈچ تھے۔ ایک جنگی جہاز پر مشتمل بحری بیڑہ، تین یا چار ہلکے کروزر، آٹھ تباہ کن جہاز اٹھارہ سے بائیس تک آبدوزیں اور ۲۴ موٹر ٹرانسپورٹ کشتیاں تھیں جن کے اڈے سورابیا اور امبوئینا تھے۔ ۹۰ نوے ہوائی جہازوں کا ایک بحری بیڑہ اور چار سو کی ہوائی طاقت بھی موجود تھی۔ سورابیا اور بٹاویا (جاوا) میں ہوائی طاقت کے قیام اور بحری مرمت کے لئے خاصی آسانیاں تھیں۔ سماترا میں ایک صفائی کے کارخانے میں ہوابازی کے لئے اسپرٹ تیار کی جاتی تھی لیکن اسی لاپرواہی کے ساتھ جیسا کہ اس علاقے کی اور نوآبادیات میں۔

ڈچ لوگوں نے سوائے پچیس ہزار آدمیوں کو دفاع کے لئے فوج میں بھرتی کرنے کے عوام کو اپنے ملکی مدافعت میں تیار اور ہتھیار بند کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اُن کے تمام اندیشوں کا نچوڑ یہ تھا کہ آزادی کے لئے لڑنے میں عوام سمجھ جائیں گے کہ آزادی ہے کیا، اور پھر جنگ ختم ہونے کے بعد اپنی آزادیاں ختم کرنے سے انکار کریں گے۔

جاپانیوں نے نہایت عیاری سے مقامی بے اطمینانی سے خوب فائدہ اٹھایا اور ساتھ ہی تمام علاقے میں وسیع پیمانے پر اپنی گمراہ کن کاروائیاں جاری رکھیں۔ ایک خاص جنوبی بحری ترقی کی کمپنی نے ڈچ نیو گنی میں ایک لاکھ سینتالیس ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین کپاس کی کاشت کے نام سے خرید لی۔ ڈچ ایسٹ انڈیز میں خود ہالینڈ کے ہاتھ میں اتنی ساحلی جہازرانی کی ملازمتیں نہ تھیں جتنی جاپان کے قبضے میں۔ جاپانی ملاح ان جزیروں کے گرد سمندر کی ہر ہر میل سے بخوبی واقف تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جو جاپانی تجارتی اثرات کے عروج کا زمانہ تھا انھوں نے انڈیز میں اس سے دُگنی اشیا فروخت کیں جتنی خود ہالینڈ نے۔ اس سیاسی دباؤ کے نتیجے کے طور پر جو ۱۹۴۱ء میں برابر جاری رہا جاپان نے اینگلو ڈچ شل کمپنی سے اپنے مقررہ سالانہ حصے کی نسبت دس لاکھ ٹن سے زیادہ تیل حاصل کر لیا لیکن وہ تجارتی گفت وشنید جس کے ذریعے وہ اپنی معاشی طاقت بڑھانے کی توقع کرتا تھا آخر کار جون ۱۹۴۱ء میں قطع ہو گئی کیونکہ ترجیحی برتاؤ کے لئے جاپانی نمایندوں کے مطالبات برابر بڑھتے ہی جاتے تھے۔

مارچ ۱۹۴۲ء کے پہلے دو ہفتوں کے اندر پہلے جاوا اور پھر سماترا مکمل طور پر چھین لئے گئے اور شرق میں دیگر جزیرے اس کے بعد جلدی جلدی فتح ہو گئے۔ اگر ایک طرف ڈچ نو آبادیاتی حکومت اتنے شرمناک طور پر ختم ہو گئی تو دوسری جانب انڈونیشیا کے قدیمی باشندوں کی گردن جاپان کے ناشستہ جوئے کے نیچے پھر پھنس گئی۔

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ مشرقی ایشیائی ہم دولتی علاقے کے قیام کی پہلی نوبت میں شامل نہیں ہوتے ۔ وہ اور ہندستان جاپان کی فہرست خوراک میں دوسرے نمبر پر آتے ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آسٹریلیا تیس لاکھ مربع میل کا ایک براعظم ہے (کوئی شبہ نہیں ہے کہ اُس کا ایک تہائی ریگستان ہے) جس میں صرف ستر لاکھ انسان آباد ہیں تاہم اس کی پیداواری دولت زبردست ہے اور گیہوں اور ٹمبر سے مالامال ۔

پیداوار	اندازاً میٹرٹن میں	دنیا کی پیداوار سے تناسب
اون	پانچ لاکھ پندرہ ہزار	۲۴ فیصدی
سیسہ	دو " اناسی "	۱۵ "
جست	دو " تئیس "	۱۱ "
لوہے کے ٹکڑے	پندرہ " نو "	۲ "

آسٹریلیا کے پاس کوئی پانچ لاکھ مسلح انسان، ایک اچھی تربیت یافتہ ہوائی فوج لیکن صرف چند ہوائی جہاز، پانچ کروزر اور پانچ تباہ کن جہازوں کا ایک بحری بیڑہ اور کچھ فوجی کشتیاں تھیں، اب ان سب میں اضافہ ہوگیا ہے نیوزی لینڈ کی مردم شماری بیس لاکھ کے اندر ہے ۔ آسٹریلیا کے گرد کا سمندر جاپانی بیڑے کا خوب کھنگالا ہوا ہے اور اس لئے کسی وقت بھی آسٹریلیا کی سرزمین پر متوقع حملہ ہو سکتا ہے لیکن ہندستان اور آسٹریلیا کی طرف جاپانی حملے کی توسیع میں اُس سے کہیں زیادہ محنت اور کوشش درکار ہوگی ۔ جتنی وہ اب تک پیش کر چکا ہے اور نیوگنی میں اُسے پہلے ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔

بلاشبہ جاپان نے مستقبل میں مشرقی ایشیائی علاقے کے بڑھانے کی تیاری کو نظرانداز نہیں کیا ہے ۔ ہندستان، افریقہ اور جنوبی امریکہ میں معاشی اور سیاسی داخلہ ان تیاریوں کا ایک جزو ہے

جزیرہ ہوائی کی کل آبادی کا ۴۰ فیصدی جاپانی ہے جنوبی امریکہ میں دو لاکھ پچاسی ہزار جاپانی رہتے ہیں جن میں سے ایک لاکھ اسی ہزار صرف سان پولو کی ریاست برازیل میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جاپان کی چاروں بڑی اجارہ داریوں ٹسوئی، ٹسو بیشی، سمی ٹومو اور یسودا نے ایمزن کی وادی میں دو کروڑ پچاس لاکھ ایکڑ زمین پٹہ پر لے لی ہے۔ پچیس ہزار جاپانی ریاست پیرو میں موجود ہیں اور سخت ترین اقدامات کے ذریعے جاپانی فوٹوگرافروں اور سیاحوں کی رو کو نہر پناما کے حلقے سے روکا جا رہا ہے۔ جاپانی، اطالوی اور نازی ایجنٹ درحقیقت بہت قریبی اشتراک رکھتے ہیں۔ اگر جاپان "مشرقی ایشیائی ہم دولتی علاقے" کی پہلی منزل کے مقبوضات کو مرکوز کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو مندرجہ ذیل وسائل اس کے ہاتھ آئیں گے:۔

مشرقی ایشیائی علاقے کے وسائل

(معہ جاپان)

پیداوار	اندازاً میٹر ٹنوں میں	دنیا کی پیداوار سے تناسب	ایک سال کی جنگی ضروریات	فاضل خرچ
لوہا	چار لاکھ پچاس ہزار	۹ر۴	ساٹھ لاکھ	پندرہ لاکھ
تیل	ایک کروڑ تین لاکھ باسٹھ ہزار	۳ر۶	ایک کروڑ دس لاکھ	چھ لاکھ اڑتیس ہزار
سیسہ	ایک لاکھ ۹ ہزار	۶ر۳	ایک لاکھ ساٹھ ہزار	اکیاون ہزار
تانبہ	اکیاسی ہزار	۴ر۲	دو لاکھ چالیس ہزار	ایک لاکھ انسٹھ ہزار
مینگنیز	ایک لاکھ	۲ر۷	پانچ لاکھ	چار لاکھ
ربڑ	آٹھ لاکھ چھیاسی ہزار	۸۶ر۰	پینسٹھ ہزار	زائد
ناریل	تیرہ لاکھ اڑتیس ہزار	۷۱ر۰	—	"
سویا	اٹھاون لاکھ چھتیس ہزار	۷۱ر۱	—	"

تقریباً ساری سالانہ ضروریات میں بہت زبردست خسارہ رہتا ہے اب بھی اس کے پاس تقریباً دس لاکھ ٹن فولاد المونیم اور اعلیٰ قسم کی گیسولین کی سخت کمی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ جنگ کے موجودہ حالات میں وہ اس کمی کو کسی بیرونی ذریعے سے پورا کرنے کی توقع بھی نہیں کرسکتا۔ اور یہی بنیادی جنگی سامان ہیں با اس معاملہ میں اپنی کمزوری سے جاپان بخوبی واقف ہے۔ اُس نے ان سامانوں کے بہت بڑے ذخیرے رکھ چھوڑے ہیں۔ اس کے پاس تقریباً تیس لاکھ ٹن تیل لوہے کی سالانہ ضروریات کا ۴۰ فیصدی اور کم سے کم ایک سال کو کفایت کرنے کے قابل تانبے اور جست کے ذخیرے محفوظ ہیں۔ جست کے لئے اس نے اپنی ذاتی کانوں کو اس کفایت سے استعمال کیا ہے کہ کسی بھی جبر کے وقت اسے نہایت معقول ذخیرے ملنے کا یقین ہوگا۔

اب جبکہ جاپان اس علاقے میں اپنے نئے مقبوضات پر ایک سال کے قریب قابض رہ چکا ہے اس نے اپنی خام پیداوار کی کمی کو اور بھی زیادہ پورا کرلیا ہوگا۔ ڈچ ایسٹ انڈیز اور فلپائینز کے لوہے کے وسائل اتنے زبردست ہیں کہ نوے کروڑ اور بینتالیس کروڑ ٹن بالترتیب حاصل ہوتے ہیں۔ نیوگنی میں عالیشان اور خوب ترقی پائے ہوئے تیل کے ذخیرے موجود ہیں۔ "معیاری" تیل کے لئے دو کروڑ پانچ لاکھ ایکڑ کی مراعات موجود ہیں۔

اگر ان سب کے ساتھ وہ ہندستان، آسٹریلیا اور اُن کی زبردست دولت پر تسلط پانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو بحرالکاہل پر قبضہ کرنے کے لئے ضروری قدرتی وسائل اس کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ لیکن کیا جاپان اپنی فتوحات کو مرکوز کرکے اُن نئی اور زبردست تیاریوں کی ابتدا کرسکتا ہے جو آسٹریلیا اور ہندستان پر حملے کرنے کی صورت میں اُسے درکار ہوں گی؟ ایک مہینے سے کچھ ہی زیادہ عرصے میں جاپان، تتر بتر اتحادی فوجوں پر غالب آگیا اور انڈوچین، تھائی لینڈ، ملایا، برٹش بورنیو، فلپائینز کا بیشتر حصہ، برما کا کافی حصہ اور ڈچ ایسٹ انڈیز فتح کرلیا۔ پانچویں مہینے کے ختم

پیداوار	اندازاً میٹر ٹنوں میں	دنیا کی پیداوار سے تناسب	ایک سال کی جنگی ضروریات	فاضل خرچ
ٹین	ایک لاکھ سترہ ہزار تین سو	۲ر۶۳	پچاس ہزار	زائد
ٹنگسٹین	پندرہ ہزار	۶ر۶۲	پندرہ ہزار	"
چاول	تین کروڑ سات لاکھ باون ہزار	۷ر۳۳	—	"
سرمہ	آٹھ ہزار ایک سو	۰ر۲۲	—	"
گریفائٹ	ایک لاکھ اٹھاسی ہزار	۷ر۱۵	—	"
کروم	اُنسٹھ ہزار	۰ر۱۱	—	"
نکل	سات ہزار تین سو	۵ر۷	سات ہزار	"
باکسائٹ	تین لاکھ سات ہزار	۴ر۷	—	"
کوئلہ	سات کروڑ چونتیس لاکھ چودہ ہزار	۹ر۵	چھ کروڑ تین لاکھ	"
جست	اٹھتر ہزار	۴ر۲	ایک لاکھ بیس ہزار	"

اور ان کے علاوہ دنیا کی پیداوار کی ۹۰ فیصدی کونین، ۲۹ فیصدی ناریل کا تیل، ۲۰ فیصدی سیسل اور دو لاکھ سترہ ہزار ٹن کپاس (۳ر۲ فیصدی) جاپان نے اپنی ربڑ، ناریل، نکل، باکسائٹ، سرمے، کروم، ٹین، ٹنگسٹن، جست، کوئلے، چاول وغیرہ کی کمی کو ایک معقول بچت میں تبدیل کر لیا۔ اُس نے دنیا کے ذخیروں یعنی ربڑ (۴۸ فیصدی) ناریل (۷۱ فیصدی) سویا (۱ر۷۱ فیصدی)، ٹین ۲ر۶۳ فی صدی، ٹنگسٹین (۶ر۶۲ فیصدی)، کونین (۹۰ فیصدی) کو ایک کونے میں جمع کر کے اس طرح اپنے دشمنوں کو اُن سے محروم کر دیا۔

لیکن پھر بھی اُسے لوہے (پندرہ لاکھ ٹن)، تیل (پانچ لاکھ ٹن سے زیادہ)، سیسہ (اکیاون ہزار ٹن) اور تانبے (ایک لاکھ انسٹھ ہزار ٹن)، کپاس (پانچ لاکھ ٹن) اور اون، مولبڈینم، کوبالٹ کی

تک وہ ان خطوں کے باقی ماندہ حصوں پر تسلط کی تکمیل کرچکا تھا۔ جنگ کی اس نوبت میں، خشکی، تری اور ہوا میں کوئی فوج بھی ایسی نہیں تھی جو اس کے خلاف مدافعانہ اقدام کرنے کے قابل ہوتی، سوائے ایک چین کے اور وہاں بھی صرف دیر تک الجھائے رکھنا ممکن تھا۔

جاپان مجموعی طور پر ۵۴ لاکھ آدمی فوج میں بلا سکتا ہے۔ چین، منچوریا، کوریا کے اندر اس کے پاس فوری ضرورت کے لئے بیس لاکھ آدمی موجود ہیں۔ اس کی فوج اچھی طرح مسلح، خشکی تری اور جنگلاتی جنگوں کے لئے خصوصی تربیت یافتہ اور "ٹائمس" کے بیان کے مطابق ساڑھے پانچ ٹینک ڈویژنوں پر مشتمل ہے۔ ضروری خام پیداوار اگر ایکبار بھی اس کے قبضے میں آجائے تو اس کی صنعت اسلحہ کا ایک طاقتور طوفان مچا دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔

اینگلو امریکن ڈچ فوجیں سات دسمبر کو صرف تقریباً ڈھائی لاکھ مسلح انسان جمع کرسکیں۔ ٹائمس نے بحری اور ہوائی طاقت کی اندازاً اور نسبتاً تعداد جو لڑائی شروع ہونے سے بالکل ہی پہلے وہاں مرکوز تھی۔ مندرجہ ذیل تحریر کی تھی:-

	جاپان	اتحادی	ہوائی میں امریکن بحرالکاہلی بیڑہ
جنگی جہاز	۱۲	۱	۱۲
ہوائی جہاز بردار	۸	۱	۵
کروزر	۳۵	۱۱	۲۹
تباہ کن جہاز	۱۲۰	۳۶	۱۱۲
آبدوزیں	۸۰	۴۶	۴۸
بحری ہوائی جہاز	۱۵۵۰	۸۰	؟
خشکی کے جہاز	۴۲۵۰	۱۲۲۰	؟

اتحادیوں کے تیار نہ ہونے اور جاپان کے ابتدا کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج جاپان اپنے زبردست مشرقی ایشیائی علاقے کی پہلی منزل پر مکمل قابض ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر جارحانہ اقدامات برابر اُسی کو کرنے دئے گئے تو وہ اپنی فتوحات کو بہر حال مرکوز کر سکتا ہے اور اُن تمام نقصانات کے باوجود جو اُسے اٹھانے پڑے ہیں وہ اب بھی اس قابل ہے کہ ایک نیا اور زیادہ شدید حملہ شروع کر دے۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں کہ پیش قدمی کا موقعہ اس کے لئے چھوڑ دیا گیا اب یہی عوام کو طے کرنا ہے کہ اس پیش قدمی پر کیسے قبضہ کیا جائے!

مشرقی ایشیائی علاقے کے وسائل

(رائل انسٹی ٹیوٹ فار انٹرنیشنل آفیئرس کی اجازت سے)

پیداوار	اندازاً مقدار میٹرک ٹنوں میں	دنیا کی پیداوار سے نسبت فیصدی
	کوریا	
ٹنگسٹین	۱۲۵۰	۵٫۹
میگنیسائٹ	۱۶۰۰۰	۱٫۲
کوئلہ	۲۳۴۸۰۰۰	۰٫۲
لوہا	۳۵۰۰۰۰	۰٫۵
تانبہ	۴۰۰۰	۰٫۲
سیسہ	۱۱۰۰۰	۰٫۶
چاول	۲۶۶۴۰۰۰	۴٫۹
سویابین	۵۵۴۰۰۰	۶٫۶
اور کوئی ۴ کروڑ ین کی قیمت کا سونا		
	منچوریا	
سویابین	۴۹۶۱۰۰۰	۶۰٫۰
میگنیسائٹ	۱۶۲۰۰۰	۱۴٫۵
کوئلہ	۱۴۱۰۰۰۰۰	۱٫۱
لوہا	۱۳۰۰۰۰۰	۷٫۹

پیداوار	اندازاً مقدار میٹرک ٹنوں میں	دنیا کی پیداوار سے نسبت فیصدی
مونگ پھلی	۱۲۱۰۰۰	۱٫۹
چاول	۸۷۰۰۰۰	۰٫۲

اور تانبہ اور جست، عمارتی لکڑی اور کوئی ۲ کروڑ ۴ لاکھ ٹن مختلف معدنیات

انڈوچین

کوئلہ	۲۳۰۰۰۰۰	۰٫۲
ربڑ	۷۰۰۰۰	۶٫۶
چاول	۷۱۳۳۰۰۰	۷٫۸

اور ٹین، جست، ولفرام، الکمالوں اور لوہے کی کافی مقدار

تھائی لینڈ

ٹین	۱۸۰۰۰	۹٫۱
چاول	۵۰۰۰۰۰۰	۲٫۹
ربڑ	۴۸۰۰۰	۴٫۶

یہاں ٹیک لکڑی کی پیداوار (جو جنگی جہاز بنانے کے کام آتی ہے) دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

برما

ٹنگسٹن	۳۵۲۹	۱۶٫۵
سیسہ	۸۹۰۰۰	۵
ٹین	۴۰۰۰	۲٫۷
نکل	۱۰۰۰	۰٫۹

جست	۵۶۰۰۰	۳
تیل	۱۰۰۰۰۰	۰ر۴
کپاس	۱۷۰۰۰	۰ر۳
ربڑ	۷۰۰۰	۰ر۸

ملایا

ربڑ	۳۸۳۰۰۰	۱۴
ٹین	۵۴۰۰۰	۲۷
ناریل	۱۳۴۰۰۰	۸
ٹنگسٹین	۲۳۸	۳ر۲
بکزائٹ	۵۶۰۰۰۰	۱ر۴
لوہا	۱۲۶۰۰۰۰	۱ر۴
مینگنیز	۷۰۰۰	۰ر۳

فلپائن

ناریل	۶۶۵۰۰۰	۳۲
شکر	۹۲۸۰۰۰	۵
کروم	۱۸۳۰۰۰	۳
چاول	۲۲۷۹۰۰۰	۲ر۵
لوہا	۵۰۰۰۰۰	۰ر۷

اس کے علاوہ ان میں سونے چاندی تانبے ربڑ اور گابجے کی معقول مقدار بھی پیدا ہوتی ہے اس

کی قابلِ کاشت زمین کا صرف ½۲۱ فیصدی حصہ زیرِ کاشت ہے۔

نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز

ربڑ	۳۷۸۰۰۰	۴۳
ناریل	۵۳۷۰۰۰	۳۱٫۶
ٹن	۲۸۲۰۰	۱۷
بگزائٹ	۲۴۵۰۰۰	۶
تیل	۷۶۹۴۳۰۰۰	۳
مینگنیز	۵۰۰۰	۰٫۲
کوئلہ	۱۶۶۶۰۰۰	۰٫۱

اس کے علاوہ یہاں دنیا کی پیداوار کا ۲۰ فیصدی سیسل، ۲۹٫۰ فیصدی ناریل کا تیل ۹۰ فیصدی کونین اور کھاد، ٹمبر اور لوہے کی بہت بڑی مقدار پیدا ہوتی ہے۔ تیل دس لاکھ ٹن جاوا سے اور باقی (۵۰ لاکھ ٹن) سماترا اور (۲۰ لاکھ ٹن) بورنیو سے آتا ہے۔ نیوگنی میں (سنگاپور سے دو ہزار میل پرے)، زبردست غیر مستعمل وسائل موجود ہیں۔

شرف اطہر علی نے خلافت پریس نولین ۲۷ بمبئی سے چھپوا کر پیپلز پبلشنگ ہاؤس ۱۹۰ بی کھیت واڑی مین روڈ بمبئی نمبر ۴ سے شائع کیا

جاپان کی داستان

پروفیسر لاجپت رائے نیّر

قیمت فی جلد ۱۰/

جاپان اور مشترکہ خوشحالی کا حلقہ



جاپان کی داستان

مصنّفہ

پروفیسر لاجپت رائے نیر ایم۔ اے

علمی مرکز لاہور

قیمت مجلد ۱۰/

فہرس

یہ کتاب مصنف کی مقبول کتاب (Half An Hour with JAPAN) کا اردو ترجمہ ہے۔ چونکہ مصنف خود مترجم بھی ہیں۔ اسلئے انہوں نے نقل کو ہر پہلو سے مطابق اصل بنا دیا ہے۔ اردو ترجمہ سادہ ہے سلیس ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ "جاپان کی داستان" اردو خواں عوام و خاص کے لئے ایک تحفہ اور ضرورت کی چیز ثابت ہوگی۔

پبلشرز

جاپان اور جاپانی

"جاپانی قوم دیوتاؤں کی بنائی ہوئی ہے .... جاپان کا شہنشاہ دنیا کی سب سے بڑی ہستی اور ہم جاپانی دنیا میں سب سے بڑی قوم ہیں"۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو ہرومیو فوتابا نے ۴ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ٹوکیو کے سرکاری ریڈیو سے نشر کئے۔

جب سے جاپان ایک نئی طاقت بنا ہے ہندوستان اس کے معاملات میں خاصی دلچسپی لے رہا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں جاپان کی صنعتی ترقی کو ہندوستان عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب جاپان نے روسی۔ جاپانی۔ جنگ میں روس کو شکست دی تو تمام ایشیا میں اس کی ہمت اور ترقی کی تعریف ہونے لگی۔ جاپان کو "چڑھتا ہوا ستارہ" اور "امید مشرق" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ لیکن جلد ہی یہ خوش فہمی مایوسی سے بدل گئی۔ جاپان نئی تہذیب کے خطرناک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنی ہمسایہ قوموں اور بحر الکاہل و بحر ہند کے ملکوں کیلئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ آج ہم اس جاپان کے خلاف جو کبھی ہماری امیدوں کا مرکز تھا۔ ہتھیار اٹھانے پر کیوں مجبور ہوئے ہیں؟۔ آیئے اس سوال پر غور کریں!

جاپان ایک مجمع الجزائر ہے۔ جس میں ۴۰۷۲ آتش فشاں جزیرے ہیں اس کا کُل رقبہ ۱،۴۷،۶۱۱ مربع میل اور کُل آبادی ۷ کروڑ تیس لاکھ ہے۔ بھونچالوں کو جاپان سے عشق ہے۔ صرف ایک دسمبر ۱۹۳۸ء کے مہینے میں وہاں چھ سو کے قریب زلزلے آئے۔ جاپان میں انسانی آبادی کی پیدائش کی رفتار بہت زیادہ ہے ــــ ہر سال اس کی آبادی تقریباً دس لاکھ کے لگ بھگ بڑھ جاتی ہے۔ موجودہ جنگ میں شامل ہونے سے پہلے جاپان نے ایک شہنشاہیت قائم کرلی تھی جسمیں کوریا۔ منچوکو۔ منگولیا اور چین کا ایک خاصا حصہ شامل تھا۔

جاپانیوں کی اصل، نسل کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ روایت بیان کرتے ہیں کہ ۶۶۰ قبل مسیح میں سورج دیوتا کا بیٹا جموں بحرالکاہل میں کسی بادل سے چھلانگ لگا کر جاپان پر نازل ہوا۔ اُسی نے جاپانی قوم کی بنیاد قائم کی۔ گویا جاپانی اپنی روایات کے پیش نظر سُورج دیوتا کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جموں نے جاپانیوں کو دُنیا کے فتح کرنے اور اُس پر حکومت کرنے کا مقدس مشن سپرد کیا ہے۔ جموں اپنی ماں سے ایک آئینہ۔ ایک تلوار اور ایک ہیرا تحفے کے طور پر لایا تھا۔ یہ چیزیں ابھی تک جاپان میں موجود ہیں۔ اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور ہر شہنشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر استعمال کی جاتی ہیں۔

جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ بادشاہ ہیروہیٹو جموں کی نسل میں سے

ایک سو چوبیسواں ۱۲۴ مقدس شاہزادہ ہے۔ لیکن چینیوں کی روایت اس کے برعکس ہے۔ اُن کا قول ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح میں اُن کے شہنشاہ شاہ ہوانگ ٹی نے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوُا ایک جہاز امرت کی تلاش کے لئے جاپان بھیجا تھا۔ اس کے مسافر اپنے وطن میں واپس آنے کی بجائے جاپان ہی میں آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ جزیروں کے بندروں۔ بندریوں سے خلط ملط ہو گئے وہی چینی نوآبادکار جاپانی قوم کے جنم داتا ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جاپانیوں کی رگوں میں ایشیا کے خُشک علاقے اور سمندری آبادی کا مِلا جُلا خُون ہے۔ شاید اِسی وجہ سے جاپانی زیادہ جنگجُو ہیں۔

کسی زمانے میں جاپانیوں کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ یہ لوگ فرشی سلام کرتے ہیں فرمائشی قہقہے لگاتے ہیں۔ اپنی نازک پریوں کے متعلق لطیف شعر کہتے ہیں۔ سخت گرم پانی سے نہانے کے عادی ہیں اور نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر جدید تہذیب کی پیروی کے بعد سے وہ اپنے خصوصیاتِ زندگی کو چھوڑ چکے ہیں۔

عام طور پر جاپانی نہایت چالاک و زیرک ہوتے ہیں۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "اکیلا جاپانی تو نرا احمق ہی ہوتا ہے لیکن دو مل کر بڑے کائیاں ہو جاتے ہیں" ان لوگوں میں نئے کام کرنے کا مادہ بالکل نہیں مگر نقل ایسی کرتے ہیں کہ اصل کو بھی مات کر دیتے ہیں۔ جاپانی بڑے شکی مزاج ہوتے ہیں۔ سارا مُلک خفیہ پولیس اور رپورٹروں سے بھرا

پڑا ہے۔ لڑائی سے پہلے بھی کوئی شخص جاپان کا نقشہ یا ٹوکیو شہر کا نقشہ جاپان سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ گلے بھینسوں کی ڈاری کے مالکوں کو جو سوئٹزرلینڈ کے رہنے والے تھے کیوبا کے نزدیک ایک جزیرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ اُنکے مویشی جاپانی قلعہ بندیوں کی جاسوسی کر رہے تھے۔

مدت سے جاپان کے متعلق ہندوستان میں چند ایک غلط افواہیں چکر لگا رہی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ جاپانی لڑکیاں کبھی مسکراتی نہیں — جاپان کے پھولوں میں باس نہیں ہوتی اور جاپانی ننھے بچے کبھی نہیں روتے۔" آخری بات تو کچھ سچ ہے۔ مگر جاپانی لڑکیاں ہمیشہ مسکراتی رہتی ہیں۔ جاپانیوں کی ہنسی میں حقارت کا پہلو ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک امریکن سیاح کسی جاپانی سپاہی پر ہنس دیا۔ اسی گناہ پر اُس سپاہی نے اُسے اپنی سنگین سے مار ڈالا۔ ظاہر ہے کہ جاپان میں مُسکرانا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ ہاں جاپانی پھول بہت پیارے ہوتے ہیں جب کوئی جاپانی بچہ روتا ہے تو اُسے اُس کی ماں کہتی ہے" ننھے رونا بند کرو۔ جاپان نہیں چاہتا کہ تم رُوو" تمہیں ہنس مُکھ دیکھنا چاہتا ہے" یہ سُن کر بچہ چُپ ہو جاتا ہے۔

جاپانی بڑے دیش بھگت ہیں۔ جرمنوں کی طرح جاپانیوں میں وطن پرستی بیماری اور جنون کی حد تک ترقی کر گئی ہے۔ ملک اور شہنشاہ کی خاطر وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ جاپانی فوجی مقولہ ہے کہ

جو "شہنشاہ کے لئے جان دے گا وہ امر ہو جائے گا"۔ اُن میں شہنشاہ کے لئے ادب اور تہذیب پُوجا کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ ٹوکیو کی کسی عمارت کی گیارہ سے زیادہ منزلیں نہیں کیونکہ خود شہنشاہ کا محل اِتنا ہی اُونچا ہے اور شہنشاہ کے محل سے کسی مکان کا اونچا ہونا گستاخی ہے۔

جاپانی موت سے خوف نہیں کھاتے۔ جب کوئی سپاہی محاذِ جنگ پر جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے "اب میں تمہیں لیاکانی مندر میں ملوں گا۔ یہ ایک مندر ہے جہاں جاپانی مردوں کی راکھ کو دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا ہے۔ جاپانی قوم کی دوسری خصوصیت خود فریبی ہے ایک دفعہ بیرن ہرن منانے کہا تھا کہ "جس دن سے ہماری قومی زندگی شروع ہوئی ہے ہمارے سامنے ایک ہی مقصد رہا ہے۔ یعنی امن اور اپنی قومیت کی حفاظت۔ جاپانی قوم دوسروں کی بھلائی چاہتی ہے۔ ہم اپنے لئے اور دُور پُورب کی سب قوموں کے لئے اس جذبہ کی پرورش کرتے ہیں"۔ وہ چین کی جنگ کو محض ایک حادثہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کا مقصد چین میں امن قائم کرنا ہے۔ لطیفہ ہے کہ جب لٹن کمیشن نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کیا کہ جاپانیوں نے مانچوریا پر پُرامن طریقے سے قبضہ کیا ہے۔ تو جزل آرکی ایک مشہور جاپانی سیاست دان کے آنسو نکل آئے۔

درحقیقت جاپانی نہایت خونخوار اور بیرحم ہیں مگر خود فریبی کے

زیراثر وہ اپنے آپ کو بہت رحمدل سمجھتے ہیں مشہور امریکن مصنف جان گنتھر اپنی کتاب "ان سائیڈ ایشیا" میں لکھتا ہے "میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ غصے میں بھرے ہوئے جاپان کے باوردی سپاہیوں نے چینی عورتوں کو تھپڑ مارے۔ بوڑھے مردوں کو ٹھوکریں لگائیں۔ اور قلیوں کے سروں پر لاٹھیاں برسائی ہیں۔ جب جاپانیوں نے نان کنگ فتح کیا۔ تو چالیس ہزار چینیوں کو جن میں بیشتر پرامن شہری تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور کئی ہزار عورتوں کی عصمت دری کی" باوجود اس کے جاپانی اپنی یمٹو (Yamto) نسل کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مشن تو یہ ہے کہ انسانوں میں شیطانی خصلتیں پیدا ہونے نہ پائیں اور سب لوگ نیکی اور روشنی کے راستے پر چلیں" (لیسو کا متسو کا) عام سیاح یہی خیال کرتے ہیں کہ جاپان عورتوں کا ملک ہے۔ فوج میں کارخانوں میں سرکاری دفتروں میں، بیوپار میں، عورتیں ہی عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ جب جاپان ایک صنعتی ملک بنا تو اس کے سماجی اور اقتصادی حالات میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ کیونکہ مرد سخت اور محنت طلب کاموں پر لگ گئے تھے۔ اس لئے جہاں تک دوسرے معمولی کاموں کا تعلق تھا عورتوں کو مردوں کی جگہ لینی پڑی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہاں عورتوں اور مردوں میں مساوات ہے۔ اس کے برعکس جاپان میں عورتیں کم رتبہ ہیں۔ ان کو شہری اور سیاسی حقوق حاصل نہیں اور بہت سی یونیورسٹیوں کے دروازے اُن کے لئے بند ہیں۔ جاپانیوں کا ضبط

نفس بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کہیں کہیں تو جاپانی شہروں میں "شراب۔ عورت۔ ناچ اور کیا کچھ" کے بورڈ کلبوں کے دروازوں پر لٹکتے نظر آئیں گے مگر عام طور پر جاپان کی پولیس لوگوں کو ان کاموں سے روکتی دکھائی دیتی ہے۔ ناچ گھروں میں بارہ بجے رات کے بعد شراب فروشی منع ہے۔ اُس وقت ناچ گھر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہُوا ایک ہوٹل والے کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ "تم وینس ڈی ملو (Venus de milo) کے عریاں بت کو لباس پہنا دو" مگر تعجب اس بات سے ہوتا ہے کہ اس ضبط نفس کی ترغیب کے ساتھ ساتھ وہاں کئی ایسی رسمیں بھی رائج ہیں جو ان کی بد اخلاقی کا کھُلا ثبوت ہیں۔ مثلاً گیشہ یا بازاری پیشہ ور عورتوں کو بُرا نہیں سمجھا جاتا اور ہر سال ہزاروں ماں باپ اپنی لڑکیاں ان کے ہاں فروخت کر دیتے ہیں۔ جاپان میں عورتوں مردوں کے اکٹھا نہانے کا رواج عام ہے۔ جب ایک مرتبہ حکم ہُوا کہ الگ الگ غسل کا انتظام ہونا چاہیئے تو حماموں کے منیجروں نے بڑے بڑے حوضوں کے بیچوں بیچ ایک رسی کھینچ دی۔ اور رسی کے ایک طرف "مرد" اور دوسری طرف "عورت" کے اشتہار لٹکا دیئے۔

جاپان کا قومی مذہب شنٹو ازم ہے۔ یہ کیا ہے؟ اس کی صحیح تعریف تو مشکل ہے لیکن اس میں جاپان پرستی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ایک جاپانی خواہ بدھ ہو یا عیسائی شنٹو ضرور ہوگا۔ شنٹو دھرم (پتر پوجا اجداد پرستی)

اور جاپان پرستی کا مرکب ہے۔ ہر ایک جاپانی اپنے آپ کو ایک قوم اور ایک ہی نسل کا سمجھتا ہے جس کا سردار اور مالک اُن کا شہنشاہ ہے۔ ہر وہ جاپانی سپاہی جو میدانِ جنگ میں لڑتا ہوا مارا جاتا ہے اپنی قوم میں دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ اب تک کوئی اسّی لاکھ سپاہی دیوتا کا رتبہ حاصل کر چکے ہیں۔ موجودہ جنگ میں اِن دیوتاؤں کی تعداد میں اور کس قدر اضافہ ہوگا؛ یہ خدا جانتا ہے شنٹوازم کے قالب میں سنہ ۱۸۶۸ء میں ایک نئی روح پھونکی گئی شہنشاہ قومی اور مذہبی سردار مانا جانے لگا۔ اس سے جاپانیوں کے مذہبی اور قوم پرستی کے جنون کو اور بھی ترقی مل گئی۔

تاریخی پس منظر

"جاپان کا پس منظر خاکِ وطن کی پرستش اور شہنشاہ کی عبادت ہے"
(امر لہری کی کتاب موسوم میکاڈو مشن میں)

جاپان کے تمدن کی تاریخ کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اُنیسویں صدی کے آخیر تک تو جاپان غیر ملکی تمدن کو اپنا رہا تھا۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز سے اُس نے اپنے تمدن کو پھیلانے کا کام ہاتھ میں لے لیا۔ چھٹی صدی عیسوی تک جاپانی وحشی تھے۔ اُسکے بعد انہوں نے چین سے تہذیب کی ابجد سیکھی اس لئے تہذیب کے نقطۂ نگاہ سے جاپان چین کا بچہ ہے۔ جاپانیوں نے مذہب۔ زبان۔ آرٹ اور تہذیب کا بیشتر حصہ چینیوں سے سیکھا۔

۶۶۰ قبل مسیح سے ۱۱۰۰ بعد مسیح تک جاپان کی سماجی زندگی جاگیرداری نظام پر مبنی تھی جس میں شہنشاہ سورج دیوتا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے مذہب و ملت کا سردارِ اعلےٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ آخر ایک جاگیردار فیوجی وارا (Fujiwara) نے شہنشاہ کے ہاتھوں سے طاقت چھین لی اور ملک صوبہ داروں میں بٹ گیا۔ جن میں سب سے طاقتور رئیس "شوگن" کہلاتا تھا جو اقتدار اور مرتبے میں مرہٹوں کے پیشوا کی مانند تھا۔

کچھ مُدت کے بعد یہ عہدہ موروثی بن گیا اور شہنشاہ اِن رئیسوں کے ہاتھ میں کٹ پُتلی بن کر رہ گیا۔ اس کا حکم صرف محل کی حدود کے اندر ہی چلتا تھا۔ جاپانی طرزِ حکومت جاگیردارانہ تھی۔ حاکمِ اعلیٰ شہنشاہ تھا۔ شہنشاہ کے ماتحت شوگن (Shogun) تھے۔ حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی مدد کے لئے صوبوں میں ڈیمائیس (Daimois) یا نچلے درجے کے امراء متعین تھے۔ جاپان کا جنگجو طبقہ سمرائی (Samorai) کہلاتا تھا۔ سمرائی کا جاپانی سماج میں وہی اقتدار تھا جو کھشتریوں کا ہندوراج میں تھا۔ جاپان کی آبادی کا بیشتر حصہ غلاموں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔

صدیوں تک جاپان دُنیا سے علیحدگی کی پالیسی پر کاربند رہا۔ یہ علیحدگی ۱۵۴۲ء میں ٹوٹی جب پرتگالی تاجر اور مشنری مُلک میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ اتفاقیہ تھا کیونکہ پرتگالی جہاز جاپان کے ساحل کے نزدیک تباہ ہوگیا تھا۔ بعد ازاں یورپین تاجروں نے یہاں اپنے تجارتی مرکز قائم کر لئے اور وہاں بہت سے جاپانیوں کو عیسائی بنا لیا لیکن یہ یورپین آپس ہی میں لڑنے لگے۔ جاپانیوں نے یہ سوچا کہ یہ حضرات نہ صرف ہمارے لئے خطرہ ہی ہیں بلکہ ایک لعنت بھی۔ چنانچہ اُنہوں نے فیصلہ کر لیا کہ کوئی غیر ملکی جاپان میں داخل نہ ہو اور نہ کوئی جاپانی غیر ملک میں جائے۔ آباد شدہ بدیشیوں کو ملک بدر کیا گیا۔ جاپان سے باہر جانے کی سزا موت تھی۔ بدیشی جہازوں کو جاپانی ساحل کے نزدیک

آنے سے روک دیا گیا اور حکومت نے نو عیسائیوں کو بے دردی سے ته تیغ کر دیا۔

ایک امریکن ملاح کمانڈر میتھو پیری نے ۱۸۵۳ء میں دنیا کو پھر جاپان سے روشناس کر دیا۔ غالباً جاپان کے متعلق یہ پہلی امریکن نا عاقبت اندیشی تھی۔

پیری نے جاپان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ہیبت زدہ شوگن رئیسوں نے کنارے پر ریشمی پردے لٹکوا دیئے جن پر قلعوں کی تصاویر تھیں۔ یہ تھی ابتدا جاپانِ جدید کی۔ امریکنوں کو تجارتی حقوق اور سہولتیں مل گئیں۔ بھلا انگلستان کیوں پیچھے رہتا اُس نے بھی تجارتی حقوق حاصل کر لئے پہلا انگریزی جاپانی تنازعہ ۱۸۶۲ء میں واقع ہوا۔ جاپانیوں نے ایک برطانوی شہری رچرڈسن کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ کیونکہ وہ ست سُوما کے شہزادے کے جلوس کی راہ میں حائل ہوا تھا۔ حکومت جاپان نے رچرڈسن کے قاتلوں کو سزا دینے سے انکار کر دیا چنانچہ ایک برطانوی بحری دستے نے ست سُوما کی بندرگاہ پر گولہ باری کی۔

جاپانی اپنی مرضی کے خلاف بین الاقوامی سیاست میں داخل تو ہو گئے لیکن ابھی تک اُن کے دلوں میں غیر ملکیوں کے لئے نفرت موجود تھی۔ چنانچہ شوگن اجنبیوں کے خلاف جدوجہد ہی میں ختم ہو گئے۔ باقی رہ گئے ڈیمی مائیس وہ شہنشاہ کے جھنڈے تلے "غیر ملکی کو نکال دو" کا نعرہ لگاتے ہوئے اکٹھے ہو گئے۔ اسی جدوجہد میں شہنشاہ میجی ۱۸۶۸ء

میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے دن میجی سمت کی بنیاد ڈالی گئی۔ میجی کے معنی ہیں۔ روشنی اور بیداری۔ ۱۸۶۸ء سے ۱۹۱۲ء تک میجی دور کے دوران میں جاپان پُرانی فضا سے نکل کر ایک نئی سیاسی طاقت بن گیا۔ میجی کی تخت نشینی کے فوراً بعد جو انقلاب ہوا اُس میں ڈیمی مائیس اور دوسرے جاگیرداروں نے خود بخود اپنے حقوق شہنشاہ کے حق میں ترک کر دیئے۔ مغربیوں نے جاپان کے دروازے زبردستی کھولے تھے۔ اس سے جاپانیوں کو یہ فکر لاحق ہوا کہ کہیں اُن کا حال بھی چین کا سا نہ ہو۔ جو مغربی مداخلتوں کی وجہ سے دن بدن گرتا جا رہا ہے چنانچہ اپنے آپ کو بچانے کیلئے جاپان نے مغرب والوں سے بھی زیادہ مغربی طریقے اختیار کر لیئے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز لکھتا ہے "جاپانی ترقی کی مثال ساری دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ جاپانیوں نے اہل یورپ کی رفتار ترقی کو اپنی ترقی سے ماند کر دیا" جاپان والوں نے مغربی طریقوں کو نہایت شدت سے اپنایا۔ ملک میں صنعت و حرفت کو عام کر دیا۔ پُرامن شہریوں کو جنگجو بنا دیا ۱۸۷۳ء میں جاپان نے اپنی جنتری کو یورپ کی جنتری کے مطابق کیا۔ اپنے قوانین کی مغربی آئین پر ترتیب دی۔ اور برطانوی طرز حکومت کی تقلید میں لوئر ہاؤس اور اپر ہاؤس (دارالامراء) و (دارالعوام) قائم کئے بحری۔ بری فوج کو نئے انداز پر ترتیب دیا گیا۔ کھلی تجارت کو رائج کیا۔ اور مذہبی آزادی عام ہوگئی۔ غرضیکہ "ملک" کے سے برطانوی مفاد پرستوں کی تعلیم اور امریکن صنعت و حرفت اور جرمن رزم پرستی کے جذبات کے زیر اثر

جاپان نے اپنا رنگ ڈھنگ بالکل بدل ڈالا لیکن باوجود آئینی تبدیلیوں کے جاپان پھر بھی ایک "فوجی ریاست" ہی رہا۔ شہنشاہ کے اختیارات اُسی طرح سے قائم رہے۔ اور اصل طاقت قدامت پرست رُوسا وامراء کے ہاتھ میں رہی غیر ملکی حکومتوں کو جاپان کی بڑھتی ہوئی طاقت کا جلد ہی احساس ہوگیا۔ اُنہوں نے غیر مُلکی حقوق اور مراعات کو چھوڑ دیا۔ اور انیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے جاپان نے اقوام عالم کی پہلی قطار میں اپنے لئے نمایاں جگہ محفوظ کر لی۔

جاپانی امپیریلزم

"جاپان ہی ایک خدا ساختہ ملک ہے، جاپانی شہنشاہ ہی نائب خدا ہے۔ جاپانی قوم ہی خدا کی منتخب قوم ہے" اس لئے جاپان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دُنیا کے لئے چراغ ہدایت بنے (ماخوذ از جاپان کا مشن، مصنفہ ولیرڈ پرائس زیر عنوان کوڈو کا مذہب)

جدید صنعتی تہذیب میں امپیریلزم کے بیج ہیں۔ صنعتی کارخانوں کے لئے مزدوروں کی ضرورت ہے۔ مزدوروں کی روز افزوں تعداد ملک کی آبادی میں اضافہ کرتی ہے اور یہ اضافہ مزید صنعتی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لعنت کے چکر میں پڑنے سے کسی ملک کی آبادی اُس مقدار سے جس کیلئے وہ سرزمین خوراک پیدا کر سکتی ہے بہت بڑھ جاتی ہے۔ خوراک مہیا کرنے کے لئے نوآبادیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ صنعتی پیداوار سے آمدنی کیلئے دوسری منڈیاں ڈھونڈنی پڑتی ہیں۔ اگر ملک میں خام اشیا نہ ہوں تو اُسے یا تو پڑوسی ملکوں سے خام چیزیں خریدنی پڑتی ہیں یا پھر چھین جھپٹ کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہیں۔ جدید جاپان کی خارجی پالیسی بھی پچھلی صدی کے آخیر میں انہیں باتوں پر مبنی تھی۔ جاپان ایک بہت بڑا صنعتی و تجارتی ملک بن گیا لیکن اُس کے پاس خام اشیا موجود نہ تھیں

اُس کے پاس نہ نکل ہے نہ پارہ۔ لوہا بہت کم ملتا ہے ۵۷ فی صدی سے زیادہ لوہا باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ یہاں سکہ۔ تانبا۔ زنک (جست) اور ایلومنیم کی بھی بہت کمی ہے۔ کپڑا تو جاپان میں بُنا جاتا ہے۔ لیکن روئی باہر سے آتی ہے۔ ان حالات کی بنا پر جاپان نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور دیکھا کہ کوریا اور چین نہایت اچھی منڈیاں ہیں جہاں وہ اپنا تیار کیا ہوا مال بیچ سکتا ہے اور خام مال وہاں سے بافراط لے سکتا ہے۔ اُدھر جاپان کی آبادی تیز رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ جاپان کی کل زمین کا صرف پانچواں حصہ قابل کاشت ہے۔ آبادی تقریباً تین ہزار اشخاص فی مربع میل (قابل کاشت زمین) ہے اور یہ دنیا میں سب سے زیادہ گنجان آبادی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں آبادی ۵۵۰ اشخاص فی مربع میل قابل کاشت زمین ہے۔

اقتصادی اور صنعتی وجوہات کے ماسوا جاپانی امپریلزم کی ایک اور وجہ یہ تھی۔ کہ جاپانی اپنے آپ کو دیوتاؤں کی قوم سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ان کے سوا دنیا میں اور کوئی ملک ایسا نہیں جو تمام اقوام کی حفاظت اور رہنمائی کر سکے۔ زمانہ جاگیرداری سے لیکر اب تک ہر جاپانی سپاہی کو یہ تعلیم دی جا رہی ہے۔ کہ اسے تن۔ من۔ دھن جاپانی حکومت اور اپنے بادشاہ کی راہ اطاعت میں بے دریغ قربان کر دینا چاہیئے۔

میجی دور (Meji Era) میں کوڈہ کا طریق (شہنشاہی

یا امپیریلزم کا طریق) بہت پھولا پھلا جس کی رو سے جاپان ہی واحد خدائی ملک ہے جاپانی شہنشاہ ہی واحد خدائی شہنشاہ ہے اور جاپانی قوم ہی واحد خدائی قوم ہے اسلئے جاپان کا سردار اقوام بننا نہایت ضروری ہے۔"

جولائی ۱۹۳۱ء میں ایک جاپانی وزیر جنرل ارکی نے کہا تھا "جاپانی قوم کے جذبات کا پرچار سات سمندروں اور پانچوں براعظموں میں ہونا چاہیئے اور جو شے جاپانی اقتدار کے راستے میں حائل ہو اُسے دور کرنا چاہیئے

اس طرح صنعتی جاپان امپیریلزم کا مرکز بن گیا۔ اور جاپان جو کبھی ایشیا کا مرجعِ امید تھا خطرہ مشرق بن گیا۔ اُس کے امپیریلزم کا آغاز ۱۸۷۶ء میں ہوا۔ اُس سال جاپان نے کوریا سے تجارتی مراعات مانگیں اور یہ اُسے آسانی سے مل گئیں۔ اس کے بعد جاپان نے چین سے کوریا کے معاملے پر لڑائی مول لی اور اُسے ۱۸۹۴ء میں شکست دے کر فارموسا۔ جزیرہ نما لیاؤٹنگ (Liaotung) اور جنوبی مانچوریا کے علاقے چھین لئے۔ چین کو ایک بھاری تاوان بھی دینا پڑا۔ مغربی حکومتوں نے اس پر احتجاج کیا۔ جرمنی روس اور فرانس نے الٹی میٹم بھیجے کہ "جاپان مانچوریا سے نکل جائے"، جاپانیوں نے چپکے سے اس بات کو مان لیا لیکن فارموسا اور کوریا سے ہاتھ نہ کھینچا۔

اس دوران میں روس آہستہ آہستہ دور پورب میں پاؤں پھیلا رہا تھا۔ سائبریا کی حدود بڑھیں۔ ولیڈی واسٹاک کی بندرگاہ تعمیر ہوئی

فرانسیسی روپے کی مدد سے روسیوں نے ۱۸۹۱ء میں ٹرانس سائبرین ریلوے بنائی جو مانچوریا کے ساتھ جا لگتی ہے۔ اس طرح جاپانی اور روسی مفاد کی ٹکر ہوئی روسیوں کو اندیشہ ہُوا کہ جاپانی کہیں مانچوریا اور دیگر علاقوں پر اپنا تسلط نہ جمالیں۔ جرمن اور فرانس کی تائید اور حمایت سے روسیوں نے جاپان کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وہ لیاوٹنگ جزیرہ نما کو چھوڑ دے۔ وہاں سے جب جاپانی نکلے تو روسیوں نے خود مانچوریا سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ایک روسی۔ چینی۔ بنک کھولا گیا۔ اور چینی مشرقی ریلوے کمپنی نے مانچوریا کے آرپار ایک ریلوے بنا ڈالی۔

نومبر ۱۸۹۷ء میں دو جرمن پادری مارے گئے۔ اس بنا پر جرمنوں نے چین سے معاوضے کے طور پر کیاچو (Kai chau) پٹے پر لیا اور وہاں ٹسنگ ٹو (Tsingtao) کا مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ بھلا روسی حکومت کیوں پیچھے رہتی؟ اُس نے بھی لیاوٹنگ جزیرہ نما کو پچیس سال کے لئے پٹے پر لے لیا۔ اس نوچ کھسوٹ میں چین کا کوئی ٹکڑا جاپانیوں کے حصے میں نہ آیا۔ جاپانی اس صورتِ حالات کو برداشت نہ کر سکے۔ برطانیہ کو بھی یہ بات ناگوار گزری برطانیہ نے روسی خطرے کے مقابلے کے لئے امریکہ سے دوستی کر لی۔ مگر اس معاہدہ سے کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوا اسلئے برطانیہ اور جاپان کا ایک معاہدہ ۱۹۰۲ء میں ہُوا۔ جس کی رو سے فریقین کا فرض تھا کہ اگر انہیں کسی ایک پر ایک

سے زیادہ طاقت حملہ آور ہو تو وہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔ برطانوی امداد پر بھروسہ رکھتے ہوئے جاپان نے ۱۹۰۴ء میں روس پر دھاوا بول دیا۔ جب ننھے سے جاپان نے روس کو شکست دی۔ تو تمام دنیا حیران رہ گئی۔ امیر البحر ٹوجو نے زبردست روسی بیڑے کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس معرکے میں جاپان کا کافی نقصان ہوا اور سترہ کروڑ پونڈ خرچ آیا۔ لیکن لڑائی کے بعد اُس کا شمار دنیا کی اعلیٰ ترین طاقتوں میں ہونے لگا۔ اس فتح کی بدولت جاپان کو سائبریا کے ساحل سے پرے سکھالین جزیرے کا آدھا حصہ اور جنوبی مانچوریا ریلوے ہاتھ لگے۔ تھوڑی مدت میں برطانیہ کو اس امر کا احساس ہوا کہ جاپان روسیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور جاپان کی برطانیہ سے دوستی دیرپا ثابت نہ ہوگی۔ ۱۹۱۰ء میں جاپان نے کوریا کا الحاق کر لیا۔ اور وہ عظیم منگولین سلطنت کے خواب دیکھنے لگا۔ جس کی شہنشاہیت کا مرکز وہ اپنے آپ کو سمجھتا تھا۔ اس طرح سے جاپان کے امریکہ اور برطانیہ کے مفاد سے تصادم کی وجوہ نمودار ہو گئیں۔

گذشتہ ۲۵ سال کی تاریخ میں یہی کوششیں ہوتی رہی ہیں کہ کسی طرح جاپان کو جارحانہ اقدام سے باز رکھا جاتے۔ مگر آخر کب تک جاپان کو اپنی شرارتوں سے روکا جا سکتا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں جاپان میدان جنگ میں اتر آیا۔ ابتدائی کامیابیوں نے جاپان کا سر پھیر دیا تھا۔ چنانچہ جاپانی یہ کہنے لگے کہ ہم تو گذشتہ ۲۰۰۰ سال میں

کبھی ہارے ہی نہیں۔ پچھلی جنگ عظیم میں جاپان نے برطانیہ سے معاہدہ کی رو سے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تھا اور وُہ جرمنی بندرگاہ ٹسنگ ٹاؤ پر آسانی سے قابض ہو گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ لڑائی کے بعد دکھنی شانت مہاساگر میں جرمن کے جزیروں مارشل پیلو (Pelew) کیرولین اور مارین (Marianue) پر اُسے عارضی غلبہ (Mandeta) مل گیا۔ اس سے پہلے ۱۹۱۵ء میں جاپان نے چین کو ۲۱ مطالبات پر مشتمل ۴۸ گھنٹے کا ایک الٹی میٹم دیا تھا۔ اگر یہ الٹی میٹم قبول کر لیا جاتا تو چین کا تو خاتمہ ہو گیا تھا۔ مگر وُہ تو خیر گزری کہ برطانیہ اور ریاست ہائے امریکہ نے اُن مطالبات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بالآخر ردوکد کے بعد جاپانی مطالبات بہت کچھ کم کر دیئے گئے۔ مگر جاپان کے اقدام سے ظاہر ہو گیا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

گذشتہ جنگ عظیم کے بعد جاپان کا سیاسی دماغ بے توازن نہ تھا۔ اُس نے واشنگٹن کانفرنس میں انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کیا انگریزی و امریکی پالیسی میں شرکت قبول کر لی جو نو طاقتوں کے معاہدے میں مذکور تھی۔ اِسی مشارکت کی وجہ سے جاپان نے ۵ : ۵ اور ۳ کے تناسب سے برطانیہ اور امریکہ کے مقابل میں بحری طاقت رکھنے کا حق حاصل کر لیا اور بحرالکاہل میں اس طرح اپنی پوزیشن مضبوط بنا لی

اِدھر جاپان کی حد سے بڑھی ہوئی صنعتی ترقی کی بدولت بھی جاپانی

خطرے اور جاپانی امپریلزم کو روز افزوں تقویت ملنے لگی۔ جاپان اپنی تیار کردہ چیزیں نہایت سستے داموں پر بیرونی منڈیوں میں بھیجنے لگا یہاں تک کہ برطانیہ میں بھی "جاپان میں بنی ہوئی" اشیا کثرت سے آنے لگیں۔ اور جب وہ برطانیہ میں داخل ہوتی تھیں تو اُن پر "انگلستان کی بنی ہوئی" کا لیبل لگا دیا جاتا تھا۔

جاپان کی امپریلزم کا ایک نمایاں مظاہرہ مشہور ٹنا کا میمورنڈم ہے جو ۱۹۲۷ء میں جاپان کے وزیر اعظم جنرل ٹناکا نے تیار کیا تھا۔ اس میں جاپان کی پالیسی اور اُس کے مقاصد کی تشریح یہ ہے کہ "جاپان کو خون اور فولاد کی پالیسی پر عمل کرنا ہوگا۔ تمام دنیا کو فتح کرنے کے لئے یورپ اور ایشیا کو فتح کرنا ہوگا۔ جاپانی فتوحات کی ابتدا چین سے ہوگی یعنی پہلے مانچوریا اور منگولیا پر قبضہ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ چین کو قابو میں رکھنے کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو تباہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔ جاپان کو امید ہے کہ وہ اپنا یہ مجوزہ پروگرام دس سال میں پورا کرے گا"۔ اگرچہ بعد میں جاپانیوں نے ٹناکا کی تحریر کو درست ماننے سے انکار کر دیا۔ مگر اس پر عمل اسی طرح کرتے رہے جیسے ہٹلر نے اپنی کتاب (میری جد وجہد) میں جرمن قوم کا آئندہ دستور عمل بیان کیا ہے۔

۱۹۳۱ء میں جاپان نے مانچوریا پر قبضہ کر کے اپنے پروگرام کا پہلا حصہ پورا کر لیا تھا۔ اس پروگرام کے مطابق مانچوریا پر آسانی سے جاپانی تسلط ہو گیا

کیونکہ وہاں سے روس پیشتر ہی دست بردار ہو چکا تھا۔ یہاں جاپانیوں کو نئی آبادی کیلئے کافی زمین مل گئی۔ مگر بدقسمتی سے آب و ہوا کی ناسازگاری اُن کی راہ میں حائل ہوگئی۔ ۱۹۳۵ء میں برطانیہ نے بہت کوشش کی کہ چین اور جاپان میں دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں مگر جاپانی مدبروں کی خود غرضیوں کے سبب یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

جنگ چین و جاپان

پچاس کروڑ انسانوں کے جذبۂ آزادی اور عزم زندگی کی غیر مفتوح طاقت کو کوئی ہتھیار نہیں کچل سکتا (ایس۔ سی ہیوننگ کے مضمون بنام "چین ابھی لڑ رہا ہے" میں)

چین جاپان کے دردِ دل کی دوا ہے۔ جب کبھی جاپان کی نیت میں فتور آتا ہے۔ وہ اپنی ملک گیری کی ہوس چین سے پوری کر لیتا ہے۔ ۱۹۳۱ء سے جاپان کی پالیسی یہ رہی ہے۔ کہ وہ اپنی ضروریات اپنے ملک میں ہی پیدا کیا کرے اور اُسے سمندر پار سے چیزیں لانے کی حاجت نہ رہے۔ اس غرض سے جاپان نے مانچوریا میں بے انتہا روپیہ صرف کیا لیکن جب یہ بے سُود ثابت ہوا تو اِسی دوڑ دھوپ میں وہ شمالی چین میں آگے بڑھنے پر مجبور ہوا۔ چینی بچارے بہت صابر اور صُلح کل واقع ہوئے ہیں۔ اِن کا اعتقاد ہے کہ "جو لوگ برف باری کی وجہ سے سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ اُن کے لئے کوئلہ مہیا کرنا چاہئے"۔ اس لئے جب جاپان نے لیگ آف نیشنز سے نکل کر جیہول پر تسلط جما لیا تو چینیوں نے عہد نامہ ٹانگ کو (TangKu) پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد جاپانیوں نے چین کے پانچ شمالی صوبوں پر دباؤ ڈالا لیکن آخر صبر کی بھی کوئی انتہا ہوتی

ہے۔ صبر کوش چینی جبر پذیری کے لئے تیار نہ ہوئے۔ پانچ سال کی مسلسل جاپانی سازشوں۔ دخل اندازیوں اور غاصبانہ کارروائیوں نے سوئے ہوئے چینی اژدھا کو ایک مدہوش کچھوے کی بے حسی سے جگا کر اژدہا بنا دیا۔

جاپانی فوجی حلقے یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کے مقابلے میں ایک زبردست متحدہ چین جنرل چیانگ کائیشک کی سرکردگی میں کھڑا ہو جائے۔ اسلئے اُنہوں نے جولائی ۱۹۳۷ء میں مارکوپولو کے پل کے حادثے کی آڑ لے کر چین پر یک دم حملہ بول دیا۔ مگر چین بیدار ہو چکا تھا۔ وہ اپنے غاصب حملہ آور کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ یہ تھا موجودہ جاپانی چینی جنگ کا آغاز جس کا باقاعدہ اعلان اب تک بھی نہیں ہوا۔ کس کو خیال تھا کہ "چینی حادثہ" اتنی دیر تک برپا رہے گا کہ بالآخر ہٹلر کی جنگ تک طول کھینچ جائے گا۔ جاپان لڑائی میں یہ سوچ کر کودا تھا۔ کہ یہ جنگ چند ہی مہینوں میں ختم ہو جائے گی اور وہ چین کو زیروزبر کر کے اُسے تباہ کرنے کا خرچ بھی اُسی سے وصول کرے گا۔ لیکن جاپانی سیاستدانوں کا قیافہ غلط نکلا۔ گذشتہ چھ سال میں اگرچہ جاپان نے چین کے وسیع علاقے فتح کر لئے ہیں۔ چین کے متعدد شہر کنیٹن۔ شنگھائی۔ نانکنگ ہانگو۔ پینگ اور نانگ لے لئے ہیں اور تقریباً تمام ریلیں اور بڑے بڑے دریائی راستوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے مگر بڑے بڑے شہروں اور دریائی راستوں پر قبضے سے جاپانیوں کا متوقعہ

مقصد حاصل نہ ہو سکا کیونکہ مفتوحہ ریلوں اور دریاؤں کے راستوں کے ارد گرد جو لاکھوں کی تعداد میں چینی بستے ہیں۔ انہوں نے لگاتار گوریلا جنگ سے جاپانیوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چینی کہتے ہیں "کہ جاپانیوں نے شہد کے ایک مرتبان میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ اُس کی پانچوں اُنگلیاں تو شہد میں ضرور ہیں۔ مگر چاروں طرف شہد (چین) بدستور قائم ہے۔ جاپانی ہمارے جذبۂ آزادی کو کچل نہیں سکتے"۔

مارشل چیانگ کیشک کا قول ہے کہ یہ لڑائی تین منزلوں سے گذرے گی (۱) پہلی منزل جاپانیوں کی فتوحات کی تھی جو ختم ہو چکی ہے (۲) دوسری منزل نہایت کٹھن ثابت ہوئی ہے۔ جاپانیوں نے بےسود کوشش کی کہ وہ اپنی فتوحات سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنی پوزیشن کو مضبوط رکھیں (۳) تیسری منزل جاپان کو چینیوں کے مقابل میں ہار کر پیچھے ہٹنے اور چینی شرائط کو قبول کرنے کی ہوگی۔ اب یہ آخری منزل نزدیک آرہی ہے کیونکہ جاپان بحر الکاہل اور جنگ کے دوسرے محاذوں کے چکر میں بُری طرح پھنس گیا ہے۔ اس بھول بھلیاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ چین کا جاپان سے مقابلہ ایک معجزے سے کم نہیں اس وقت چالیس لاکھ چینی اٹھائیس سو میل لمبے محاذ پر لڑ رہے ہیں۔ لاکھوں سپاہی محاذ کے پیچھے محفوظ طاقت کے طور پڑے ہیں آٹھ لاکھ چینی گوریلے جاپانیوں کے ذرائع آمدورفت کو تباہ کرنے پر

لگے ہوئے ہیں اور چھ لاکھ تربیت یافتہ چینی فوج جاپانی محاذ کے عقب میں تباہی مچا رہی ہے۔ گذشتہ چھ سالہ مدافعانہ جنگ کے سبب چینیوں میں ایک نئی زندگی آگئی ہے۔ وہاں کل تک جو چٹیل میدان تھے کارخانے بن گئے ہیں۔ بنجر علاقے آباد ہو گئے اور وہاں نئی سڑکیں اور راستے نکل آئے ہیں۔ ہزاروں صنعتی امدادی سوسائیٹیاں رونما ہو گئی ہیں۔ اور چینی بہادر فتح کی امید اور آزادی کے جذبے سے سرشار ہو کر سر توڑ جنگ کر رہے ہیں

جاپان اور جنگ عالم

ہمارے آبا بہشت سے ہمارے کام دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اپنی ذمہ داری کا مکمل احساس ہے، ہم اُن کی شان کو برقرار رکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ جو بلند فرائض انہوں نے ہم پر عاید کئے ہیں انہیں ہم نہایت ایمانداری اور جانفشانی سے سرانجام دیں گے (۱۸۸۱ کی ایک مشہور شنٹو تحریر سے)

رفتہ رفتہ جاپان کی ملک گیری کی ہوس بڑھتی گئی۔ روس سے لڑنے کے بعد اُسے پتہ لگ گیا کہ وہ ایک بڑی طاقت کو بھی شکست دے سکتا ہے لیکن اپنی کامیابی کا غلط یقین اہل جاپان کیلئے بہت خطرناک ثابت ہوا۔ پورٹ آرتھر کی لڑائی میں اُسے اچانک حملے کے فوائد معلوم ہو چکے تھے۔ جب اُس نے لیگ آف نیشنز کی باہمی قراردادوں کی پروانہ کرتے ہوئے مانچوریا کو فتح کر لیا اور چین پر حملہ کرکے دیکھ لیا کہ کوئی اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑی بڑی طاقتوں میں اتحاد ناممکن نہیں تو کم از کم بے اثر تو ضرور ہے۔ چنانچہ لیگ آف نیشنز سے قطع تعلق کرنے کے اٹھارہ مہینے بعد جاپانی وزیر خارجیہ نے جاپانی مجلس (Diet) میں کہا "چونکہ مشرقی ایشیا کی تعمیر کا بنیادی پتھر صرف جاپان ہے۔ اسلئے اس مہم کی تمام تر ذمہ داری کا بار گراں ہم

اپنے سر پر لے رہے ہیں"۔

جاپانی وزیر خارجیہ کا یہ اعلان درحقیقت دوسری قوموں کے لئے ایک تنبیہ تھی کہ تم چین سے دور رہو چین پر تسلط صرف ہمارا حق ہے۔

جاپان کے ارادے آہستہ آہستہ وسیع ہو رہے تھے اور گو جاپان قدم بقدم اپنے منتہائے مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن چالاکی سے ظاہر یہی کرتا رہا کہ ہر قدم اُس کی آخری منزل ہے اور زیادہ آگے جانے کی اُسے خواہش نہیں۔

جاپان کی اس ملک گیری کی ہوس کا ناگزیر نتیجہ برطانیہ سے ٹکر تھی لفٹنٹ کمانڈر توٹا اشامارد نے لکھا تھا "آج انگریزی جاپانی جنگ کسی بیوقوف کا خواب یا کسی مجذوب کی بڑ نہیں رہی بلکہ یہ اٹل ہے جاپان تو یہ چاہتا ہے کہ وہ پھیلے اور برطانیہ یہ چاہتا ہے کہ جو ملک اُس کے قبضہ میں ہیں۔ وہ اُس کے پاس ہی رہیں۔ جب تک دونوں میں کوئی ایک اپنی پالیسی کو تبدیل نہ کرے اُن کی ٹکر لازمی ہے"صورت حال یہ ہے کہ جاپانی بطور قوم کے اکیلے کوئی اقدام کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اہل جاپان برطانیہ کی دوستی کی قدر کیا کرتے تھے۔ لیگ آف نیشنز سے وہ بڑے تامل کے بعد الگ ہوئے اور بیچارے جب تک محوریوں کے ساتھ شامل نہ ہو گئے۔ کچھ گھبرائے سے رہے۔ دراصل جدید جرمنی اور جاپان میں بہت سی باتیں مشترکہ تھیں۔ دونوں ملک

اپنے آپ کو محور کی طاقتوں میں شمار کرتے تھے۔ دونوں اپنی ملکی حدود کی توسیع کے خواہشمند تھے۔ دونو روس سے بیزار اور دونوں برطانیہ سے ڈرتے تھے۔ ان میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ جاپانی شہنشاہ کے پجاری ہیں اور نازی ہٹلر کے پرستار۔

جاپانی سیاسیات کی خصوصیت یہ ہے کہ وُہ خود پہل بہت کم کرتے ہیں۔ بلکہ موقع کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ اور اُن کا ہر نیا اقدام کسی دوسرے ملک کے واقعات کے زیر اثر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ادھر ہٹلر کا جرمنی میں زور ہوا تو اُدھر جاپانیوں نے شمالی چین پر حملہ بول دیا اِدھر اٹلی کے خلاف تجارتی پابندیاں ناکام ہوئیں تو ادھر ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو جاپانیوں نے روس کے خلاف Anti Comintern Pact محوری عہد نامے پر دستخط کر دیئے۔ یہی معاہدہ ایک سال بعد جرمن اٹلی اور جاپان یا موجودہ محوری اتحاد کی بنیاد بن گیا۔

روس کے خلاف (Anti-Comintern Pact) محوری معاہدے پر دستخط کرنے سے جاپان بین الاقوامی سیاسیات میں تنہا نہ رہا اور ہم مقصد محوری طاقتوں کا سرگرم معاون بن گیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب روسی فوج سے "خراب مواد" کاٹ کر باہر نکالا جا رہا تھا تو جاپان کو چین پہ دست درازی کا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اور جب جمہوری قوموں نے میونخ میں ہتھیار ڈال دیئے۔ تو جاپان نے اپنے نئے نظام کا اعلان کر دیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۸ء کو شہزادہ کونوئے نے اعلان کیا کہ "نیا نظام

جاپان چین اور مانچو کو تینوں طاقتوں کا مشترکہ مقصد ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے وہ ایک ہو جائیں گے" .... جاپان کے نئے نظام میں شامل ہونے والے کم سے کم یقین دلائیں کہ وہ نئے نظام کے قائم کرنے میں امداد کریں گے"۔

میونخ (Munich) کا اثر اور کہیں کچھ بھی ہوا ہو جاپان کو یہ یقین ہو گیا کہ برطانیہ اور فرانس کھوکھلے ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی ایشیا میں جاپانی اس امید پر برطانیہ کے خلاف ہو گئے کہ جرمنی اور جاپان یاران جنگ کی حیثیت میں ضرور جمہوری اتحادیوں کو پچھاڑ لیں گے اور اِدھر برطانوی امداد کے بند ہو جانے پر چینی بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ عین اس موقع پر دوسری جنگ عالم گیر شروع ہو گئی اور نازی۔ روسی معاہدے نے جاپانیوں کو سراسیمہ کر دیا۔ کیونکہ وہ .. .. محوری معاہدے پر بڑا بھروسہ رکھتے تھے بنا بریں گھبرا کر نئی جاپانی گورنمنٹ نے کوشش کی کہ چین سے جاپان کا تنازعہ ختم ہو جائے۔ یورپی جنگ میں وہ غیر جانبدار رہیں۔ اور پھر برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے اپنے تعلقات بہتر کر لیں۔ مگر ۱۹۴۰ کی نازی کامیابیوں نے پھر ترازو کے پلڑے کو جھکا دیا اور جاپانی پالیسی میں تبدیلی پیدا کر دی۔

ناروے اور ڈنمارک پر حملے کے فوراً بعد جاپانی وزیر خارجہ مسٹر اریٹا (ARITA) بولے "کہ جاپانی گورنمنٹ کو یورپی جنگ کے ہر ایسے

پہلو سے گہرا تعلق ہے۔ جس کا اثر ڈچ ایسٹ انڈیز کی موجودہ حالت پر پڑتا ہو۔ اس وقت تک ڈچ ایسٹ انڈیز کا کوئی سوال درپیش نہ تھا۔ لیکن اعلان کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر کوئی یورپی طاقت اپنی دور پورب کی نوآبادیوں پر گرفت نہ قائم رکھ سکے گی تو جاپان اس پر قبضہ کرلے گا۔

جرمنی کی مسلسل فتوحات نے اس کی فریب کاریاں جاپان کے دل سے بھلا دیں۔ جاپان نے یہ سوچا کہ کچھ بھی ہو ہمیں تو جیتنے والے کا ساتھی بننا چاہیے۔ چنانچہ جب جون ۱۹۴۰ء میں فرانس کو شکست ہوئی تو ٹوکیو میں اس خبر سے کافی ہلچل مچ گئی۔ شہزادہ کونوئے وزیراعظم بنا اور مسٹر متسوکا نے وزارت خارجہ کا دفتر سنبھالا۔ اس وقت جاپان کی فوجی پارٹی طاقت پکڑ رہی تھی۔ گذشتہ جاپان کی تین نسلوں نے مغربی جمہوریت۔ شہنشاہیت اور سرمایہ داری کو اپنایا تھا اب فاشزم کی نقل کرنا چاہتے تھے۔ نئے وزیراعظم نے ایک اعلےٰ اقتصادی کونسل بنائی اور ایک اعلےٰ تمدنی کونسل۔ اس نے مزدوروں کی انجمنوں اور تمدنی سماجوں کو توڑ دیا۔ اور "ایک ملک میں ایک پارٹی" کے گیت الاپنے شروع کر دیئے۔ لیکن زرد فاشزم کی راہ ترقی میں سب سے بڑی دیوار حائل مقدس جاپانی شہنشاہ کی شخصیت تھی۔ جاپان میں یہ کسی کو جرأت نہیں کہ وہ آسمان کے بیٹے شہنشاہ جاپان کو گرا کر ہٹلر یا مسولینی کے بادشاہ کے درجے پر لے آئے۔ علاوہ ازیں جاپانی صنعت

اب تک قوم کی ملکیت نہ بنی تھی اسلئے یہ نیا انتظام دراصل نئے اور پرانے خیالات میں کشمکش مٹانے کے لئے ایک عارضی سمجھوتا تھا جس سے جاپانی لیڈروں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ ملک کی توجہ ہند چینی، سیام اور ڈچ انڈیز کیطرف پھیر دی۔

اس دوران میں ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء کو جرمنی۔ اٹلی اور جاپان نے برلن میں ایک سہ طاقتی معاہدے پر دستخط کئے۔ جس کی رو سے جاپان نے یہ اقرار کیا کہ وہ یورپ میں نئے نظام کے قیام کے معاملے میں جرمنی اور اٹلی کو یورپ کا رہنما تسلیم کرتا ہے۔ اور اسی طرح اٹلی اور جرمنی نے مشرقی ایشیا میں جاپان کے نئے نظام کی استواری کے معاملے میں جاپان کی رہنمائی تسلیم کی۔ ان طاقتوں نے باہم معاہدہ کیا کہ اگر کوئی اور طاقت جو اس وقت یورپی جنگ یا چینی جاپانی تصادم میں شامل نہیں ہے۔ ان تینوں طاقتوں میں سے کسی پر حملہ آور ہو تو وہ اپنے تمام سیاسی، اقتصادی اور فوجی ذرائع سے ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ پھر کیا تھا۔ اس معاہدے کے بل بوتے پر جاپان نے کھلم کھلا سب سے پہلے ڈچ ایسٹ انڈیز پر دباؤ ڈالا۔ اور جب وہاں کی حکومت نے مقابلے کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے چھوڑ کر جاپانی سیام کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیام میں بڑی چالاکی سے جاپانیوں نے اپنے بہت سے آدمی داخل کر دیئے۔ اور اس کے ساتھ دھمکیوں اور خوشامدوں کا ایسا جال بچھایا۔ کہ سیامی حکومت بے بس ہو کر ان کے

جنگل میں پھنس گئی۔ فرانسیسی ہند چینی پر جاپانیوں نے نازی فریب کاری کے طریقوں سے قابو پا لیا۔ فرانس کی شکست کے فوراً بعد جاپان اور سیام دونوں نے ہند چینی کو مطالبات پیش کیے۔ سال کے اختتام سے پہلے ہی جاپان نے وہاں چوکیاں قائم کر دیں۔ ہند چینی میں پاؤں جما کر جاپانی ایجنٹوں نے سیام اور ہند چینی میں سرحدوں کے متعلق ایک جھگڑا کھڑا کر دیا۔ اور جب دونوں بھڑک اٹھے تو اہل جاپان "مان نہ مان میں تیرا مہمان" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے ثالث بالخیر بن کر آ دھمکے کہ "ہمارا حق ہے کہ ہم صلح کرائیں"۔ چنانچہ ٹوکیو میں صلح کی بات چیت ہوئی اور اس مشہور بندر کی طرح جس نے دو بلیوں میں برابر روٹی تقسیم کرنے کے لئے ترازو ہاتھ میں لے کر روٹی کا بیشتر حصہ خود اڑا لیا تھا۔ جاپان نے ہند چینی پر اقتصادی غلبہ پا لیا۔ اس عیاری میں کامیاب ہو کر اس ملک سے جاپانیوں نے وہ وہ فوائد حاصل کئے جو جنگ و خونریزی سے بھی اُسے نہ مل سکتے تھے ادھر سیام والوں سے جاپان نے شکرانہ اس طرح سے وصول کیا کہ وہاں ہر ہفتے ایک ہزار سیاح بھیجنے شروع کر دیئے۔

سیام اور ہند چینی کا جھگڑا طے ہونے کے چند دن بعد جاپانی وزیر خارجہ مسٹر مستوکا روم اور برلن گیا اور واپس آتے وقت ماسکو میں اس نے پانچ سال کے لئے روس سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا اس معاہدے میں باہم یہ وعدہ کیا گیا کہ روس و جاپان میں سے اگر

پانچ سال کے دوران میں کوئی کسی تیسری طاقت سے اُلجھ پڑے تو دونوں اُس جنگ کے دوران میں غیر جانبدار رہیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ جاپان روس سے ہمیشہ ڈرتا رہا ہے پچھلے دس سال میں دونوں ملکوں کی سرحدوں پر طرفین کی افواج میں مانچوریا کے محاذ پر کئی بار مڈھ بھیڑ بھی ہوچکی ہے۔ اگرچہ جاپان نے ۱۹۰۵ میں روسی یلغار کو روک لیا تھا مگر وہ زمانہ کچھ اور تھا۔ بالشوزم کے عروج کے بعد خطرہ خیالاتی اور جذباتی صورت اختیار کرگیا تھا۔ خیالات کی یورش کا مقابلہ کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ نیز بمبار جہازوں کی آمد نے جاپان کے لئے روسی خطرے کو اور بھی سنگین بنادیا جاپانی جانتے ہیں کہ روسی اڈوں سے بمبار جہاز جاپان کے ہر شہر میں دوزخ کی آگ برسا سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس معاہدے کی وجہ یہ بھی ہو کہ ہٹلر روس پر حملے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ مگر وہ روس کو دھوکے میں رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ اُس کا مطلب جاپان کے عقب کو محفوظ کرنا تھا تاکہ وُہ جنوب مغرب میں عقبی خطرے سے بے فکر ہوکر لڑ سکے۔

جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تو جاپانی وزرات میں پھر ایک مرتبہ تبدیلیاں ہوئیں۔ کچھ عرصہ تو ٹوکیو میں سخت کشمکش رہی حتےٰ کہ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں وزرات پھر ٹوٹ گئی۔ لیکن ان چند مہینوں میں جاپان نے ہند چینی سے کچھ مراعات اور حاصل کرلیں۔ یعنی دشی حکومت فرانس نے جاپان کو ہند چینی میں عارضی طور پر اپنے ہوائی اڈے

دے دیئے تاکہ جاپان جنرل ڈیگال کے ساتھیوں چینیوں اور برطانیوں کے خلاف ہند چینی کی حفاظت کر سکے۔ اس طرح گویا اور آگے بڑھنے سے پہلے جاپانیوں نے ہند چینی میں اپنے قدم خوب جما لئے۔

ہند چینی میں جاپان کا ہوائی اڈے قائم کر لینا قدرتاً برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ چنانچہ دونوں حکومتوں نے فوری کارروائی کی اور اپنے ملکوں اور مقبوضات میں طرح طرح کی پابندیوں سے جاپانی مفاد کو مفلوج کر دیا۔ برطانوی حکومت نے جاپان کے ساتھ اپنے سارے تجارتی تعلقات قطع کر دیئے ادھر ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے جاپان سے تجارت بالکل بند کر دی۔

جاپان کو اس تجارتی ناکہ بندی سے بڑی کاری ضرب لگی۔ چنانچہ شہزادہ کونوئے نے شورہ دیا کہ دونوں ملکوں سے سیاسی تعلقات قائم کرنے کے لئے سلسلہ جنبانی کی جائے۔ جب نومبر ۱۹۴۱ء میں کونوئے کی جگہ جنرل ہیدیکی ٹوجو (Gen: Hideki Tojo) وزیر اعظم بنا تو کیچی سابورو نومیورا (Kichi Saburo Nomura) ایک خاص ایلچی کے طور پر اس تنازعے کے تصفیے کے لئے امریکہ بھیجا گیا۔ لیکن ابھی بات چیت ہو ہی رہی تھی کہ جاپان نے برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

جنگ

ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھتے ہوئے جاپان نے ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کی صبح کو برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر اپنا مکارانہ حملہ کر دیا۔ جاپان کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ وہ جنگ کا اعلان کرنے سے پہلے ہی لڑائی جیت لے۔ ۱۸۹۴ء میں اُس نے چین کے ساتھ بھی ایسا ہی طرزِ عمل دکھایا۔ دس سال بعد روس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک روا سمجھا اور اب ۱۹۴۱ء میں بھی وہی چال چلی۔ پرل ہاربر (جو بحرالکاہل میں امریکہ کا بڑا بھاری بحری اڈا تھا) اور گام اور ویک۔ جزائر پر اچانک بہ یک وقت حملہ کر دیا۔ اس حملے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ امریکن بحری بیڑا بالکل بے دست و پا ہو جائے۔ اُسے اُن بحری اڈوں سے محروم کر دیا جائے۔ جن سے وہ کوئلہ وغیرہ حاصل کرتا تھا۔ تاکہ امریکہ بحرالکاہل میں لڑنے کے ناقابل ہو جائے جاپان نے یہ حملہ اپنی روایاتِ جنگ کے مطابق اعلان جنگ سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ اسی کے ساتھ ہانگ کانگ۔ فلپائن اور جزیرہ نما ملایا پر بھی ہلہ بول دیا۔ امریکن بحری فوج کو پرل ہاربر میں سخت نقصان پہنچا اور برطانیہ کو دو بڑے بڑے بھاری جہازوں (پرنس آف ویلز اور ریپلس) سے خلیج سیام میں ایک گھنٹے کے اندر اندر ہاتھ دھونے پڑے۔

ان نقصانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادیوں کا سنگاپور اور سانس فرانسسکو کے درمیانی سمندر پر قابو نہ رہا۔ اِن اچانک ابتدائی فوائد کی بدولت جاپان کے قدم آگے بڑھتے گئے۔ ہانگ کانگ بہادرانہ مدافعت کے بعد ہاتھ سے نکل گیا اور جنرل مکارتھر کی سخت حفاظتی کارروائی کے باوجود جزائر فلپائن بھی جاپانی اقتدار میں چلے گئے۔ اسکے بعد جاپان نے ہند چینی اور سیام میں ہوائی اڈے بنا لیئے۔ مغرب کی طرف قدم بڑھائے اور ملایا کو لے لیا۔ اِسکے بعد سنگاپور (مشرق کا جبرالٹر) فروری ۱۹۴۲ء میں جاپانی تسلط میں آگیا۔

صورت حال یہ ہوئی کہ لگاتار کئی مہینے جاپانی آگے بڑھتے گئے اتحادی کچھ تو اچانک حملوں کی وجہ سے اور کچھ اِس وجہ سے کہ وہ جنگ کے دوسرے محاذوں پر لگے ہوئے تھے۔ مہلت حاصل کرنے کی خاطر پیچھے ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ برما اور ڈچ ایسٹ انڈیز بھی جاپانیوں کے ہاتھ لگے اگرچہ برما میں سخت مقابلہ ہوا لیکن افسوس کہ اکثر برمی جاپانیوں سے جا ملے۔ آخر مئی ۱۹۴۲ء میں جاپانی فتوحات انتہا کو پہنچ گئیں۔ اتحادی ہندوستان اور آسٹریلیا تک پیچھے ہٹ گئے۔ جنوبی بحر الکاہل میں جاپان نے جزیروں پر فوراً ہی قبضہ جمانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ انہوں نے چند اہم چوکیوں اور مرکزوں کو قابو میں کیا۔ اُن کے فوجی محافظوں کو شکست دی اور جزیروں کو چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ خود بخود اپنے آپ کو حوالے کر دیں۔ بورنیو کے بعد

جاپان نے سمراوک، تاراکان (Tara Kan) اور سلیبز (Celebes) پر قبضہ جمایا پھر نیو برٹن میں رابول اور نیو آئیرلینڈ میں جا پہنچے۔ دو دن بعد نیو گنی پر حملہ کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں جاپان بورنیو سے جزائر سالومن میں پہنچ گیا اور جنوب کیطرف آگے بڑھنے کے لئے ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۴۲ کو ایمبیانا (Amboyna) کو بھی ملحق کر لیا اسی طرح رفتہ رفتہ جاپانی آسٹریلیا کے اتنے نزدیک پہنچ گئے۔ کہ اُس پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔

آسٹریلیا جو دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ اور سب سے چھوٹا براعظم ہے ہمیشہ سے جاپان کی آنکھ میں چھبتا رہا ہے۔ یہ اتحادیوں کے لئے بحرالکاہل میں جائے پناہ ہے اور طاقت کا قلعہ ہے جہاں سے اتحادی جارحانہ اقدام شروع کر کے لڑائی کو جاپانیوں کے گھر تک لے جا سکتے ہیں۔

جاپانیوں کو آگے بڑھنے میں پہلی بڑی شکست کورل اور مڈوے جزائر کی بحری لڑائیوں میں ہوئی۔ انہیں بے حد نقصان ہوا اور ان کی جارحانہ اقدام کی طاقت کو زبردست نقصان پہنچا۔ اتحادی طاقتیں امریکہ اور آسٹریلیا کے سات ہزار میل کی مسافت کے ۔۔۔۔۔۔ ذرائع آمد و رفت جاری رکھنے میں کوشاں رہے اور جاپانی ان اتحادی وسائل کو توڑنے میں۔ یہ وجہ تھی کہ گودل کنال (Guadal-Canal) میں چھ ماہ تک جاپانیوں اور امریکنوں کے درمیان زبردست لڑائیاں

ہوتی رہیں۔ امریکنوں نے چار بار جاپانی بحری بیڑے کے بڑے بڑے دستوں کو مار مار کر پیچھے ہٹایا۔

مئی ۱۹۴۲ء تک تو اتحادی پیچھے ہٹتے رہے۔ اسکے بعد ایک سال تک اُنہوں نے جاپانیوں کو روکے رکھا۔ اس عرصے میں وہ برابر حملے کرتے رہے اور اپنے بچاؤ میں لڑائیاں لڑتے رہے اور جاپانیوں پر ایک بڑا حملہ کرنے کے لئے اپنی طاقت کو جمع بھی کرتے رہے۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں جاپانیوں کو بسمارک سمندر میں بھاری شکست ہوئی جس سے آسٹریلیا کے لئے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا دُور ہو گیا۔ جون ۱۹۴۳ء سے لے کر اب تک جاپانیوں کو نیو جارجیا سے نکال دیا گیا ہے نیوگنی میں اُنہیں سلموا (Salumoa) اور لی (Lea) سے ہاتھ دھونے پڑے، اور سالومن جزائر میں اتحادی فوجیں بوئین ویل .. .. کے جزیرے پر اتر پڑی ہیں اس کے ساتھ ہی امریکن فوجوں نے گلبرٹ ٹاپوؤں پر حملہ کر دیا ہے۔ موجودہ اتحادی جنگی تدابیر کا یہ مطلب ہے کہ ایک طرف تو رابول کے ہوائی اور بحری اڈے پر دو طرفہ حملہ کیا جائے اور دُوسری سمت وسطی شانت مہاساگر کے بحری اڈے ترک (Truk) کا رخ کیا جائے۔ حال ہی میں امریکن فوجیں نیو برٹن کے ٹاپو پر اُتر پڑی ہیں اور اُن سے رابول کے لئے (جہاں سے جاپانی پچھلے دو سال میں جنگ کر رہے تھے) براہ راست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ تازہ خبروں سے پتہ چلتا ہے

کہ امریکن فوجوں نے نیوگنی پر بھی حملہ کر دیا ہے اور وہاں امریکن اور آسٹریلین افواج نے جاپانی فوج کو گھیرے میں ڈال لیا ہے۔

پچھلے دو سال میں جاپانی اپنی ابتدائی کامیابیوں کے باوجود نہ تو چین کی جنگ کو ختم کر سکے اور نہ ہندوستان اور آسٹریلیا پر ہی حملہ کر سکے ہیں۔ یہ دونوں ملک اتحادیوں کے مضبوط اور زبردست طاقت کے سرچشمے ہیں۔ جاپان جانتا ہے کہ اگر اپنے مقبوضات کو مضبوط نہ بنا سکا تو اسے پسپا ہونا پڑے گا کیونکہ اتحادیوں کے جوابی حملے شروع ہو گئے ہیں۔ موجودہ جنگ میں جاپان کی ابتدائی کامیابیوں کی دو وجہیں ہیں۔ اول تو برطانیہ اور امریکہ کا سامانِ جنگ ساری دنیا (برطانیہ۔ روس۔ لیبیا وسط مشرق) میں پھیلا ہوا ہے۔ دوم جاپان چین سے جنگ آزمائی کی وجہ سے جنگی تربیت میں اتحادیوں کے مقابلے میں بہت آگے بڑھ چکا تھا۔

جاپانی اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ موجودہ جنگ ایک صنعتی جنگ ہے۔ جرمن جنرل سٹاف کیطرح جاپانی جنرل سٹاف نے بھی اپنی فوج کو اس طرح مرتب کیا تھا کہ ہر ایک ڈویژن کی رسد رسانی مرمت اور مشین لگانے کا اِس حد تک انتظام مکمل تھا۔ کہ وہ بیرونی امداد سے بے نیاز تھا۔ اِس فوجی اور صنعتی اتحاد کا ایک بہترین نمونہ ملایا میں دیکھا گیا۔ جہاں جاپانی گھنے جنگلوں میں مرمت کرنے کے کارخانے ساتھ ہی لے آئے۔ جاپان کی ابتدائی فتوحات کی ایک

اور وجہ یہ تھی کہ اسکے پاس ایسا جنگی سامان بہ مقدارِ کثیر موجود تھا۔ جو مدتوں کی محنت کے بعد تیار ہوا تھا اور جس کے استعمال کے لئے فوج کو خاص طور پر انہوں نے تربیت دی تھی۔ ہٹلر نے یہ مثال قائم کر دی تھی کہ فاتح قوم مفتوحہ علاقہ کے ملکوں کے اقتصادی نظام کو اپنے اقتصادی نظام کا حصہ بنا سکتی ہے۔ جاپان نے یہ طریقہ چین میں برتنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ چین کا اقتصادی نظام سرے سے بہت خراب تھا۔ مانچوریا کوانٹنگ اور چین کے مقبوضہ علاقے میں جاپانی مال زیادہ بھیجتے تھے اور وہاں سے برآمد کم ہوئی تھی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جاپان کو ملایا اور ڈچ ایسٹ انڈیز کے مفتوحہ علاقوں سے ربڑ اور تیل فلپائین سے سن۔ لوہا۔ منگانیز اور قرم اور برما سے چاول اور ولفرم دستیاب ہو رہے ہیں۔ اور اس سے جاپان کو کافی فائدہ ہو رہا ہے۔

ان تمام فائدوں کے باوجود یہ مفتوحہ علاقے جاپان کو سٹیل لوہا۔ کوئلہ، مشینیں اور کاریگر کافی مقدار اور تعداد میں مہیا نہیں کر سکتے اور اپنی جنگی صنعت کو ترقی دینے کے لئے جاپان کو انہی چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نہ صرف اس سے زیادہ بلکہ اس سے بہتر سامانِ جنگ تیار کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں اتحادی قومیں نہایت تیزی سے اپنی فوجی قابلیت اپنی صنعتی اہلیت کے برابر وسیع اور عالمگیر بنا رہے ہیں اور ہم بہ وثوق کہہ سکتے ہیں

ہے کہ جاپانی فتوحات کا دور ختم ہو چکا ہے۔

اب تک جاپانی اپنے بیڑے کو بحری لڑائی سے بچاتے رہے ہیں۔ لیکن سمندری لڑائی سے پہلو تہی کرنے کے سبب اُن کی بری فوج کو مختلف ٹاپوؤں میں تباہی کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ ہمیں اس بات کو نہ بھولنا چاہئیے۔ کہ شانت مہا ساگر کی کُنجی بحری طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ گزشتہ تمام سال میں دور پورب کے محاذ پر جاپانیوں کو ایک بھی فتح نصیب نہیں ہوئی بلکہ پہل بھی اُن کے ہاتھوں سے چھین لی گئی ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ پریزیڈنٹ روزویلٹ نے کہا تھا کہ "ٹوکیو جانے کے لئے کئی راستے ہیں" اور موجودہ اتحادی سکیم یہ ہے کہ جاپانیوں کو جتنی مختلف جگہوں پر ممکن ہو۔ لڑائی پر مجبور کیا جائے ادھر جاپانی اب مدافعتی جنگ پر اُتر آئے ہیں۔

کیا جاپان سچ مچ اپنی ابتدائی فتوحات کے باوجود انجام کار ہار جائے گا۔ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ "یقیناً" مگر کب تک؟ اس "کب تک" کا جواب ذرا تفصیل چاہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر جاپان متحدہ قوموں کے خلاف اکیلا جنگ آزما ہوتا تو وہ کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے وہ ہٹلر کا ساتھی ہے۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ ہٹلر کی شکست کے بعد اس کی باری آئیگی مگر اتحادیوں کے جدید جنگی پروگرام کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جرمنی کی شکست سے پہلے ہی جاپان پر ایک فیصلہ کن حملہ کر دیا جائیگا اور جاپان کا چڑھتا ہوا سورج جلد ہی غروب ہو جائے گا۔

جاپان کے حاکم

(سورج کا بیٹا)

جاپان کا شہنشاہ بھی عام آدمیوں کی طرح کا ایک انسان ہے۔ وہ کھاتا پیتا ہے۔ سوتا ہے اور ہم سب کی طرح انسانی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے والدین کا بیٹا اور اپنے بچوں کا باپ ہے۔ اور ایک نہ ایک دن عام جانداروں کی طرح مر بھی جائے گا۔ (جان گنتھر انسائڈ ایشیا میں)

جاپان کا آئینی حاکم شہنشاہ ہیروہیٹو (Hirohito) ہے جو جاپان کا ایکسو چوبیسواں شہنشاہ ہے۔ اِس شاہی نسل کا سلسلہ برابر چلا آرہا ہے۔ کبھی ٹوٹا نہیں۔ وہ ۲۹ اپریل ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوا اور ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی پر ہر شہنشاہ ایک علامتی نام اختیار کرتا ہے۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ موجودہ شہنشاہ نے اپنا نام "شوا" انتخاب کیا جس کے معنی ہیں "جلوہ کار امن" سبحان اللہ! نام ملاحظہ ہو اور ان کے عہد کی خون ریزیوں پر بھی نظر کیجیے۔ غالبًا اسی نام کے ادب کے خیال سے جاپانی جنگِ چین کو چینی حادثہ ہی کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جاپانی کبھی اپنے شہنشاہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ گناہ ہے وہ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔ وہ اُس سُورج دیوتا کی اولاد ہے جس نے

دنیا کو پیدا کیا۔ جاپانی اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔ سچ بھی تو ہے چمکتے سورج کی طرف دیکھنے سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

ہیروہٹو پوپ بھی ہے اور شہنشاہ بھی۔ وہ ریاست کا مذہبی اور سیاسی سردار ہے۔ اُس کی رعایا اُسے عزت اور ادب کی نظر سے دیکھتی اور اس سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ پہلا جاپانی شہنشاہ ہے جس نے اپنے ملک سے باہر سفر کیا ہے۔ اِس آسمان کے بیٹے کو دنیاوی باتوں کی کوئی فکر نہیں۔ اِس کی بحری اور بری فوجیں جو سوائے اسکے اور کسی کا حکم نہیں مانتیں۔ خود بخود سمجھ جاتی ہیں کہ "اعلٰے حضرت" کیا چاہتے ہیں۔ شہنشاہ کا خیال ہے کہ اگر بحری اور بری فوجوں سے کام نہ لیا جائے تو ان کا رکھنا بھی فضول ہے۔

شہنشاہ بہت ضدی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں سے کئی برس برابر دعا مانگتا رہا کہ مجھے ایک لڑکا بخشو جو تخت کا وارث ہو سکے۔ چار مرتبہ تو دیوتاؤں کے کان پر جوں نہ رینگی اور لڑکیاں ہی بخشتے رہے مگر پانچویں بار کہیں جا کر وارث تخت پیدا ہوا۔ شہنشاہ چھ بجے صبح اُٹھتا ہے۔ اپنی حجامت خود بناتا ہے۔ کسی کی مدد کے بغیر بیچارہ لباس تبدیل کر لیتا ہے۔ سیدھا سادھا آدمی ہے اور پھل۔ کافی۔ آدٹ میل۔ ٹوسٹ۔ انڈے اور گوشت کا ناشتہ کرتا ہے۔ اخبار بینی کا بے حد مشتاق ہے۔ دن بھر میز پر بیٹھا سر کھپاتا رہتا ہے۔ کھیل کود سے بھی دلچسپی رکھنا

ہے۔ اُسے کشتی۔ اور بیس بال سے بہت لگاؤ ہے۔ لیکن تیرنے کا تو اُسے جنون ہے۔ عام جاپانیوں کی طرح وہ سینگھوں کے فریم کا چشمہ لگاتا ہے اور آلو اور مچھلی بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ شراب نہیں پیتا اور تمباکو نوشی بھی نہیں کرتا۔ بس ایک ہی عیب ہے اس میں کہ وہ شعر کہتا ہے

فریب کاری سے جاپان نے پہلے برطانوی اور امریکن مقبوضات پر اچانک حملے کئے اور اُس کے بعد شہنشاہ شوا نے ایک نئی جنگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔

ہم آسمان کے فیض رحمت سے شہنشاہ جاپان۔ ایک ایسی نسل سے جو قرون بے کران سے مسلسل چلی آتی ہے اپنے تخت سے اپنی فرمانبردار اور بہادر رعایا کو مطلع کرتے ہیں کہ ہم ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور برطانوی امپریلزم کیخلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں...... تمام قوم متحدہ قوتِ ارادی کے ساتھ اپنی پوری طاقت عمل میں لائیگی تاکہ تکمیلِ ارادہ میں کسی طرح کی کمی رہ جانے کا امکان باقی نہ رہے۔

جاپانی فوج

اگر تم کسی جاپانی سے پوچھو کہ جاپانی حکومت کون چلاتا ہے تو وہ جواب دے گا "کہ میں نہیں جانتا" شاید وہ ایک آدھ آدمی کا نام بھی لے دے مگر اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ کوئی ایک آدمی جاپان کا ڈکٹیٹر ہے بات یہ ہے کہ جاپان میں اجتماعی ڈکٹیٹرشپ

ہے۔ جس میں آدھی درجن کے قریب آدمی شامل ہیں۔ آج کل جاپان کی حکومت پر فوجی افسران کا قبضہ ہے۔ گذشتہ بارہ برس سے فوجی تسلط اتنا مکمل اور جارحانہ رہا ہے کہ اسے ایک ڈیموکریٹک ملک کی غالب پارٹی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ موجودہ صورت میں جاپان کو کسی نازی یا فاسسٹ پارٹی کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جاپانی فوج پہلے ہی انہیں تصورات اور خیالات کی حامی ہے۔ جو ہٹلر اور میسولینی نے اپنے ممالک میں رائج کئے ہیں۔ نوے فیصدی نوجوان جاپانی فوج کے زیر اثر ہیں۔ فوج ہی چودہ برس سے اوپر کے نوجوانوں کی قواعد کی ذمہ وار ہے۔ وہی نوجوانوں کی انجمنوں کی نگرانی کرتی ہے۔ وہی شہنشاہ کی آڑ میں ملک پر حکومت کرتی ہے۔

جاپانی بحری فوج بری فوج سے مختلف ہے۔ بری فوج کا نقطہ نظر کاشتکارانہ ہے اور بحری فوج کا تاجرانہ۔ بری فوج کو نئے نئے تجربے کرنے کا بہت شوق ہے۔ مگر بحری فوج امیرانہ شان و شوکت کو پسند کرتی ہے۔ بری فوج کی ایک اعلےٰ کمیٹی امپیریل ہیڈ کوارٹر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نومبر ۱۹۳۷ء میں قائم کی گئی تھی ــــ تاکہ شہنشاہ کو احکام عالیہ کے اجرا اور بری و بحری افواج کے مل جل کر کام کرنیکے بارے میں مشورہ دے۔ اس تنظیم کے بعد اس کمیٹی نے ملک کے کاموں میں جس طرح مداخلت کی اس سے قدامت پسند اور اعتدال پسند

حلقوں میں بہت سے شبہات پیدا ہو گئے۔ آخر امپریل ہیڈکوارٹر کو ایک معافی نامہ شائع کرنا پڑا اور اسنے ۱/۲ ۲ سال تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔ مگر ہٹلر کے اعلانِ جنگ کے بعد امپریل ہیڈکوارٹر پھر حرکت میں آیا۔ بلکہ اس کی وقعت بڑھ گئی۔ اور شہزادہ کونوئے بھی اس میں شامل ہو گیا۔ تب سے یہی ہیڈکوارٹر ملک کا اصلی حکمران ہے۔

جنرل ہڈیکی ٹوجو

فوج کی بڑھتی ہوئی طاقت کا اظہار یوں ہوا۔ کہ جرنیل ہڈیکی ٹوجو ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں وزیر اعظم مقرر ہو گئے۔ برسوں سے کوئی فوجی افسر (جو جنگی فہرست (Active List) پر ہو) اس عہدے پر مامور نہ ہوا تھا جب ایک ہی شخص نے وزیر اعظم۔ وزیر فوج اور ہوم منسٹر کے عہدے سنبھالے تو ہر شخص کو یہ خیال ہوا کہ بدیشی معاملات میں کوئی نئی بات رونما ہونے والی ہے۔ اپنے نکیلے پن اور تیز کاری کے سبب ہڈیکی ٹوجو کا عرفی نام اُسترا پڑ گیا ہے۔ وہ ۱۸۸۴ء میں علاقہ اِداٹ میں لیفٹنٹ ہڈونیری ٹوجو کے ہاں پیدا ہوا۔ یہ وہی ہڈنیری ٹوجو ہے جس نے گذشتہ روسی جاپانی جنگ میں شہرت حاصل کی تھی۔ ہڈیکی ٹوجو نے ملٹری اکیڈیمی سے ڈگری حاصل کی۔ یہ شروع سے ہی فوج میں تشیوا ٹاگا کی گروہ سے وابستہ چلا آتا ہے پھر اس نے اپنے آپ کو سٹاف کے عہدے کا اہل ثابت کر کے دکھایا اور پہلی

جنگِ عظیم میں جرمنی کی شکست کے بعد برلن میں فوجی اٹاشی کے عہدے پر فائز ہوا۔

مدت تک ٹوجو میز کے کام پر مامور رہا اور رفتہ رفتہ اُس کے سیاسی اقتدار کی خواہش بڑھتی چلی گئی وہ ترقی کے راستے پر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۴ء میں فوجی تحقیقاتی مجلس کا افسر بن گیا۔ ۷ر فروری ۱۹۳۴ء کو اُس نے ایک بیان دیا۔ جس نے اُسے ایک نمایاں حیثیت بخش دی اِس بیان کے خاص طور پر توجہ طلب یہ فقرے ہیں "ریاستہائے متحدہ امریکہ روس اور چین جانتے ہیں کہ نومبر ۱۹۳۵ء میں جاپان بہت سی بین الاقوامی مشکلات میں پھنس جائے گا۔ اس لئے وہ ابھی سے لڑائی کے لئے تیار ہو رہے ہیں"۔ ٹوجو کو تنبیہ کی گئی اور اُس نے اپنی صفائی میں بیان دیا۔ یہ بیان پُر فریب اور گول مول تھا۔ ۱۹۳۷ء میں وہ ٹوکیو فوجی ہیڈ کوارٹر کا کمانڈر بنایا گیا۔ اس منصب پر فائز ہو کر اُس نے عذاب دینے کے طریقے اختیار کر کے اپنے آپ کو جاپان کا ہٹلر ثابت کر دکھایا۔ ٹوکیو میں اِس حیثیت سے جو اُسے کامیابی ہوئی اُس سے لوگ ہیبت زدہ رہنے لگے۔

جب کوان ٹنگ فوج کے لئے (جو مانچوریا ٹوبے کے نام سے مشہور تھی) ایک اعلیٰ پولیس افسر کی ضرورت ہوئی تو ٹوجو کو مانچوریا بھیجا گیا اُس نے وہاں پہنچ کر وہی گیسٹاپو کے طریقے برتے اور وہ فوج کا جن اور ہوّا سمجھا جانے لگا۔ ہر ہوٹل ہر شہر اور قصبے میں اُس کے خفیہ کارندے موجود تھے اور اُسے پل پل کی خبر پہنچاتے تھے۔ اِس ذریعہ سے جو معلومات اُس نے

بہم پہنچائیں وہ چند ماہ بعد جب وہ جنرل یوڈا کے ماتحت کوانٹنگ فوج کا چیف آف سٹاف بنا بہت مفید ثابت ہوئیں۔ دراصل چینی جاپانی جنگ کی اسکیم اس شخص کے دماغ کی پیداوار ہے وہ خود بھی ایک مشینی دستے کی کمان ہاتھ میں لے کر اس جنگ میں شریک ہوا تھا۔

تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ ٹوکیو لوٹا۔ فوج نے اُسے میدانِ جنگ سے زیادہ دفتر میں مفید سمجھا۔ چنانچہ اُسے نائب وزیر جنگ کا عہدہ سپُرد کیا گیا۔ نائب وزیر جنگ کی حیثیت میں اُس نے جاپانی ہوائی بیڑے کو بہت بہتر بنایا۔ صنعت کے کارخانوں کے مالکوں کو سمجھایا بجھایا کہ وہ اور زیادہ ہوائی جہاز بنائیں۔ جاپان کی پہلی چھاتہ فوج تیار کی اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں ٹوجو وزیر جنگ بنا۔ اس منصب پر پہنچ کر وہ نہایت صاف گو اور زبان دراز ثابت ہوا۔ اُس کے بیانات جاپانی سیاستدانوں کو بھی سراسیمہ اور پریشان کر دیتے تھے۔ اُس نے فوجی ضبط و نظم کو اور بھی کڑا کر دیا، اس پر نگرانی زیادہ سخت کر دی اور سول حکومت اور قومی ہائی کمانڈ میں باہمی ربط پیدا کرنے کے لئے مختلف موقعوں پر کانفرنسیں کیں۔ اس نے سپاہیوں میں پرچار کیا کہ وہ قومی سیاست کے معاملات میں یک زبان ہو جائیں اور جہاں کہیں وہ اپنے کسی کمانڈر کو کسی بات پر راضی نہ کر سکیں تو اس معاملے کو اپنے رجمنٹ کمانڈر کے پاس لے جائیں۔ اگر اُسے بھی نہ منا سکیں تو سیدھے ٹوجو کے پاس چلے آئیں۔

برسوں سے نوجوان فوجی افسر بڈھے جرنیلوں کی اعتدال پسندی کے

ہاتھوں نالاں تھے وہ انہیں ہز ایکسیلنسی نوگڈ (اعلیحضرت نکمے) کہا کرتے تھے۔ ٹوجو نے اُن کے دل ہاتھ میں لینے کے لئے نوجوانوں کو ترقیاں دینی شروع کیں اور عمر وغیرہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ پھر کیا تھا فوجی افسروں میں وہ ہردلعزیز ہو گیا۔ اُس کا سب سے اعلےٰ عہدے پر فائز ہونا چند دن کی بات تھی۔ جب شہزادے کونوئے کی وزارت ، (جس کا اصُول یہ تھا کہ دیکھو تو سہی ہم نے اکتوبر ۱۹۴۱ء میں استعفےٰ دیا۔ تو ٹوجو وزیر اعظم بنا۔ اُس نے بانچوری جتھے کے لوگوں پہ بھروسا کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہماری پالیسی یہ ہے "کہ ہم کچھ کرکے دکھائیں گے"۔ آہستہ آہستہ ٹوجو وہ طوفان بپا کرنے میں کامیاب ہوا جو پرل ہاربر کو اپنے زد میں لے آیا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ جاپانی قوم آتشبار گولے کی طرح تیزی اور مضبوطی سے آگے بڑھتی جائے۔ اُسے ڈیموکریسی یا جمہوریت سے بے حد نفرت ہے۔ وہ مدت سے سیاہ اژدہاؤں (Black Dragoons) کی انجمن کا ممبر ہے۔ جس میں تمام قاتل۔ مجرم اور فاسسٹ شامل ہیں مگر ٹوجو کی بیوی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میرا خاوند کمزور دل پر بہت مہربان ہے اُس نے کبھی کسی نوکر کو بُرا بھلا نہیں کہا۔ عادات میں یہ جاپانی ڈکٹیٹر بہت سادہ ہے علی الصبح اٹھتا ہے۔ کم خور ہے۔ ہاں تمباکو بہت زیادہ پیتا ہے۔ کام خوب کرتا ہے اور وطن کا پرستار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وزیر اعظم کی حیثیت سے میں اس چھُرے کا پھل ہوں اور ہتھیار کی آنکھیں ہوں۔ جو اس لڑائی میں استعمال ہوتا ہے۔ تم لوگ اس چھُرے کے دستے اور دماغ ہو۔ تمہاری امداد کے

بغیر چھرے سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

(GENERAL. TOSHIZO-NISHIO)

جرنیل ٹوشیزو نشی او

دُوسری فوجوں کی طرح جاپانی فوج میں بھی پارٹیاں جھگڑے اور سازشیں موجود ہیں۔ مگر ایک افسر جو ان ناچاقیوں کو دبائے رکھتا ہے اور جو خاموش جرنیل کے نام سے موسوم ہے جنرل ٹوشیزو نشی او ہے وہ شروع سے یہی کہتا چلا آیا ہے کہ "مرد مُنہ سے لفظ نکلے تو وہ حُکم ہی ہو" ہٹا کٹا سخت متعصب یہ جرنیل، سب سے خطرناک فوجی افسر ہے اوّل درجہ کا وطن پرست اور جدید فنونِ جنگ کا ماہر ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اُسے کوان ٹنگ کا چیف بنا کر مانچوریا بھیجا گیا۔ جہاں اُس نے اپنے گرد بدنام کوان ٹنگ جتھا بنایا۔ یہ جتھا بہت جلد ایک خود مختار فوجی دستہ بن گیا اور قومی پالیسی کا محرک ہونے لگا۔ ۱۹۳۹ء میں ٹوکیو واپس آیا اور فوجی تعلیم کا انسپکٹر جنرل مقرر ہوا۔ بڑے بڑے تاجروں سے مل کر اُس نے فوجی تجاویز کو پورا کیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں وہ چین میں موجود تمام جاپانی افواج کا اعلےٰ کمانڈر مقرر ہوا اور اس کے بعد مارچ ۱۹۴۱ء میں اعلےٰ جنگی کونسل کا ممبر بنا۔ بڑا چالاک شخص ہے اور اکثر پرانی فوجی روایات کے بدل دینے

کا باعث ہوا ہے اسی نے جاپانی فوج کے لئے نئے موٹر مشینی دستے تجویز کئے تھے۔ مگر ان چند دنوں میں نشی او کا رسوخ کم ہوتا جا رہا ہے اور نوجوان اُسے اتنی بڑی جگہ پر مامور نہیں دیکھنا چاہتے۔ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اسے اسکے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔

نیا نظام اور مشترکہ فارغ البالی

"جاپان کا مدعا یہ ہے کہ وہ ایشیا کے لئے ایک نیا نظام قائم کرے جس میں سب لوگ زندگی اور فارغ البالی میں برابر کے شریک ہوں۔ اور اس اشتراک کی بنا اخلاقی اصول ہوں۔ جاپانی اس نئے نظام میں مرکزی حیثیت سے ہوں گے اور ایشیاء اعظم کی ہر قوم اور ملک کو موزوں جگہ حاصل ہوگی (جنرل ہیڈیکی ٹوجو کی (Gen. Hideki Tojo) ۱۰ فروری ۱۹۴۳ء کی نشر کی ہوئی تقریر میں)

چونکہ اس قسم کے چکنے چپڑے فریب آمیز الفاظ عام جاپانیوں کو آسانی سے دامِ فریب میں لے آتے ہیں۔ اور عام جاپانی انہیں الفاظ کی بنیاد پر اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ اسلئے جاپان کے خودغرض لیڈر اس رنگ کے فریب وہ فقرے گھڑتے رہتے ہیں۔ چنانچہ شہزادہ کونوے (Prince Konoye) نے نومبر ۱۹۳۸ء میں جبکہ وہ وزیر اعظم تھا ایک نیا فقرہ تجویز کیا "ہاکو ھیچو" (HAKKO Ichiu) جس کے معنی ہیں مشرقی ایشیا کا نیا نظام یہ نعرہ جاپانی پالیسی کی بنیاد بن گیا۔ کسی کو ان لفظوں کا پوشیدہ مفہوم معلوم نہیں تھا۔ اس کے لفظی معنی ہیں" عالم کی آٹھوں اطراف ایک چھت کے نیچے" یا تمام عالم ایک کنبہ ہے۔ عملی طور پر اس نعرہ

کے یہ معنی لگا لیے گئے ہیں کہ جاپان دور پورب میں فریب کے دام پھیلا کر ملک گیری کی ہوس کو پورا کرے۔

موجودہ یورپی جنگ نے "ہاکو اچھیو" کے حمائتیوں اور پرچارکوں کے لئے عمل کے دروازے کھول دیئے۔ اس کے اولین حامیوں کو اس قبولیت عام کی خواب میں بھی امید نہ تھی۔ پہلے پہل پرنس کونوے (Prince Konoye) نے اس نعرے کی اس طرح تشریح کی کہ ہمارا مقصد جاپان۔ مانچوکو اور چین کا اقتصادی اتحاد ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اس طرح سے جاپان کسی بڑی جنگ میں اپنی جنگی ضروریات پورا کرنے کے لئے آزاد ہوگا۔ اور اُسے اپنی قومی اور فوجی ضروریات کی بہم رسانی کے لئے اس بلاک سے باہر نہ جانا پڑے گا۔ ۱۹۴۰ء میں وزیر خارجیہ اریٹا (Arita) نے جاپان کے مجوزہ نئے نظام کی ایک اور تفسیر کی اس اعلان کو کبھی کبھی پریذیڈنٹ منرو کے اصول (Monroe Doctrine) سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس میں تجویز کی گئی کہ دنیا کو چند حصوں میں تقسیم کر دیا جانا چاہیئے ہر حصہ ایک خاص قوم کے زیر اثر ہوگا۔ جہاں تک مشرقی ایشیا کا تعلق ہے اسے جاپان کی سرداری تسلیم کرنی ہوگی۔

شروع ہی سے جاپان کے نئے نظام کی تفسیریں من مانی، وقتی، مفید طلب اور لچکدار رہی ہیں۔ جیسے جیسے جاپان کو فائدے اٹھانے کے موقع نصیب ہوتے گئے اس کی تفسیر وسیع تر ہونے کے ساتھ ہی اور بدلتی گئی۔ حتےٰ کہ اس کے معنی جاپانی فوجی حلقوں کی سب سے بڑی ہوس کے

مترادف ہو گئے۔ انہوں نے اس نعرے کو اقتصادی اور سیاسی برتری کا ہتھیار بنا لیا ہے۔ اُن کا نیا نظام اصل میں نیا نظام نہیں بلکہ "ایشیا کی قوموں کے لئے ایک ایسا سبز باغ ہے جس میں موسم بہار کی شادابیوں کی نمائش کے پردے میں قتل و غارت، بربادی اور تباہی، نشہ پرستی، جعلی سکوں اور نوٹوں کا رواج عام، تجارتی اجارہ داریاں اور جاں شکار قحطوں کی وبا کے سوا کچھ بھی نہیں" (جیمز مینگ)

جنگ میں شامل ہونے کے بعد جاپانیوں نے اور بھی کئی نعرے تراشے ہیں۔ "مثلاً" ایشیا ایشیائیوں کیلئے" یہ فتنہ کار برما اور ملایا کو آزاد کرانے کے دعویدار بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم جاپانی تو خدمت خلقِ خدا کے لئے لڑ رہے ہیں ہم تو اہل ایشیا کو مغربی شہنشاہیت کے جوئے سے آزاد کرانے کی خاطر جانیں لڑاتے ہیں۔ فریب کاری کی انتہا ملاحظہ ہو کہ مفتوعہ ملکوں میں جاپانیوں نے "مشترکہ خوشحالی" کے حلقے قائم کر دیئے ہیں۔ جو اصل میں جاپانی اقتصادی نظام کی مرکزی پالیسی کے ماتحت شاخیں ہیں۔ جاپانی کہتے ہیں کہ ہم نے مفتوعہ لوگوں کی سیاسی۔ اقتصادی اور تمدنی ترقی کی ایک نئی بنیاد ڈالنے والی چیز یعنی عظیم تر مشرق بعید کی وزارت قائم کی ہے۔ حالانکہ یہ محض مفتوعہ ملکوں پہ قبضہ قائم رکھنے اور اپنے قبضے کو مضبوط اور استوار کرنے کی ایک مشین ہے

جاپان نے مفتوعہ ملکوں سے کہا کہ تم جاپان سے اتحاد کرو۔ اپنے کارخانوں کو چلاتے رہو مگر تیار شدہ مال جاپان کو دیتے رہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مفتوعہ ملکوں پر پرانا فوجی قبضہ بھی برقرار رکھ چھوڑا ہے۔ اُن ملکوں سے کہا

گیا۔ کہ تم امپیریل جاپانی بحری اور بری افواج کے ساتھ مل کر کام کرو۔ نہ صرف مفتوحہ ملکوں کو سول گورنمنٹ سے محروم رکھا گیا اور اُن سے اقتصادی فوائد حاصل کیئے گئے۔ بلکہ ان کے تمدن اور قومی زبانوں کو تباہ کرنے کی ترکیبیں بھی جاری کی گئیں۔ اُن لوگوں پر جاپانی تمدن اور جاپانی فتوحات کی عظمت کو سمجھنے اور جاپانی فوجی حکومت کے ساتھ مزید تعاون کرنے کا فرض عاید کیا گیا۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نمایشی نعرے فریب کا جال ہیں جو اس مطلب کے لئے بچھایا گیا ہے کہ اس کی آڑ میں وہ دُنیا کو زیر کرنے کا اپنا صد ہا سالہ مقصد پورا کرا سکیں۔

ہمارے مرحوم شاعر ٹیگور ان نعروں کی اصلی غرض وغایت تک پہنچ گئے تھے۔ اسی لئے آپ نے جاپانی شاعر نگوچی (Naguchi) کو صاف لکھ دیا تھا کہ تم اپنے مجوزہ ایشیا کی عمارت انسانی کھوپریوں پر کھڑی کرنا چاہتے ہو .... یہ نیا اصول ("ایشیا ایشیا والوں کے لئے") جو تم وضع کر رہے ہو دراصل سیاسی لوٹ کھسوٹ کا ایک ہتھیار ہے۔ اس کی تہ میں وہی جذبات کام کر رہے ہیں جو اہل مغرب کی "ایک یورپ" کی تجاویز میں پوشیدہ ہیں اور جنھیں میں بالکل پسند نہیں کرتا اور اس اصول کی تہ میں اُن جذبات کا کوئی حصہ نہیں جن کی مدد سے بنی نوع انسان کی بھلائی کیلئے ناموں اور نشانوں کی سرحدوں کو پار کیا جا سکتا ہے۔"

آیئے اب ذرا جاپان کے نامۂ اعمال پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس نے اپنے مفتوحہ ممالک سے کیا سلوک روا رکھا ہے۔ چین

میں اس نئے نظام کو قائم ہوئے چھ سال ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہاں اخراجات دس گنا بڑھ گئے ہیں تمام بدیسی تجارت تباہ ہو چکی ہے۔ چین کے شمال مرکز اور جنوب کے درمیان ساحلی تجارت تباہ ہو چکی ہے مفتوح چین میں جاپانیوں نے تمام صنعت و حرفت پر قبضہ کر لیا ہے انہوں نے چینی زمینداروں کو نکال دیا ہے۔ ریلوے کو اپنا لیا ہے۔ اور دوسرے ذرائع آمد و رفت پر بھی قابض ہو گئے ہیں۔ سونے چاندی سے تبدیل کی جا سکنے والی کرنسی کی بجائے کاغذی سکے چلا دیئے ہیں۔ اور خود وہاں کے اقتصادی لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ چینیوں کو ہر صیغہ تجارت اور ہر پیشہ سے باہر کر دیا ہے۔ جاپانی فوج کے پیچھے پیچھے ہی ہزاروں ساہوکار۔ ڈاکٹر انجنیئر اور صناع آدھمکے اور ملک پر پوری طرح سے چھا گئے۔ مارشل چیانگ کائی شیک (Marshal Chiang Kaishek) کے الفاظ میں "تمدن گاہیں تاریخی دلچسپی اور اہمیت کے مقامات اور اشیائے روزمرہ کے استعمال کی ضروری چیزیں مثلاً کھانا پکانے کے برتن۔ ہل۔ اوزار۔ بلکہ گھروں کی چارپائیاں تک یا تو چھین لی گئیں ہیں یا تباہ کر دی گئیں ہیں۔"

یہی پالیسی جاپان نے دوسرے تازہ مفتوح ممالک میں برتی ہے۔ یہ پالیسی کیا ہے۔ دن دہاڑے لوٹ کھسوٹ اور پکڑ دھکڑ۔ جاپانی سمجھتے ہیں کہ ان جگہوں کو اس طریقے سے آباد کرنا ہمارا دھرم ہے۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں ایک لاکھ جاپانی کنبے سماٹرا میں بسنے کے لئے بھیجے گئے۔ بورنیو میں کان کنوں کی ایک بڑی تعداد بھیجی گئی۔ تا کہ وہ وہاں کی لوہے کی کانوں سے

ہر سال سات لاکھ ٹن لوہا نکالے پیشتر سپاہیوں کو ہر طرح کی سہولت دی گئی کہ وہ فلپائن میں جا کر بسیں۔ جہاں انہیں مفت زمین کاشت کرنے کے لیئے دی جاتی ہے۔ نہ صرف ان علاقوں میں جاپانی جا بسے ہیں۔ بلکہ وہاں کے لوگوں کو جاپانی تمدن کے حلقۂ اثر میں بھی لا رہے ہیں۔ جاپانیوں کے قبضے میں آنے سے پیشتر سنگاپور تجارتی مرکز تھا جہاں بہ مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مگر اب صرف جاپانی زبان ہی بولی جاتی ہے۔ فلپائن میں جاپانی زبان سرکاری زبان قرار دی گئی ہے اور سیام میں بھی اس کے اجرا کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح جاپانی قافلہ لاکھوں آدمیوں کی آزادی۔ اُن کے جذبات۔ اُن کے تمدن۔ اُن کی روایات کو اپنی خودغرضی کے پیوں کے نیچے کچلتا آگے بڑھ رہا ہے۔ جہاں کہیں مفتوحہ ممالک کے لوگ جاپانی تمدنی برتری کے قیام کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں۔ وہاں جاپانی سپاہی سرکاری احکام کی رو سے خوفناک سزائیں دے کر اُن لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔

اقتصادی معاملات میں ان مفتوح ممالک کی قسمت یہ رہی ہے۔ کہ کھاتے پیتے تھے اور اب تباہ ہو گئے ہیں۔ جاپانی اپنی اقتصادی لوٹ مار سے شرماتے بالکل نہیں۔ وزیر بحر شمیڈا (Shimada) نے جاپانی ڈیٹ (Diet) کے سامنے کہا تھا کہ "جاپانی نسل تو راہبر بننے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ وہ نہ صرف جنوبی ممالک کے لیڈر رہیں

بلکہ سارے عظیم مشرقی ایشیا کے ممالک کے کسی ملک پر قبضے کے معنی ہی کیا ہوتے؟ اگر ہم وہاں کے اقتصادی نظام سے فایدہ نہیں اٹھاتے اور اقتصادی معاملات کو اُس ملک کے قبضے میں رہنے دیتے ہیں۔ جاپانی نسل کے مقاصد کے خلاف جو لوگ ہیں اُن کو تباہ کرنے میں ہمیں ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہیئے۔

جاپانیوں نے یہی جابرانہ سلوک مفتوحہ ملکوں سے کیا ہے۔ جاپان نے وہاں کاغذی نوٹ جاری کر دیئے ہیں اور سونا چاندی خود سمیٹ لیا ہے۔ ان ملکوں سے بے انتہا مال برآمد کیا گیا ہے اور کوئی چیز اس کے عوض میں نہیں بھیجی گئی۔ ان ملکوں کی پیداوار کی قیمت میں کاغذی سکہ دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہاں ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں بڑھ گیئں ہیں اور وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی بسر کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ جاپانی منتظموں نے منڈیوں میں نرخ مقرر کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہاں کے لوگوں نے اشیاء کو چھپائے رکھنا اور چوری چوری بیچنا شروع کر دیا اور رشوت کا بازار گرم ہو گیا۔ جاپانی لوٹ کی تفصیل کے لئے کئی کتابیں درکار ہیں۔ قصہ مختصر جاپان نے خود کو تو تمام صنعت و حرفت کا مرکز بنا لیا ہے اور مفتوحہ ممالک کو کچا مال مہیا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ فاتحین کا پیٹ بھرنے کی ذمہ داری مفتوحہ ممالک کے سر پر ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کے عوض وہاں کے لوگ جاپانی صنعتی تیار کردہ اشیا خرید سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان چیزوں کی قیمت نقد روپے کی صورت میں ادا کی جائے۔

اصل میں جاپانیوں کی مشترکہ خوشحالی وہاں مشترکہ بدحالی کی صورت میں رونما ہے۔ مال کے جہازوں کی کمی اور اتحادی تباہ کن حملوں کے باوجود جاپان بڑی بے رحمی و بے حیائی سے مفتوحہ ممالک میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رہا ہے۔ تازہ ترین برطانوی اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت جاپان کے قبضے میں دنیا کی پیداوار حسب ذیل ھے۔ کونین ۹۰ فیصدی۔ سن ۹۰ فیصدی۔ گناہ ۲ فیصدی۔ گری کا تیل ۷۵ فیصدی چائے ۲۵ فیصدی۔ ٹین ۷۵ فیصدی۔ ان فتوحات نے جاپان کے لئے گویا بہشت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ تو کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ "چلو ہر ایک جاپانی کو من مانی لوٹ کھسوٹ کا موقع مل رہا ہے۔ چلو جنوب کی طرف اور اُن علاقوں میں بس کر خوشحالی کی زندگی بسر کرو۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ جاپان کا نیا نظام لوٹ کھسوٹ اور کمزور کی تباہی کا دوسرا نام ہے۔ جاپانی ترقی غلط راستے پر چل کر ہوس کاری اور غارت گری بن چکی ہے۔ جہاں کہیں جاپان پہنچا ہے وُہ خونریزی اور قتل و غارت کا پیمبر بن کر پہنچا ہے۔ اگر دیوتاؤں کی اولاد کے ایسے ہی لچھن ہُوا کرتے ہیں۔ تو اے خدا ہماری یہی دعا ہے۔ کہ ہمیں انسان ہی رہنے دے۔

جاپان کی طاقت

(جنگ کے آغاز میں)

بری فوج ۱۵ سے ۲۰ لاکھ تک - کل جنگ کے قابل تعداد افراد پچاس لاکھ۔
ٹینک رجمنٹیں :- ۱۲- (تین بٹالین - ہر ایک میں ۱۲ ٹینک ہیں) کل ٹینک ۲۰۰۰
توپوں کی تعداد معلوم نہیں لیکن خیال کیا جاتا ہے - کہ جاپانی بری فوج کے پاس بہت تھوڑی توپیں ہیں -

بحری فوج - یکم فروری ۱۹۴۲ء کو بڑی بڑی طاقتوں کی مندرجہ ذیل طاقت تھی (تب سے جاپان بہت سے جہاز کھو چکا ہے)

جہاز کی قسم	برطانیہ	امریکہ	جاپان	اٹلی	جرمنی
جنگی جہاز	۱۴	۱۶	۱۲	۵	۵
طیارہ بردار جہاز	۷	۷	۹	۰	۱
بھاری کروزر	۱۵	۱۸	۱۲	۴	۴
ہلکے "	۵۴	۱۹	۲۲	۱۰	۴
تباہ کن جہاز	۲۴۷	۱۶۰	۱۲۱	۵۰	۲۴
آبدوز کشتیاں	—	۸۷	۵۸	—	—

ہوائی فوج (جنگ کے آغاز میں)

پہلی لائن کے جہاز	بمبار	۲۰۰
	لڑاکے	۴۰۰
	بڑتاتی جہاز	۳۰۰
دوسری لائن کے جہاز		۸۰۰
کل ہوائی فوج		۱۷۰۰
ہوائی جہاز بحری استعمال کے لئے		۲۱۰۰
کل تعداد		۳۸۰۰

(ماخوذ از "سٹیس مین ییر بک" "جاپان کتنا طاقتور ہے" مصنفہ نیول بار برز)

جاپان ایک نظر میں

جاپان کا کل رقبہ۔

جاپان کا کل رقبہ ۷۶۱۱۴۱ مربع میل

جاپانی سلطنت کا رقبہ جس میں جاپان وفاموسلہ کوریا۔ مانچوکو۔ سکھالین اور چند چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں ۲۶۰۶۶۲ مربع میل ہے۔

آبادی۔

(۱) اہل جاپان کی ۷۳۰۰۰۰۰

(۲) جاپانی سلطنت کی آبادی ۹۷،۶۹۷،۵۵۵

جاپان میں ۸۴۱ شہر۔ ۱،۱۵ قصبے۔ اور ۴۱ ۹۵۱ گاؤں ہیں۔ سب سے بڑے شہر تعداد میں چھ ہیں۔ اور ان کی آبادی حسب ذیل ہے۔ ٹوکیو ۶،۵۸۱۱۰۰۔ اوساکا ۲۳۹۴۲۰۰ ناگویا ۱۲۵۴۹۱۰۰۔ کائی ٹو ۱۱۷۲۰۰۔ کوبے ۱۰۰۶۱۰۰ یوکوہاما ۸۶۶۲۰۰۔

موجودہ جاپانی حکمران۔

شہنشاہ ہیروہیٹو۔ تاریخ پیدائش ۲۹ر اپریل سنہ ۱۹۰۱ء تاریخ تخت نشینی ۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

موجودہ جاپانی وزیر اعظم۔

وزیر اعظم جنرل ہڈیکی ٹوجو المعروف بہ "استرا" سن ولادت سنہ ۱۸۸۵ء۔

پنجاب نیشنل پریس لاہور میں باہتمام لالہ رگھناتھ پرنٹر و پبلشر مرکز دہلی و لاہور چھپا۔

فاشزم کیا ہے؟

پیپلز پبلشنگ ہاؤس بمبئی

فاشزم کیا ہی؟

از

رجنی پالمے دت

مترجم

شہاب الدین

پیوپلس پبلشنگ ہاؤس

راج بھون سینڈھرسٹ روڈ بمبئی ۴

قیمت :- بارہ آنے

دیباچہ

یہ کتابچہ رجنی پالمے دت کی انگریزی کتاب "دنیا میں برطانیہ کی حیثیت" (برٹین اِن دی ورلڈ فرنٹ) کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ پالمے دت انگلستان کے بہت بڑے کمیونسٹ عالم ہیں۔ اور بین الاقوامی مسائل پر اُن کی رائے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ذیل کے صفحات میں زیادہ تر فاشزم کی موجودہ مکروہ شکل، اس کے طریقۂ کار اور زمانۂ جنگ میں اس کے دہشت انگیز نظام کے خدوخال کو واضح کیا گیا ہے۔ مصنف کی ایک دوسری کتاب "فاشزم اور سماجی انقلاب" (فاشزم اینڈ سوشل ریوولیوشن (شائع ۱۹۳۴ء) میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے کہ فاشزم کیا ہے، اس کی ابتدا کیسے ہوئی اور کن سیاسی اور سماجی حالات میں اسے یورپ کے مختلف ممالک میں فروغ حاصل ہوا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے قارئین کو بھی اس کا اندازہ ہوگا کہ دنیا کو فاشزم کے خطرے سے سب سے پہلے کمیونسٹوں نے ہی آگاہ کیا اور کمیونسٹوں ہی نے اس کے خلاف دنیا کے اور بالخصوص یورپ کے عوام کا "متحدہ محاذ" قائم کرنے کی کوشش کی۔

آج وہی خطرہ بالکل بے نقاب ہو کر ہمارے وطن کو بھی دھمکی دے رہا ہے اور جاپانی سامراجیت کی شکل میں ہمارے ملک کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ گو یورپ میں اس کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ اور سوویت روس کی جانباز سرخ فوج اس کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہی ہے تاہم بقول مصنف دنیا کی رجعت پسند ترقی دشمن فاشسٹ قوتیں اب بھی اپنے ناپاک ارادوں سے باز نہیں آتی ہیں اور ہمیں متحد ہو کر ساری دنیا سے اس کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ عوام امن اور آزادی کی زندگی

بسر کر سکیں۔

اس لئے فاشزم کے مقاصد، اس کا فلسفہ زندگی اور اس کے کارناموں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ذیل کے صفحات ان ہی امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(مترجم)

۱۔ ہٹلریت کیا ہے؟

اہلِ فکر کی نظروں میں اب فسطائیت ذلیل و خوار ہو چکی ہے اور اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ چکا ہے۔ اس کی بہیمیت اور دست درازیاں، منظم قتل و غارت اور ایذا رسانی، نسلی برتری کا خبط اور قوموں کی بربادی، اس کی مکاری اور فریب، جنگ اور سفاکی اور لوٹ مار کے دیوتاؤں کی پرستش، عوام سے نفرت، عقل سے دشمنی، تہذیب کی تباہی اور ہر شائستہ جذبۂ انسانی کا تمسخر دنیا کا عام تجربہ ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں شاید اس کی نوعیت سے بحث کرنا غیر ضروری خیال کیا جائے۔

لیکن اس کی ضرورت آج بھی باقی ہے۔ کیونکہ اب بھی ہٹلریت یا فاشزم کی نوعیت کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک اہم جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو ہٹلری حکمرانوں اور جرمن عوام میں کوئی امتیاز نہیں کرتی اور اس بنا پر جنگ کی حکمتِ عملی اور مقاصد سے متعلق عجیب و غریب نتیجے اخذ کرتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فاشسٹ نظام کو جنگ سے علیحدہ کر کے دیکھتے ہیں۔ اور اعلانیہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ فاشزم سے انہیں کوئی بیر نہیں۔ فاشزم میں ان کو اچھی باتیں بھی نظر آتی ہیں۔ ان کو افسوس ہے کہ فاشزم کی محض ایک غلط حکمتِ عملی کی وجہ سے جنگ چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں بادلِ ناخواستہ فاشزم کے خلاف لڑنا پڑ رہا ہے۔ کچھ حضرات تو فاشزم اور کمیونزم میں جو کہ اس کی نقیض ہے، مماثلت بھی پیدا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فسطائیوں میں بھی

"اچھے" اور "برے" "انتہا پسند" اور "معتدل" سب طرح کے لوگ ہیں اور پھر جرمن اور اطالوی فاشزم میں بھی تو فرق ہے۔ ان تمام مختلف تاویلات سے جنگ کے طریقۂ کار پر عملی نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ غلط فہمی سے فاشزم کے خلاف لڑنے والوں میں کمزوری آتی ہے۔

ہم جس دشمن سے لڑ رہے ہیں اس کو اچھی طرح جانچنا ہماری کامیابی کی ایک لازمی شرط ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے دشمن جرمنی، اطالیہ یا جاپان کے عوام نہیں بلکہ ان قوموں کے فاشسٹ حکمراں ہیں جنھوں نے اپنی اغراض کے لئے عوام کو جنگ میں گھسیٹا ہے اور جن کی حکومتوں نے ان پر سخت مصائب ڈھائے ہیں۔

جرمن، اطالوی اور جاپانی عوام ہمارے حلیف ہو سکتے ہیں۔ فاشسٹ حکومت کے قیام میں اُن کی مرضی کو دخل نہیں بلکہ یہ حکومت تشدد، دہشت اور فریب کے ذریعے اُن پر مسلط کی گئی ہے۔ صرف ایک ذلیل و پست جماعت، ایک اقلیت ایسی ہے جو اپنی خوشی سے ان مجرم قسطائی حکمرانوں کی شریک کار ہے۔ یہ ٹولی جلادوں، لٹیروں، دہشت انگیزی کے خاص فوجی دستوں اور اونیٰ عہدہ داروں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ فاشسٹ حکمرانوں کی خدمت بجا لاتے اور اس صلہ میں اُن کی لوٹ میں سے کچھ حصہ پاتے ہیں۔ نوجوانوں کا ایک طبقہ جو ابتدا ہی سے فسطائی تربیت میں رہا ہے اور دوسرے حالات سے قطعی ناواقف ہے اب فاشسٹ غنڈوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ لیکن عوام جنھیں روزانہ بے مثال دہشت اور جھوٹ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، ان حکمرانوں کا بلا سوچے سمجھے ساتھ دینے پر مجبور ہیں۔ اس لئے انھیں کسی طرح بھی عملی طور پر ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ قوم کے جانباز مجاہدوں اور ان ملکوں کی تہذیب کے بہترین نمائندوں کی ایک بہادر اقلیت فاشزم کے خلاف برابر لڑتی رہی ہے، جیسے جیسے فاشسٹ دشمن کو جیں فاشزم کے فوجی وقار پر ضرب لگائی جائیں گی اور جوں جوں فاشزم کے تحت رہنے والوں کی زندگی کے مصائب، پردہ پوشی کی ناکام کوششوں کے باوجود، نمایاں ہوتے جائیں گے، اسی طرح فاشزم کی مخالفت بھی بڑھتی جائے گی۔ جب تک عوام الناس ان آقاؤں کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے، جب تک وہ ان حاکموں کے لئے لڑتے رہیں گے اس وقت تک ہمیں برابر بلا کسی امتیاز کے فاشزم کی

جملہ قوتوں کے خلاف لڑنا پڑے گا، کیونکہ یہ قوتیں جس مرضی اور ارادے کی نمائندگی کرتی ہیں وہ فاشسٹ حکمرانوں ہی کی مرضی اور ارادہ ہے۔ یہ قوتیں فاشسٹیت کی فوجیں ہیں۔ لیکن جنگ کے دوران میں بھی ہم ان عوام کو جو اس وقت فاشزم کے تابعدار ہیں اپنا آیندہ حلیف تصور کرتے رہیں گے۔ ہم اُن کو اس مشترکہ جدوجہد میں جلد سے جلد اپنی طرف لانے کی کوشش کریں گے۔

۱۲ر جولائی ۱۹۴۱ء کے برطانوی سوویت معاہدہ میں کہا گیا ہے کہ موجودہ جنگ "ہٹلری جرمنی کے خلاف" لڑی جا رہی ہے۔ اس طرح ایک سرکاری دستاویز میں پہلی دفعہ یہ واضح کیا گیا کہ یہ جنگ جرمن باشندوں کے خلاف نہیں بلکہ ہٹلریت کے خلاف ہے۔ ۲۲ر جون ۱۹۴۱ء میں نازی جرمنی کے سوویت یونین پر حملہ کرنے پر مولوٹوف نے جو اعلان کیا تھا اس میں بھی یہی بتلایا گیا۔

"یہ جنگ ہم پر زبردستی نازل کی گئی ہے۔ لیکن یہ جرمن قوم نے نہیں کیا۔ اور نہ جرمنی کے مزدوروں، کسانوں اور دماغی کام کرنے والوں نے۔ ان کے مصائب کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری جرمنی کے خونخوار فاشسٹ حکمرانوں کی ٹولی پر ہے جس نے فرانس، چیکوسلوویکیہ، پولینڈ اور سربیا کے باشندوں کے علاوہ ناروے، بلجیم، ڈنمارک، ہالینڈ، یونان اور دوسری قوموں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔"

اسی طرح اگست ۱۹۴۱ء کے "منشور اوقیانوس" نے بھی "فتح کر کے فوجی تسلط قائم کرنے کی اس پالیسی کی صراحت کرنے کے بعد جس پر جرمنی کی ہٹلری حکومت اور اس کا ساتھ دینے والی دوسری حکومتیں عمل پیرا ہیں" یہ واضح کر دیا کہ ہماری جدوجہد کا مقصد اس فوجی پالیسی کا کامل طور پر خاتمہ کر کے انسانیت کے لئے آزادی اور امن حاصل کرنا ہے۔

۴ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو سوویت پولش دوستی کے جس اعلان پر اسٹالین اور سکورسکی نے دستخط کئے تھے اس کے ابتدائی فقرے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "وہ جرمن ہٹلری سامراجیت انسانیت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنا ناممکن ہے۔"

چھبیس ریاستوں اور قوموں کے بین الاقوامی میثاق نے جس پر یکم جنوری ۱۹۴۲ء میں دستخط ثبت ہوئے

تھے۔ میثاق ثلاثہ کے ارکان اور اس کے طرفداروں کے خلاف جدوجہد کو "ہٹلریت پر فتح پانے کی جدوجہد" قرار دیا ہے۔

دارالعوام میں ۲۰ جنوری ۱۹۴۲ء میں اس میثاق کی اطلاع دیتے ہوئے چرچل نے بیان کیا کہ "یہ اتحاد "منشور اوقیانوس" کے اصولوں پر قائم ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہٹلریت کی جملہ اشکال و مظاہر کو دنیا کے ہر حصہ سے مٹایا جائے۔"

آخر یہ ہٹلریت ہے کیا جس نے انسانیت کی اتنی بڑی اکثریت کو اپنے خلاف متحد کر دیا ہے؟ ہٹلریت جرمن فاشزم ہے۔ فاشسٹ نظام حکومت کو جنگ سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ فاشزم ایک ایسا جابرانہ نظام ہے جسے ملک کی سب سے زیادہ طاقتور رجعت پسند قوتیں یعنی بڑے بڑے ٹرسٹ، زمیندار اور فوجی طبقے وغیرہ عوام پر مسلط کرتے ہیں۔ جب عوام کی روک تھام کے تمام ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں تو ان کو کچلنے اور دہشت زدہ کر کے ان پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے یہ وجود میں آتا ہے۔ یہ گویا فاشزم کا سب سے پہلا مقصد ہے۔ اس کا دوسرا مقصد غیر ملکوں کو فتح کر کے ساری دنیا پر اپنی فرماں روائی قائم کرنا ہے۔

ہٹلریت بین الاقوامی فاشزم کے لئے ہراول کا کام کرتی ہے۔ ہٹلریت، نازیت ("قومی اشتراکیت") یا فاشزم ایک ہی نظام یا طرز حکومت کے مختلف نام ہیں۔ یہ موجودہ دور کی سب سے زیادہ انتہا پسند، تشدد آمیز اور ظالمانہ قسم کی رجعت پسندی ہے۔ یہ جمہوریت اور ترقی کی دشمن ہے۔ فاشزم کا نام اس کے ابتدائی شارحین نے اس وقت ایجاد کیا جبکہ اسے مسولینی کے تحت اٹلی میں اقتدار حاصل ہوا تھا۔ اس وقت سے یہ اصطلاح عام ہو گئی ہے اور دوسرے ملکوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جرمنی میں ہٹلر کے زیر قیادت فاشزم کے ترجمانوں نے اسے نازیت یا "قومی اشتراکیت" کا لقب دیا۔ ہٹلریت ایک بیانی اصطلاح ہے جو جرمنی کے باہر دوسرے ملکوں میں نازیت یا جرمن فاشزم کو، اور خاص کر اس کے عالمی تسلط کے مقاصد کو ظاہر کرنے کے لئے عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ جب فاشزم نے جرمنی جیسی طاقتور اور جدید ریاست میں اقتدار حاصل کر لیا تو جرمن فاشزم ہی — جس کے اثرات

تمام ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے ـــــ ساری دنیا میں فاشزم کی سب سے زیادہ اہم، طاقتور اور جارحانہ نمائندہ بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہٹلریت کے خلاف جنگ، تمام دنیا کی فاشزم کے ہراول کے خلاف جنگ ہے۔ کیونکہ ہٹلریت موجودہ سماج کی سب سے زیادہ رجعت پسند سماجی قوتوں اور رجحانوں کی نمائندگی کرتی ہے جس کے پیرو کھلے یا پوشیدہ طور پر تمام ملکوں میں مصروف کار ہیں۔

یہ کہنا کہ ہٹلری حکمرانوں اور اُن کے عالمی تسلط کے مقاصد کو تمام جرمن باشندوں کی تائید حاصل ہے، نقصان رساں ہے۔ اس سے ہٹلر کے خلاف ہماری لڑائی کمزور پڑجاتی ہے۔ یہ نقطۂ نظر عالمی تسلط کے لئے ہٹلر کے فوجی اقدام کو جرمنوں کی نسلی خصوصیت قرار دیتا ہے اور اس خیال کے ماننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے جرمنوں میں یہ خصوصیت موجود ہے۔ ان لوگوں کی رائے ہے کہ ہٹلری حکمرانوں کے خلاف جرمن باشندوں سے اپیل کرنا بھی بے سود ہے۔ ان کا مطالبہ تو یہ ہے کہ صلح کی ایسی سخت پالیسی اختیار کرنی چاہیے کہ جرمن اس کے خیال ہی سے خوفزدہ ہوجائیں۔ جرمنوں سے صلح یہی ہے کہ اُن پر تعزیری شرائط عاید کی جائیں اور ایک عرصۂ دراز تک اُن پر فوجی تسلط قائم رہے۔

ظاہر ہے کہ یکطرفہ صلح کے خوف سے جرمن عوام اس حکمت عملی کی مخالفت کریں گے چاہے انہیں ایسی مخالفت ہٹلری حکمرانوں سے مل کر ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہ حکمت عملی دراصل رجعت پسند حلقوں سے پیش کی جاتی ہے جو جرمنی میں عوام کے انقلاب سے ڈر کر یہ چاہتے ہیں کہ فتح کو اور ہٹلر کے جرائم کے خلاف دنیا کے غیظ و غضب کو آیندہ جرمنی کے عوامی دور کے خلاف استعمال کریں اور جرمنی میں اُن قدیم رجعت پسند عناصر کے اقتدار کو قائم رکھیں جس پر پان جرمنیت اور ہٹلریت دونوں کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ یہ قطعی رجعت پسند پالیسی ہے اور ہٹلریت پر بھی فتح حاصل کرنے کے حق میں مضر ہے۔ اس حکمت عملی کا سب سے بڑا ترجمان لارڈ ونسی ٹارٹ جنگ سے پہلے ہٹلر کا مہمان تھا۔ برطانیہ کی اس حکمت عملی کے ابتدائی دور میں جس کی مدد سے ہٹلر نے اپنی فوجی طاقت قائم کی اور معاہدہ ورسائی کی شرائط کو پس پشت ڈال دیا، کئی سال تک لارڈ ونسی ٹارٹ ہی محکمہ خارجہ کا مستقل نائب معتمد رہا۔

لے "ڈیلی میل" کے سٹر وارڈ پرائس نے اپنی کتاب "میں ان ڈکٹیٹروں کو جانتا ہوں" (باقی صفحہ ۱۰ پر)

جو جھوٹی تاریخ اس نقطۂ نظر کی حمایت میں پیش کی جاتی ہے اس کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے اگر بفرضِ محال جرمن باشندے اس پورے بورژوائی دور میں عالمگیر تسلط کے فن کے سب سے بڑے حامی ہیں "جرمن کئی پشتوں سے ساری دنیا پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں" —— لارڈ ونسی ٹارٹ) تو بھی وہ اپنے مقاصد کے حصول میں دوسری قوتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ کم کامیاب رہے ہیں۔ ٹہلریوں کے

بسلسلہ صفحہ (۹) — میں ایک ڈنر پارٹی کا تذکرہ کیا ہے جو ٹہلر نے اولمپک کھیلوں کے زمانے میں برلن میں دی تھی۔

"چانسلر کے داہنے جانب برطانوی امورِ خارجہ کے مستقل نائب معتمد کی بیوی، لیڈی ونسی ٹارٹ بیٹھی ہوئی تھی۔ لارڈ ونسی ٹارٹ اُس وقت برلن آئے ہوئے تھے ......

کھانے کے بعد جب سر روبرٹ ونسی ٹارٹ کمرے کے بیچ میں کھڑے ہوئے چانسلر کے نائب ہرہیس سے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے تو اُن کے سینہ پر لگے ہوئے گرانڈ کراس آف سینٹ میچل اور سینٹ جارج کے ستارے اور تمغے کی چمک دمک کے مقابلہ میں ہرہیس کی خاکی لباس کی بیا بیانہ سادگی کا فرق بہت نمایاں طور پر واضح ہو رہا تھا۔"

لارڈ ونسی ٹارٹ ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۷ تک محکمہ خارجہ کے مستقل نائب معتمد تھے۔ اس زمانے میں برطانیہ کی اسلحہ تیار کرنے والے کارخانے معاہدہ ورسائی کے منشا کے عین خلاف لیکن برطانوی حکومت کی ایما سے جرمنی کو آلاتِ حرب برآمد کرنے میں مشغول تھے۔ جن میں توپیں اور ہوائی جہاز بھی شامل ہیں۔ تخفیفِ اسلحہ سے متعلق معاہدہ ورسائی کی شرائط کو ۱۹۳۵ کے جرمن فوجی قانون کے ذریعہ قطعی طور پر رد کر دیا گیا اور جب اس حرکت پر فرانس کی جانب سے احتجاج ہوا تو برطانیہ نے اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ جرمنی نے ایک اعلان کے ذریعے ہوائی اسلحہ کی تخفیف کی شرائط کو بھی ٹھکرا دیا اور جرمنی ہوائی قوت کی بڑی سرعت سے ترقی شروع کر دی گئی۔ ۱۹۳۵ کے اینگلو جرمن بحری اقرار نامہ کے ذریعہ بحری اسلحہ کی تخفیف کی شرائط بھی منسوخ کر دی گئیں اور جرمنی کو اپنا علیحدہ بیڑا رکھنے کا حق دے دیا گیا۔ ایک خاص شرط کے ذریعے جرمنی کو اس کی بھی اجازت دیدی گئی کہ وہ برطانوی معیار کی سو فیصدی

نسلی نظریہ کی طرح جن کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف "نارڈی جرمن نسل" ہی دنیا کی فرمانروائی کا حق رکھتی ہے ہٹلریت کی یہ نسلی تشخیص بھی انتہائی مہمل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہٹلریت کی نسلی تعبیر جس کی تائید ونسی ٹارٹ اسکول کرتا ہے، ہٹلری فلسفہ کے نسلی نظریہ ہی کی غلامانہ آواز بازگشت ہے۔ گو اس کا مقصد اس نظریہ سے مختلف ہے۔

اتحادِ جرمانیہ کی تحریک ہٹلر کے پروگرام کا صرف ایک جزو ہے۔ ہٹلریت جرمنی میں عوامی انقلاب کے خلاف ایک حربے کے طور پر وجود میں آئی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ شروع شروع میں فوج والوں نے ہٹلر کو سیاسی کام کے لئے تیار کیا تھا۔ اور یہ فوج ریخ (؟) کی اعلیٰ جنرل اسٹاف کے ماتحت تھی جس کا سلسلہ قیصریت کے زمانے سے لے کر جمہوریہ ویمر تک برابر چلا آرہا تھا۔ چنانچہ ہٹلر کو فوجی احکام کے مطابق اُس نام نہاد "جرمن مزدوروں کی پارٹی" میں بھیجا گیا تھا جو بعد میں نازی پارٹی بن گئی۔ تاکہ وہ وہاں رہ کر انقلاب دشمن سیاسی اغراض کی تکمیل کرے۔ واضح رہے کہ پہلے طوفانی دستہ کی تنظیم حکومت کے ایک تنخواہ یافتہ سپاہی نے ہی منظم کی تھی۔ اور نازی پارٹی کے پہلے ترجمان ("عوام کی آواز") کے جاری کرنے کے لئے جو رقم مہیا کی گئی تھی وہ جنرل فان اِپ نے دی تھی جو میونک رائیشور کا افسر کمانڈنگ تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہٹلر اور نازی پارٹی کو وجود میں لانے، اس کی مالی امداد کرنے، اور درجہ بدرجہ اس کو پروان چڑھانے کے ذمہ دار فوج اور پولس کے حکام، بڑے سرمایہ دار، طبقہ امرا اور پُرانی دفتر شاہی کے رجعت پسند عناصر ہیں ــــ اور یہ سب کے سب جمہوریہ ویمر کے انتہائی دشمن اور تحریک اتحادِ جرمانیہ یعنی جرمن

بسلسلہ صفحہ (۱۰) ــــ آبدوز کشتیاں بنالے۔ جب ۱۹۳۶ء میں جرمنی نے رہائن لینڈ پر دوبارہ قبضہ کیا تو ورسائی کی فوجی شرائط کا بھی بالکل خاتمہ ہو گیا۔ غرض جرمن عسکریت کی تعمیر کے خلاف معاہدہ ورسائی کی رو سے جو کچھ پابندیاں عائد کی گئی تھیں وہ سب برطانیہ کی رضامندی سے ناکارہ کر دی گئیں۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب کہ لارڈ ونسی ٹارٹ محکمۂ خارجہ کے مستقل نائب معتمد تھے۔

سامراجی تسلط کے علمبردار رہے ہیں جب ہٹلر عوام کی اکثریت کی رائے کے خلاف، ہنڈن برگ کے آمرانہ طرزِ عمل کی وجہ سے برسرِ اقتدار آیا تو توارث کا یہ سلسلہ ایک خاص شکل اختیار کر گیا۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ ہٹلر، ہملر، گوئرنگ، گوئبلز، ڈالیوج، لی اور دوسرے نازی لیڈر اور ان کا بنایا ہوا وسیع نظام، جرمن سامراجیت کے انتہائی رجعت پسند طبقوں اور جرمن اجارہ داری سرمایہ کا سیاسی حربہ ہیں۔ اس نظام کی سیاسی مشین کو باقاعدہ طور پر منظم کیا گیا ہے۔ اور وہ اپنے اغراض کے لحاظ سے قیصریت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فاشزم ایک ایسا مظہر ہے جس کا ظہور، ترقی کی ایک خاص منزل پر، کم و بیش تمام سرمایہ دار ممالک میں ہوا ہے۔ فاشزم نے اٹلی میں (جرمنی سے پہلے) فرانس، اسپین اور جاپان میں (یہاں ایک خاص فوجی نوعیت کی فسطائیت ہے جو جاپانی جاگیرداری سامراجیت پر مبنی ہے)، مقبوضہ فرانس میں (جرمن فتح کے بعد، لیکن یہاں ایک عرصہ سے فاشسٹ تحریک زور پر تھی اور اس کے حامیوں نے ہی فرانس کی اطاعت کا راستہ ہموار کیا تھا تاکہ اپنی رجعت پسند حکومت قائم کی جائے) اور سلازار کے عہد میں پرتگال میں اقتدار حاصل کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ تحریک چلتی رہی۔ چنانچہ برطانیہ (موسلے) اور ممالک متحدہ امریکہ (ڈے نس، فادر کولین اور روپہلی قمیص "سلور شرٹ" میں بھی یہ نمودار ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ جرمن فاشزم کے زور پکڑنے کے بعد ـــ جو کہ دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور، مکمل، منظم اور جارحانہ فاشسٹ قوت ہے ـــ دوسرے تمام ملکوں کی فاشسٹ تحریک کی حیثیت (فرانکو، پیتاں، مسولینی، میترہم، موسلے وغیرہ) تقریباً جرمن فاشزم کے باجگزار اور اُس کے اثر و نفوذ کے آلہ کار کی سی ہو گئی تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ تحریکات ان ممالک میں اُسی طرح کے مرتے ہوئے رجعت پسند عناصر سے پیدا نہیں ہوئی ہیں۔ چند سال پہلے جب لارڈ روتھرمیر نے موسلے کی حمایت کا اعلان کیا تھا تو اس کا یہ عمل اتحاد جرمانیہ کے احساس پر مبنی نہیں تھا۔

غرض فاشزم کی اہمیت یہی ہے کہ وہ ایک ایسا سیاسی اور سماجی مظہر ہے جس کی جڑیں موجودہ از کار رفتہ سماجی نظام میں پھیلی ہوئی ہیں وہ ایسی کوئی مخصوص نسلی حقیقت نہیں ہے جو صرف کسی ایک

ہی ملک میں ظاہر ہو سکتی ہو۔

اس کے تاریخی اسباب موجود ہیں کہ کیوں فاشزم نے جرمنی جیسے اول درجے کے صنعتی ملک میں سب سے پہلے زور پکڑا۔ ۱۹۳۳ء سے پہلے یہ خیال عام طور پر ظاہر کیا جاتا تھا کہ فاشزم صرف ایک غیر ترقی یافتہ نیم زرعی ملک ہی میں پروان چڑھ سکتی ہے اور کسی اعلیٰ صنعتی ملک میں جہاں مزدور تحریک طاقتور اور منظم ہو، اس کے قدم نہیں جم سکتے۔ اسی وجہ سے "یہاں یہ نہیں ہو سکتا" کا فریب پیدا ہوا۔ اور ۱۹۳۳ء تک جرمنی اور اس کے ہمسایہ ممالک اسی فریب میں مبتلا رہے۔ لیکن جرمنی میں نازیت کی کامیابی نے اس فریب پر ایک کاری ضرب لگائی۔ دگمر بدقسمتی سے یہ آخری ضرب نہیں تھی کیونکہ مئی ۱۹۴۰ء میں عین اس وقت جبکہ پتیاں اور ویگان نے فرانس میں اچانک طور پر اقتدار حاصل کر لیا تھا، فرانسیسی اشتراکیت کے صدر بلم نے بورتی تھ کی مزدور جماعت کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ جو کچھ خطرہ ہے وہ کمیونسٹوں اور دائیں بازو کی طرف سے ہے۔ (انہیں داہنے بازو سے کوئی خطرہ دکھائی نہیں دیتا تھا) جرمنی میں کامیابی کے بعد نازیت ہی تمام قسم کی فاشزم سے ممتاز اور مقتدر ہو گئی۔ اب وہ ایک ایسے دیو ہیکل جانور کا قلب ہے جس کے بیشمار سر ہیں اور جس سے ساری دنیا کو لڑنا ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ جرمنی کا مستقبل یورپ کے اور ساری دنیا کی ترقی کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ گذشتہ جنگ کے بعد بین الاقوامی سیاست کی جملہ الجھنوں میں بہت ہی پیچیدہ اور مہتم بالشان مسئلہ بن گیا ہے۔ جرمنی میں فاشزم کی عارضی کامیابی کے ذمہ دار صرف مقامی اور قومی عناصر ہی نہیں ہیں بلکہ بین الاقوامی عناصر نے بھی اس میں نمایاں اور فیصلہ کن حصہ لیا ہے۔

جرمن سامراجیت کو ۱۹۱۴ – ۱۹۱۸ کی جنگ میں سوا چار سال کی شدید لڑائی کے بعد اس کے دشمنوں کے اعلیٰ اتحاد کی وجہ سے شکست اٹھانی پڑی تھی۔ اس ناکامی کا نتیجہ ایک عوامی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوا جس نے عارضی طور پر قیصر کے دور حکومت کے مقتدر امیروں اور سامراجی قوتوں پر غلبہ پا لیا تھا لیکن یہ عوامی انقلاب اپنی بنیادیں مستحکم نہ کر سکا۔ اسی شکست کا نتیجہ عہد نامہ ورسائی کی صورت میں بھی نمودار ہوا جسے فاتح اقوام نے اپنے حریف جرمن سامراج کو ڈھنے اور اسے نیست کرنے کے لئے تیار کیا تھا

جرمنی کے مسئلے کو نہ تو ۱۹۱۸ء کا ادھورا انقلاب حل کر سکتا تھا اور نہ عہد نامہ ورسائی اس کا علاج تھا۔ برخلاف اس کے نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے تضادات اور بڑھتے گئے۔ صرف جرمن عوام کا حقیقی انقلاب ہی یورپ کے باشندوں کو جرمن عسکریت اور سامراجیت سے نجات دلا سکتا تھا ــــ عوام کا ایسا انقلاب جو فوجی اور دفتری جتھہ کا خاتمہ کرتا، جو امراء، بڑے زمیندار اور سرمایہ داروں کے اثر و اقتدار کو مٹا کر حقیقی جمہوریت کی بنیاد قائم کرتا۔ لیکن ایسے انقلاب کے راستے میں خود جرمنی کی رجعت پسندی جس قدر حائل تھی اسی قدر فاتح اتحادیوں کا رجعت پسند طبقہ ایسے انقلاب کا دشمن تھا۔

نازیت نے شکست خوردہ جرمنی کے بحران اور اینگلو فرنچ رجعت پسندوں کی انقلاب دشمن سازش کے ذریعے فروغ پایا۔ معیشت کی ابتری اور افراط زر کی وجہ سے متوسط طبقہ کے افلاس نے اس کے لئے زمین تیار کر دی۔ اور عالمگیر معاشی بحران کی وجہ سے جس کا سب سے بُرا اثر جرمنی ہی کی معیشت پر پڑا، نازیت کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ نازیت نے ورسائی کی حقیقی شکایتوں سے فائدہ اٹھانے میں زعیمانہ فتنہ انگیزی سے کام لیا اور اس طرح ایک ایسے معاشرہ کے جملہ سماجی اور معاشی مصائب کا ذمہ دار ورسائی کو ٹھہرایا جو اس کے اثرات سے درہم برہم ہو چکا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ عسکریت اور سامراجیت کا طوق پھر سے جرمن عوام کے گلے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جرمنی کی اُن رجعت پسند حکمران قوتوں کو جن کے پاس کوئی تعمیری لائحہ عمل نہیں تھا، جو بلا سوچے سمجھے اپنے داخلی اور خارجی مسائل کا حل تلاش کر رہی تھیں اور اپنے عالمی تسلط کے اغراض کے لئے حریصانہ طور پر ہر ذریعے کو کام میں لانا چاہتی تھیں، نازیت کی شکل میں سب سے زیادہ کارگر حربہ مل گیا۔

چنانچہ ۱۹۳۳ء میں چند خونخوار، دھوکہ باز، پاگل اور گمراہوں کے دستے نے جرمن عوام پر اپنا اقتدار جما لیا۔ اور دنیا پر آفت ڈھانے کی غرض سے جرمنی کو مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا، اور اس طرح جرمنی کو ذلیل کر کے جرمن قوم کی تہذیب و تمدن کی ہر اعلیٰ روایت کو بدنام کر دیا۔

ہٹلریت ایک وحشتناک اور انسانیت سوز ماحصل ہے جس کی ذمہ داری صرف جرمن رجعت پسندی اور جرمن باشندوں کے اُن طبقوں ہی پر عائد نہیں ہوتی جنہوں نے اس کو برسرِ اقتدار لانے میں

حصہ لیا یا اس کا موقعہ دیا بلکہ اس کے ذمہ دار تمام ملکوں کے وہ رجعت پسند بھی ہیں جنھوں نے اس کو طاقتور بنانے میں مدد دی۔ اس کے ذمہ دار وہ لوگ بھی ہیں جو ان رجعت پسندانہ اعمال کو رد کرنے میں ناکام رہے۔ آج تمام ملکوں کے عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جرمن باشندوں کے اتحاد سے اس کا خاتمہ کریں۔

۲۔ فاشسٹ نظام

فاشزم کا مطلب جنگ ہے۔ فاشسٹ نظام کو اس کے جنگی مقاصد سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جرمنی کا نازی انقلاب صرف وہاں کے پرانے نظام کے اندرونی سماجی اور سیاسی بحران کو حل کرنے ہی کی ایک ہیجانی کوشش نہیں تھی بلکہ ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کی پہلی ساعت ہی سے اس نازی انقلاب نے منظم طور پر عالمی تسلط کے لئے جنگ کی تیاری شروع کر دی تھی۔ نازی دور کی تمام کوششیں چاہے وہ براہ راست فوجی دائرہ میں ہوں یا صنعت و پیداوار سے تعلق رکھتی ہوں، ملکی نظم و نسق و تعلیم کے بارے میں ہوں یا آبادی کو فوج میں منتقل کرنے کے معاملہ میں، صرف جنگ کے واحد مقصد کے لئے مرکوز کی گئیں اور کی جا رہی ہیں۔

۱۹۳۶ء میں جرمن جنگی وزارت کے سررشتہ پریس کے صدر میجر جوسٹ نے "نازی انقلاب کی فوجی اہمیت" پر ایک پمفلٹ لکھا تھا جو وزیر جنگ جنرل فان بلومبرگ کے دیباچہ کے ساتھ شائع ہوا۔ اس جنرل نے لکھا تھا کہ پمفلٹ کے "مضامین کے متعلق یہ سمجھنا چاہئیے کہ انھیں سرکاری تائید حاصل ہے" غرض اس سرکاری طور پر مصدقہ پمفلٹ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ نازیت جدید "کلی جنگ" کی ملکی تنظیم کے ضروری خدوخال کی آئینہ دار ہے۔

مصنف نے یہ بتلایا ہے کہ نازی ریاست کی شکل و صورت جدید جنگ کی ضروریات سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ ایسی جنگ جو ریاست کے جملہ اخلاقی، جسمانی اور مادی وسائل کا

مطالبہ کرتی ہے۔ مصنف نے جنگ سے پہلے کی سیاست اور فوجی مصلحتوں کے درمیان جو بے تعلقی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ اسی بے تعلقی کی وجہ سے جنگ کی کُلّی نوعیت نظر انداز کر دی گئی تھی۔ لیکن آج اڈولف ہٹلر مملکت کے صدر، پارٹی کے لیڈر اور مسلح افواج کے اعلیٰ ترین کمانڈر کی حیثیت سے جرمنی کا مالک اور کرتا دھرتا ہے جس کے قبضہ میں اتنا اقتدار ہے کہ اس کی مثال تاریخ میں اس سے پہلے مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ سپاہی اور شہری، فوجی اور غیر فوجی کے تمام مفاد اسی کی ذات میں تحلیل ہو گئے ہیں۔" (ٹائمز کا نامہ نگار برلن۔ ۲۷ رفروری ۱۹۳۶ء)

اسی طرح ۱۹۳۶ء میں مسولینی نے اعلان کیا تھا کہ "اطالوی معیشت کی تنظیم کا خاکہ ایک ہی مقدمہ پر بنا ہے ــــ یعنی اس تیاری پر کہ پوری قوم ایک ٹھوس جنگی نوعیت کی شکل اختیار کرلے۔ یہ تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ جنگ کا آغاز کب اور کس طرح ہوگا لیکن اس کو ماننا پڑے گا کہ قسمت کا چکر تیزی سے گھوم رہا ہے۔ ایسی صنعت جو بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر قوم کی مدافعت میں حصہ لے رہی ہے اور جس نے اپنا سرمایہ باشندوں کے چندوں سے حاصل کیا ہے، اور ایسی صنعت بھی جس نے ترقی کرکے اعلیٰ سرمایہ داری کی شکل اختیار کرلی ہے، بنیادی صنعتوں جیسی بڑی بڑی وحدتوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ ۔ ۔ ۔ ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ان صنعتوں کے لئے نہ تو اتنا وقت ہوگا اور نہ اتنی طاقت کہ وہ خانگی ضرورتوں کے لئے کام کریں۔ انھیں پوری طرح قوم کی مسلح قوتوں کے لئے کام کرنا ہوگا۔"

(سنڈیکیٹوں کی دوسری مجلس میں مسولینی کی تقریر، ۲۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

فاشزم کے داخلی اور خارجی مقاصد کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ فاشزم جو کہ سب سے زیادہ رجعت پسند بڑے اجارہ دار طبقہ کی تشدد آمیز حکومت ہے بیک وقت ایک ایسا نظام بھی ہے جس میں مملکت اور معیشت کی تنظیم جارحانہ جنگ کی غرض سے عمل میں لائی جاتی ہے۔

فاشزم ایک عرصے تک تمام ملکوں کے شریف، با اثر، اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بڑی تعداد کو کامیابی کے ساتھ دھوکہ دیتی رہی۔ اُس نے ایک حد تک ان کی تائید بھی حاصل کرلی۔ یہ لوگ

فاشزم کے اس دعوی سے گمراہ ہو کر کہ وہ انھیں کمیونزم یا جمہوری ترقی کے سیلاب سے بچاتی ہے، اُس کے حامی بن گئے۔ اور انھوں نے اس کے جرائم کو درگزر کر کے اس کی مفروضہ خوبیوں کے گیت گانے شروع کر دئے۔ سیاست داں، سرمایہ دار اور اسلحہ کے تاجر فاشزم کو اُن ذرائع کے فراہم کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے جنھیں بعد میں خود ان کے ہم وطنوں کے خلاف استعمال کیا جانے والا تھا۔ فاشسٹوں کی ذلیل حرکتوں پر سرکاری پریس نے پردہ ڈال دیا۔ حراستی کیمپوں کے متعلق قونصلی رپورٹوں کو جو اس زمانہ میں سرکاری الماریوں میں رکھی رہتی تھیں، جنگ چھڑنے تک منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ "پروفیسر میلوک" جیسے نازی فلموں کی اشاعت روک دی گئی۔ سرمایہ دار پریس کے مالک اور سیاست داں، پروفیسر اور اخبار نویس، اِن خونخوار ڈاکوؤں کے مہمان یا دوست کی حیثیت سے نازی جلسوں اور اُن کی نجی محفلوں میں برابر شریک ہوتے رہے اور انگلستان میں ان کے قدم بہ قدم ان ڈاکوؤں کے ایجنٹوں کی مے فیر[1] اور لندن کی پارٹیوں میں بڑی آؤ بھگت کی جاتی تھی۔ ان رنگ رلیوں میں مذہب کو بھی گھسیٹا گیا۔ قوم پرستی، صوفیت اور "اخلاقی اسلحہ سازی" اور ادنیٰ قسم کی امن پسندی نے بھی اپنا حصہ ادا کیا۔ ان دولت مند سرمایہ داروں کی اکثریت کا ابھی تک پبلک زندگی پر اثر باقی تھا۔ ان میں سے بعض کی تو اب آنکھیں کھل چکی ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنھیں خاموشی ہی میں مصلحت دکھائی دیتی ہے یا پھر وہ پبلک میں ایک دوسرا ہی راگ الاپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن وہ اب بھی با اثر ہیں۔ زندگی کے متعلق اُن کے بنیادی تصورات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ ان کا نقطۂ نظر اب بھی وہی ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہ موقع پا کر پھر اس چیز کو چاٹنے کی کوشش کریں گے جسے انھوں نے اُگلا ہے اور موقع پا کر مکاری سے اپنے پُرانے ناپاک مقاصد کا دوبارہ احیاء کریں گے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ سارے فاشسٹ نظام کو بنیادی طور پر عریاں کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ آج کل عام طور پر عوام کے خیالات سے فاشزم کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے۔

---

[1] لندن کا ایک محلہ جہاں امرا اور سرمایہ دار رہتے ہیں۔

اس نظام کو سمجھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ تمام ملکوں کے مزدوروں کے بعض حصے اور متوسط طبقہ کے جمہوریت پسند افراد فاشزم کی معاشی اور سماجی تنظیم کی بظاہر چمک دمک کے فریب میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے اشتراکیت کو ہٹلر کی "قومی اشتراکیت" سے خلط ملط کر دیا ہے اور اس طرح وہ پروپگنڈے کے مکر اور حقیقت کے امتیاز کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

اشتراکیت منظم مزدور طبقہ کی تحریک کا نصب العین ہے۔ اُسے تمام ملکوں کی کثیر رائے عامہ اپنے مسائل جنگ، افلاس اور پرانی طبقاتی سماج کے جملہ نقائص کا حل سمجھتی ہے۔ اس میں اور "قومی اشتراکیت" یا فاشزم میں کوئی بات بھی مشترک نہیں ہے۔

اشتراکیت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کے ذریعہ طبقوں کو مٹانا چاہتی ہے اور ان وسائل کو پوری سوسائٹی کے فائدہ کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ مکمل جمہوریت کے حالات اسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ اُس محدود حکمراں طبقے کی مشترکہ اجارہ داری ختم ہو جائے جو ریاست پر قابض ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں وہ بندھن ٹوٹتے ہیں جو ان جمہوری حقوق کو کارگر اور موثر ہونے سے روک رہے ہیں جنھیں سرمایہ دار جمہوری ملکوں کے عوام اپنی مزید ترقی کی ابتدائی منزل کے طور پر پہلے ہی حاصل کر چکے ہیں۔ ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت، جس کی وجہ سے سماج کی محنت و مشقت میں سب برابر کا حصہ لیتے ہیں اور جو سب کو اُن کی محنت کی بنا پر (اور اشتمالی سماج میں ترجیحی اُن کی ضروریات کی بنا پر) اُس کے ثمرات سے مستفید ہونے کا موقع دیتی ہے اُس استحصال کا خاتمہ کر دیتی ہے جو سماج کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ پر روا رکھتا ہے اور اس طرح وہ بنیاد قائم کرتی ہے جو عالمگیر آزادی اور مساوی شہریت اور حقیقی آزادی کے لئے ناگزیر ہے۔

اس کے برخلاف فاشزم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہ جبر طبقاتی نظام کو باقی رکھنا چاہتی ہے۔ وہ اس فرق کو مٹانا نہیں چاہتی جو بڑے اجارہ داری جتھوں اور عوام کی کثیر آبادی کے درمیان پیدا ہو گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُس نے عوام کو جملہ حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اُن حقوق سے

بھی جو سرمایہ دار جمہوری ملکوں میں عوام نے لڑکر حاصل کئے ہیں۔ اجارہ کی اسی طاقت نے ریاست کے زیر سایہ، غلام آبادی پر اپنا تسلط آئینی طور پر قائم کر لیا ہے اور اس کے جواز میں نظریاتی دلائل اور خوف و دہشت کے تمام حربوں سے کام لیا جاتا ہے، یہی فاشزم کا نچوڑ ہے۔ اور اسی سے تمام دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں مثلاً جمہوریت کا خاتمہ، تہذیب و آزادی کی بیخ کنی، منظم بربریت، اور درندگی، دنیا پر تسلط اور تسخیر کی کوشش۔

ہٹلر نے "قومی اشتراکیت" یا فاشزم کی اصلیت کو یہ کہہ کر بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ "ہم ایک ایسا نیا چنا ہوا حکمراں طبقہ چاہتے ہیں جو یہ محسوس کرتا ہو کہ اپنی نسلی برتری کی بنا پر اُس کو حکومت کرنے اور عوام الناس پر نہایت ہی بے دردی اور سنگ دلی کے ساتھ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے جملہ ذرائع استعمال کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔" ("قومی اشتراکیت کی تاریخ" کونرڈ ہیڈن)

گوئبلز نے اپنے کتابچہ "پروشیا کو پھر پروشیا بننا چاہئے" میں یہی بات بالکل کھلے طور پر بیان کی ہے۔ "اشتراکیت پروشیائیت (پریخور سسنتر) ہے۔ 'پروشیائیت' کا تصور اس تصور سے بالکل ہم آہنگ ہے جسے ہم اشتراکیت سے موسوم کرتے ہیں۔"

مشرقی پروشیا میں تقریر کرتے ہوئے گوئبلز نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہماری اشتراکیت وہ ہے جس نے پروشیا کے بادشاہوں میں روح پھونکی تھی اور جس کی جھلک پروشیا کی شاہی رجمنٹ کی پیش قدمی میں دکھائی دیتی تھی۔ یہی فرض کی اشتراکیت تھی۔"

اسی طرح بڑے سرمایہ داروں کی نمائندگی کرتے ہوئے جرمنی کی بھاری صنعتوں کے نمائندہ اخبار ("رسالہ جرمن معدنیات — ڈوئچے برگ ورک سائیٹونگ") نے اگست ۱۹۳۳ء میں لکھا تھا کہ "اشتراکیت کا لفظ ایسا تھا کہ اکثر سرمایہ دار ایک عرصہ تک ہٹلری تحریک کا ساتھ دینے سے ہچکچا رہے تھے۔ ... لیکن آج یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایسا سمجھنا بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی تھا۔ قومی اشتراکیت کے پرچارے بڑھ کر خود ہی حکومت کی ہر گرمیوں نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ قومی رائش کے نزدیک اشتراکیت کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے جو مارکسیت کے نزدیک

ہے۔" (۱۳ اگست ۱۹۳۳ء)

اس لئے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ بڑے بڑے سرمایہ دار، جاگیردار، ساہوکار، لوہے کی صنعتوں کے مالک، اور خاندان ہونہزولرن کے شہزادوں کو جیسے ہی اس "اشتراکی" پروگرام کا اصل منشا سمجھ میں آگیا، اُنھوں نے اس کے رنگ لا اپنے شروع کردئے۔ یہ بات ۱۹۲۴ء میں ہٹلر، دلیوڈنڈورف کے مقدمہ اور بویریا کی تحقیقاتی کمیٹی میں واضح ہو چکی تھی کہ بڑی بڑی صنعتیں ہٹلر کو مالی امداد دے رہی تھیں اور اُس کی پشت پناہی کر رہی تھیں نیز بیان کیا جاتا ہے کہ ہٹلر کے بیرونی حامیوں میں ڈیٹرڈنگ، کروگر، اور فورڈ بھی شامل تھے۔ پال فورے نے ۱۱ فروری ۱۹۳۲ء میں فرانس کے ایوان نائبین میں یہ انکشاف کیا کہ نازیوں کی مالی امداد کرنے والے بیرونی افراد میں اسکوڈا کی اسلحہ ساز فرم کے (جو شنیڈر اور کریوساٹ کے تحت تھی) ڈائرکٹر بھی شامل ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں کوئلہ کے مالکوں کی انجمن کا بانی اور اسٹیل ٹرسٹ کا اعزازی صدر کیرڈ نٹ نازی پارٹی میں شریک ہوگیا اور ۱۹۳۱ء میں کوئلہ کے مالکوں کی انجمن نے یہ قرارداد منظور کی کہ ہر ٹن کوئلہ پر چھ آنے نازی فنڈ میں دئے جائیں اور اس غرض سے کوئلہ کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا۔ ۱۹۳۳ء تو یہ اعداد انتہا کو پہونچ گئے جبکہ اگست ۱۹۳۲ء کے صدارتی انتخاب کے لئے صرف اسٹیل ٹرسٹ نے چند ہی دنوں میں نازی فنڈ کے لئے بیس لاکھ روپے جمع کرائے تھے۔

بڑے بڑے ٹرسٹوں کی قوت واثر کو "جدید جرمنی" میں آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ نازی حکومت کے تحت جو "اعلیٰ معاشی کونسل" قائم کی گئی تھی اس میں حسب ذیل ممتاز ہستیاں شریک تھیں۔

ہر کرپ فان بوہلن۔ حربی صنعت کا بادشاہ۔ خانگی دولت نو کروڑ روپے، نیابتی سرمایہ بائیس کروڑ پچاس لاکھ روپے۔

ہر فرٹز تھائی سن۔ لوہے کی صنعت کا بادشاہ۔ خانگی دولت ۹ لاکھ روپے، جرمن اسٹیل ٹرسٹ کا سرمایہ سودی، دو ارب دس کروڑ روپے۔

ہر ایف۔ سی فان سمنس۔ برقیات کا بادشاہ، خانگی دولت ساڑھے نوے لاکھ روپے،
نیابتی سرمایہ اٹھارہ کروڑ پچہتر لاکھ روپے

پروفیسر کارل بوش۔ رنگوں کے ٹرسٹ کا لکھ پتی، خانگی دولت تیس کروڑ روپے،
نیابتی سرمایہ بیاسی کروڑ پچاس لاکھ روپے

ڈاکٹر اے ووگلر۔ جرمن اسٹیل ٹرسٹ۔ خانگی دولت نو کروڑ روپے۔ نیابتی سرمایہ
دو ارب دس کروڑ روپے۔

ہر اے ڈائمن۔ ڈائرکٹر پوٹاش سنڈیکیٹ۔ نیابتی سرمایہ پندرہ کروڑ روپے۔

ہر ویشنگر۔ ڈائرکٹر میکمین اسٹیل ورکس۔ سرمایہ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے

ہر فان شروڈر۔ ساہوکار

ہر لے فان فنک۔ ساہوکار

ہر ایف رین ہارٹ۔ ساہوکار

مئی ۱۹۳۶ء میں "نیویارک ٹائمز" کے نامہ نگار برلن نے لکھا تھا کہ "جرمن لکھ پتیوں کی فہرست' جو معاشی بحران کی وجہ سے گھٹ گئی تھی، اب پھر طویل ہوتی جارہی ہے۔"

۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۷ء تک جرمنی میں لکھ پتیوں کی تعداد ۲۶۶ اور کروڑ پتیوں کی ۱۸۰ ہو گئی تھی۔ سڈنی یونیورسٹی کے پروفیسر اسٹیفن۔ ایچ روبرٹس نے اپنی کتاب میں جو نازی دور کے متعلق دستاویزی حیثیت رکھتی ہے، لکھا ہے کہ "ہٹلر نے صنعتی جتھوں کو توڑنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری صنعتوں میں اعلیٰ ٹرسٹوں کا عروج اس کے چار سالہ دور حکومت کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔" (ایس۔ ایچ روبرٹس' مکان جو ہٹلر نے بنایا" ۱۹۳۷ء)

فاشزم کے ان سرمایہ دار حامیوں کے حق میں جو ٹھوس نتائج برآمد ہوئے ان کا اظہار منافع اور تمسکات کی قیمتوں کے اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔ اگر ہم ہٹلری دور کے ان چار سالوں ہی کو پیش نظر رکھیں جو اسلحہ سازی کی دیوانہ وار سرگرمی اور جنگ کی تیاری سے پہلے گزرے ہیں تو

ہمیں معلوم ہوگا کہ پچاس ممتاز جرمن کمپنیوں کا منافع، جن کا سرمایہ حصص دو ارب دس کروڑ مارک[1] تھا ۱۹۳۲ء کے ۱۲۴ ملین مارک کے مقابلہ میں ۱۹۳۷ء میں بڑھ کر اٹھارہ کروڑ اسی لاکھ مارک تک پہنچ گیا اور حصص کا تقسیم شدہ منافع آٹھ کروڑ پچاس لاکھ مارک سے تیرہ کروڑ بیس لاکھ مارک تک پہنچ گیا۔

جرمن صنعتی حصص کی قیمتوں کا سرکاری انڈکس ۱۹۳۲ء میں ۴۰٫۳ (ماہانہ اوسط) کے گرے ہوئے نقطے سے شروع ہو کر ۱۹۳۸ء میں ۸٫۴۸ تک پہونچ گیا اور پھر جنگ کے ساتھ ہی ۱۹۴۰ء میں ۹۸ تک اور نومبر ۱۹۴۱ء میں ۱۱۹ تک بڑھ گیا۔

اٹلی میں صنعتی حصص کا انڈکس ۱۹۳۲ء میں ۶۴٫۴ تھا اور ۱۹۳۶ء میں ۴٫۶۸ تک پہنچ گیا۔ اٹلی کے سب سے بڑے اسلحہ سازی کے ٹرسٹ کا منافع ۱۹۳۵ء کے چھ کروڑ چوہتر لاکھ لیرا[2] کے مقابلے میں ۱۹۳۸ء میں چودہ کروڑ چھیاسی لاکھ ہو گیا۔

جاپان میں صنعتی حصص کا انڈکس ۱۹۳۱ء میں منچوریا کی مہم کے آغاز کے وقت ۶۲٫۲ تھا جو بعد میں اسی سال ۱۳۲٫۹ ہو گیا اور ۱۹۴۲ء میں ۳۷ء۱ تک پہنچ گیا تھا۔

جنگ کی وجہ سے ان منافعوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۳۹ء اور اپریل ۱۹۴۱ء کے درمیان جرمن صنعتی حصص کی قیمت بیس فی صدی بڑھ گئی (عالمگیر معاشی حالت پر مجلس اقوام کا تبصرہ" ۱۹۳۹ — ۱۹۴۱)۔ کرپس کا منافع ۱۹۳۹ء میں ۲۹ کروڑ ۶۰ لاکھ مارک تھا لیکن ۱۹۴۰ء میں ۴۲ کروڑ دس لاکھ مارک سے بھی زیادہ تک پہنچ چکا تھا۔ جرمن اسٹیل ٹرسٹ کا منافع ۱۹۳۹ء میں ۲۲ کروڑ ۲۰ لاکھ تھا اور ۱۹۴۰ء میں ۲۶ کروڑ ۲۰ لاکھ مارک سے بھی زیادہ ہو گیا تھا۔

یہی ہٹلر کے "نظام نو" کا اعجاز ہے۔ اسی کو وہ "قومی اشتراکی برادری" سے موسوم کرتا ہے۔ اور اس کے باوجود فاشسٹ بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس سرمایہ کا

---

[1] ۳ مارک برابر چار روپے۔

[2] ۳ لیرا برابر پانچ روپے۔

تصور حقیر اور ادنیٰ معاشی مسائل سے بہت بالاتر ہے۔

"ریاست کو کسی مبین معاشی تصور سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ معاشی معاملات طے کرنے والوں کا ایسا اجتماع نہیں ہے جس کا مقصد ایک معین مدت میں مخصوص حدود کے اندر معاشی اغراض حاصل کرنا ہو۔ بلکہ وہ تو پوری قوم کی تنظیم ہے جو فطرت اور جذبات کے لحاظ سے ہم آہنگ ہے اور جس کا مقصد اپنی ہی نوع کا فروغ، نگہداشت اور اُس نصب العین کی تکمیل کرنا ہے جسے قدرت نے اُس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ ریاست کا مفہوم اور مقصد بس یہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔" (ہٹلر "میری جدوجہد" انگریزی اڈیشن صفحہ ۷۹)

"ریاست کا تصور، اس کی نوعیت، اس کے فرائض اور مقاصد ہی فاشزم کی بنیاد ہیں۔ فاشزم کے نزدیک ریاست مطلق ہے جس کے مقابلہ میں تمام افراد اور گروہ کی حیثیت محض اضافی ہے۔ ان کا تصور صرف ریاست کے تعلق ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ فاشسٹ ریاست خود اپنا شعور رکھتی ہے۔ اس کا اپنا ارادہ اور انفرادیت ہے۔"

"فاشزم کے نزدیک ریاست کا جو تصور ہے وہ بجائے خود ایک روحانی اور اخلاقی حقیقت ہے۔"

(مسولینی "فاشزم کا سیاسی اور سماجی نظریہ" ۱۹۳۲ء)

"روحانیت" کی یہ آڑ محض امرا، فوجیوں، بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے لٹیرے پن کو چھپانے کی غرض سے ہے جنھوں نے فاشسٹ ڈاکوؤں کو اپنا سرپرست اور محافظ بنا لیا ہے۔ لیکن اس "نظامِ نو" میں مزدوروں اور عوام الناس کی حیثیت کیا ہے؟ مزدوروں کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے فاشزم نے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے جو دھوکے دیئے ہیں اور جن مکاریوں سے کام لیا ہے اُن کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ اطالوی فاشسٹوں کے نعرے تھے۔ بادشاہت کا خاتمہ! جبری بھرتی کا خاتمہ! کلیسائی جائداد کی ضبطی! حرانہ کا خاتمہ! محدود ذمہ دار کمپنیوں اور بنکوں کی موقوفی! ماہرانِ فن اور مزدوروں کے حق میں صنعت و حرفت کی منتقلی! نازی پارٹی نے ۱۹۲۰ء میں پچیس نکات والا جو پروگرام منظور کیا اور جس کو ۱۹۲۶ء کی کانگرس

نے "ناقابل ترمیم" قرار دیا تھا اس میں مختلف النوع امور کے علاوہ حسب ذیل مقاصد بھی شامل تھے (یہاں مقابلہ کی خاطر یہ دیکھنا بھی مناسب ہوگا کہ اُن پر کس حد تک عمل ہوا)

پروگرام	عمل
۱ـ "اقوام کے حق خود ارادیت کی بنیاد پر عظیم تر جرمنی کی تشکیل کی غرض سے تمام جرمنوں کا اتحاد"	یورپ کی بہ جبر تسخیر
۱۱ـ "بے کمائی آمدنی کا خاتمہ۔ سودی غلامی کا مٹانا۔"	۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان ۱۸۰ کروڑپتیوں کا اضافہ
۱۲ـ "جملہ جنگی منافعوں کی ضبطی۔"	۱۹۴۰ء میں کرپس کا منافع ۱۲۴ ملین مارک رہا۔
۱۳ـ "جملہ ٹرسٹوں کو قومی ملکیت قرار دینا۔"	"ہٹلری دور کے ابتدائی چار سالوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ بھاری صنعتوں میں اعلیٰ ٹرسٹوں کا اضافہ ہو گیا۔" (پروفیسر ایس۔ ایچ روبرٹس)
۱۸ـ "سود خوروں اور نفع بازوں کو سزائے موت"	کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور مزدوروں کو منظم کرنے والوں کا قتل عام۔

فاشزم کا اقتدار حاصل ہونے کے بعد بہت جلد مزدوروں نے یہ جان لیا کہ "یہ نظام نو" جنگ بازوں، منافع خوروں اور فاشست لیڈروں کے لئے تو جنت ہے لیکن عوام کے لئے وہ دوزخ سے بدتر ہے جس کا مقصد عوام کو غیر محدود پیمانے پر لوٹنا اور اُنھیں ان کے حقوق سے پوری طرح محروم کرنا ہے۔

فاسسٹ نظام میں مزدور کی حیثیت آئینی طور پر جرمن مزدوروں سے متعلق ضابطے میں

اس طرح بتائی گئی ہے :-

دفعہ ۱:- "کسی کاروباری معاملہ میں، مالک لیڈر کی حیثیت سے اور مزدور اس کے پیرو کی حیثیت سے، اُس کاروبار کی اغراض اور پوری قوم اور ریاست کے مشترکہ فائدہ کے لئے مل کر کام کریں گے"۔

دفعہ ۲:- "کسی کاروبار کے لیڈر اور اس کے پیرؤں کے درمیان معاملات کا، جن کا کاروبار سے تعلق ہو تمام فیصلے لیڈر ہی کرے گا"۔ (مزدوروں کی قومی تنظیم کا قانون - جنوری ۱۹۳۴ء)

ہٹلر کے اقتدار میں آنے کے بعد مزدوروں کی جملہ جماعتوں کو ختم کر دیا گیا اور ان کے فنڈ ضبط کرلئے گئے۔ ان کی جگہ "مزدور محاذ" قائم کیا گیا جو مالکوں اور مزدوروں کو نازی اقتدار کے تحت ایک ہی تنظیم سے منسلک کر دیتا ہے۔ اس محاذ کے عہدہ دار منتخب نہیں کئے جاتے بلکہ انھیں نازی پارٹی نامزد کرتی ہے۔ "مزدور محاذ" کو اُجرت، کام کے گھنٹوں اور مزدوری کے شرائط پر غور کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ مزدور محاذ اپنے دو کروڑ پچیس لاکھ ممبران سے وہ تمام چندہ خود وصول کرلیتا ہے جو مزدور پہلے اپنی جماعتوں کو دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سابقہ مزدور سبھاؤں کا جملہ جمع شدہ سرمایہ بھی اُس نے حاصل کر لیا ہے۔ اس طرح اس کے مالی وسائل نہایت ہی وسیع ہیں۔ صرف ۱۹۳۷ء میں اس کی آمدنی چھتیس کروڑ مارک تھی۔ یہ تمام آمدنی ایک ایسے طریقے کے مطابق جس کی رو سے نازی پارٹی اور مزدور محاذ کا ایک ہی مشترکہ خزانچی ہوتا ہے، نازی پارٹی کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ صرف ایک قلیل مقدار "طاقت بذریعہ مسرت" اور اسی طرح کے "تہذیبی" مقاصد کے لئے صرف کی جاتی ہے۔ مزدور محاذ اپنے ممبران کے لئے بجائے مادی فوائد کے محض "تصوری قدریں" پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کے لیڈر لی نے مارچ ۱۹۳۵ء میں "طاقت بذریعہ مسرت" کے ادارہ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ہم مزدوروں کے لئے مادی آسائشیں نہیں فراہم کر سکتے۔ کیونکہ جرمنی افلاس، انتشار اور پریشانی کی حالت میں رہا ہے۔ مزدوری کی نئی شرح یا اسی قسم کی دوسری چیزوں کا تو سوال ہی نہیں اٹھایا جا سکتا"۔ غرض اس طرح اُس "مادیت" کو مٹانا ضروری سمجھا گیا جس کے تصور کی معیار زندگی بلند کرنے کا مطالبہ کیا جا سکے۔ اور اس کا حل یہ نکالا گیا کہ "مزدوروں کی توجہ قوم کی تصوری قدرں

کی طرف پھیر دی جائے۔"

اسی بنا پر ہٹلر نے ان "فیکٹری کونسلوں" کو بھی بند کر دیا جو انقلاب کی حامل تھیں اور جنھیں صنعتی مزدوروں نے جمہوریہ ڈیمر کے زمانے میں کامیابی کے ساتھ برقرار رکھا تھا۔ اب اُن کی جگہ "خفیہ کمیٹیاں" قائم کی گئیں اور مالکوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ "غیر مشتبہ سیاسی نقطۂ نظر" رکھنے والے مزدوروں کو ان کمیٹیوں کے لئے نامزد کریں۔ اب تک تو خیر مالک بہ ظاہر حسب فہرست کے مزدوروں کے نام چنتا تھا وہ متعلقہ کاروبار کے مزدوروں ہی کی منظور شدہ ہوتی تھی لیکن ۱۹۳۶ء کے بعد یہ ظاہری طریقہ بھی موقوف کر دیا گیا۔ ان خفیہ کمیٹیوں کا کام صرف مشورہ دینا تھا۔

"دوسرے اداروں کی طرح کاروبار میں بھی صرف ایک ہی لیڈر ہو سکتا ہے۔ فیصلے کرنے کا اختیار صرف اسی کو ہے اور صرف وہی معاشی اور سماجی معاملات کا ذمہ دار ہے ...... خفیہ کمیٹیاں محض اس لئے ہیں کہ وہ لیڈر کو فیصلوں کے متعلق مشورہ دیں۔ ان کمیٹیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ فیصلوں کے متعلق لیڈر کی تنہا ذمہ داری میں مداخلت کریں ..... پیروں (مزدوروں) کے مفاد پر کاروباری طبقہ کے مفاد کو ترجیح دینا ضروری ہے جسے کاروبار کی معاشی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔" (براندن برگ کے معاشی ضلع کے مزدور ٹرسٹی کا سرکاری اعلان)

اُجرت اور محنت کی شرائط سے متعلق تمام مسائل کے آخری فیصلہ کا اختیار نازی حکومت کے نامزد ضلع کے آمروں ("مزدور امینوں") کو دے دیا گیا ہے۔ ان "مزدور امینوں" کی نوعیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ کرپ جیسے بڑے سرمایہ دار کو، علاقہ رودہر کا "مزدور امین" مقرر کیا گیا ہے!

ابتدا ہی سے یکساں شرح اُجرت کے اُصول کو، جو پُرانے اجتماعی اقرار ناموں میں تسلیم کیا جا چکا تھا، نظر انداز کر دیا گیا۔ اس کی جگہ یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ ہر کاروبار انفرادی طور پر اپنی صلاحیت کے مطابق جس میں مالکوں کی رائے اوّل اور آخر ہے، اُجرتوں کا تعین کرے۔

"اضلاعی نرخ نامہ کی بجائے مزدوری نرخنامہ کا تعین کرنے سے اس کا امکان زیادہ

ہے کہ چھوٹے اور اوسط درجے کے کاروبار میں مقابلہ کے حالات بہتر ہو جائیں۔۔۔۔۔ اُجرتوں کی پالیسی کے معنے یہ ہوں گے کہ اُجرتیں دینے سے متعلق کسی کاروبار کی صلاحیت، اُجرتوں کے تعین کی تحریک میں ایک فیصلہ کن عنصر کی حیثیت اختیار کرے گی۔ غرض مناسب حالات پیداوار کے تحت کسی کاروبار کو مقابلہ کی قوت کا جو موقع مل جاتا ہے اُس کی تلافی اس طرح میں ہو سکتی ہے۔" (درڈیوڈ فوکس ورٹ ——— ۱۶ فروری ۱۹۲۳ء)

مالک کو اُجرت کے تعین، کام کے اوقات اور مزدوری کی شرائط کے جملہ مسائل میں جو غیر محدود اختیارات دے گئے ہیں (مزدور امینوں کو اُسی وقت طلب کیا جاتا ہے جبکہ مزدوروں کا کوئی جھگڑا ہو جائے ورنہ اُنھیں کاروبار کے معمولی امور میں مداخلت کرنے کا اختیار نہیں ہے) اُن کی تشریح "مزدوری کے مجموعہ قوانین" میں کردی گئی ہے۔ اس ضابطہ کی رو سے مالک کو "قواعد کارخانہ" بنانے کا پورا اختیار دے دیا گیا ہے جن میں حسب ذیل امور بھی شامل ہیں:۔

(۱) روزانہ کام کرنے کے اوقات اور وقفہ کا تعین

(۲) مزدوری کی ادائگی کے اوقات اور اس کی نوعیت کا تعین

(۳) باہمی معاہدہ سے جو کام عارضی طور پر لیا جائے اُس کے اندازہ لگانے کے اصولوں کا تعین

(۴) جرمانوں کی نوعیت، مقدار اور اُن کی وصولی کے قواعد

(۵) اُن اسباب کا تعین جن کی بنا پر کسی مزدور کو بغیر نوٹس کے علیحدہ کردیا جا سکتا ہے جبکہ ایسی علیحدگی موجودہ قوانین کی بنا پر بھی عمل میں نہ لائی جا سکتی ہو۔

(۶) کسی خدمت کو غیر قانونی طور پر چھوڑ دینے کی صورت میں اُس خدمت کے ضبط شدہ معاوضہ کا استعمال جب کہ مذکورہ ضبطی کے احکام کی صراحت قواعد کارخانہ جات، یا خدمت کے اقرارنامہ یا آئینی احکام میں موجود ہو۔

امریکی مبصر پروفیسر آر۔ اے بریڈی نے ان ہی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "مزدوروں اور مالکوں کے درمیان کشمکش کی تلخ تاریخ میں ——— جس میں

ظلم و تشدد بھا وہ زمانہ بھی شامل ہے جو برطانوی فیکٹریوں کے نظام کا ابتدائی زمانہ کہلاتا ہے۔ کبھی کسی بدخو اور سنگدل مالک نے ریاست سے اس سے زیادہ مطالبہ نہ کیا ہوگا"

(آر۔ اے۔ بریڈی "جرمن فاشزم کا ظاہر و باطن" ۱۹۳۶ء)

اطالوی فاشسٹ آرگن لاورو فاشستا نے شاید ہی کوئی رائے اتنی صداقت سے ظاہر کی ہو گی جتنی کہ اُس نے نازیوں کے "مزدور ضابطہ" سے متعلق، جب کہ وہ ۱۹۳۴ء میں پہلی دفعہ نافذ ہوا، ظاہر کی تھی ــــ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اطالوی اور جرمن فاشزم میں اَن بن تھی اور اطالوی فاشسٹ "خود را فضیحت دیگراں را نصیحت" پر عمل پیرا تھے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"جرمن قومی اشتراکیت نے جرمن مزدوروں کے ہاتھ پیر باندھ کر انھیں سرمایہ داری کے حوالے کر دیا ہے۔۔۔۔۔ اُس نے زمانہ وسطیٰ کو بھی مات کر دیا ہے۔۔۔۔ اور جو کچھ مزدوروں نے پچھلے سو سال کی جدوجہد میں حاصل کیا تھا اُس پر پانی پھیر دیا ہے۔"

لوٹ، مکر و فریب، دہشت اور جنگ کے اس فاشسٹ پروگرام کو کیسے عملی جامہ پہنایا گیا؟ یہ محض غنڈہ پن، لفاظی، بداخلاقی، تخویف و دھمکی اور جبر کا نتیجہ ہے جس کی مثال سیاسی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ عوام کو دھوکہ دینے کی چالیں۔ نسلی حقارت اور یہود دشمنی پیدا کرنے والے دماغوں کو گمراہ اور متاثر کرنے کی غرض سے جھوٹے وعدے اور اُن جھوٹے وعدوں کی غیر معمولی نشر و اشاعت۔ نوجوانوں کو بداخلاق بنانا۔ تمام اپنے حامی غنڈوں، بدمعاشوں اور جاسوسوں کو رشوت دینا۔ کمزوروں پر خوف و دہشت بٹھانا اور دلیری سے مخالفت کرنے والوں کو مارنا، ایذا پہنچانا اور قتل کرنا ــــ یہ ہیں فاشزم کے طریقے۔

یہ غلط ہے کہ ہٹلر جرمن عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آیا۔ یہ فسانہ کہ ہٹلر نے جرمن باشندوں کی اکثریت کی تائید سے اقتدار حاصل کیا بالکل خلاف واقعہ اور خالص نازیوں کی من گھڑت ہے۔

جس طرح اٹلی میں مسولینی کو اقتدار حاصل ہوا (جو ایک آرام دہ موٹر میں بیٹھ کر روم میں داخل ہوا تھا) اُسی طرح ہٹلر کو بھی عوام کے خلاف ارباب اقتدار کی کوششوں سے قوت حاصل ہوئی۔ ہٹلر کے

برسرِ اقتدار آنے سے پہلے، نومبر ۱۹۳۲ء کے آخری آزاد انتخابات میں سوشل ڈیموکریٹس اور کمیونسٹوں کی ۲۲۱ نشستوں کے مقابلہ میں نازی پارٹی کو، ۵۸۴ نشستوں کے منجملہ صرف ۱۹۶ نشستیں حاصل ہوئی تھیں۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں بھی، جبکہ ہٹلر برسرِ اقتدار آچکا تھا، جبکہ کمیونسٹ پارٹی کو کچل دیا گیا تھا، جبکہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ اخبارات کو بند کر دیا گیا تھا اور جبکہ دہشت کا دَور دورہ تھا، نازی پارٹی کل ۶۴۷ نشستوں میں سے صرف ۲۸۸ نشستیں حاصل کر سکی تھی۔ یہاں تک کہ جون ۱۹۳۲ء کے صدارتی انتخاب میں بھی ہٹلر کو ایک کروڑ چونتیس لاکھ رایوں کے مقابلہ میں دو کروڑ تین لاکھ رایوں سے شکست اُٹھانی پڑی تھی۔ اس موقع پر ہنڈن برگ کو منتخب کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ہٹلر کو برسرِ اقتدار آنے سے روکے گا۔ لیکن ہنڈن برگ نے اپنے صدارتی اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھاکر دستور کی جمہوریت کو معطل کر دیا۔ اور ہٹلر کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور دیدی اور پارلیمانی اکثریت نہ ہونے کے باوجود اُسے خصوصی احکام کے ذریعہ حکومت کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ غرض اس طرح رجعت پسند امرا، بڑے بڑے سرمایہ دار اور فوجی حکام کی سازش نے جرمنی کو فاشزم کے حوالے کر دیا۔ اور یہ سب کچھ عوام کے جمہوریت پسند نقطۂ نظر کو ٹھکرا کر کیا گیا۔

برسرِ اقتدار آنے کے بعد نازیوں نے جرمن عوام پر اپنا قبضہ رکھنے کے لئے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ انھوں نے "معاشی بحران کو حل کر دیا ہے" اور "بے روزگاری پر فتح" پالی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں عالمگیر معاشی بحران سے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان دنیا کے سب ہی سرمایہ دار ملکوں کو ایک حد تک نجات ملی اور اس میں جرمنی کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ لیکن جرمنی میں نام نہاد "بے روزگاری پر فتح" نے اسلحہ سازی اور فوجی تیاری کے اُس مہیب جنگی پروگرام کو چھپا دیا جس میں جرمن قوم کی تمام قوتوں کو اور اس کے جملہ فنی ساز و سامان کو لگا دیا گیا تھا۔ فوجی اہمیت کی سڑکیں تیار ہو رہی تھیں۔ صنعتیں جنگی مقاصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھیں۔ جبری بھرتی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ نہایت ہی قلیل معاوضہ پر جبری مزدوری کو

رائج کیا جا رہا تھا اور جنگی اغراض کے لیے بہت بڑے مالی اخراجات عائد کئے جا رہے تھے جو سنہ ۱۹۳۷ء ہی میں سالانہ پندرہ ارب روپے تک پہونچ چکے تھے۔

جرمن اسلحہ سازی سنہ ۱۹۳۳ء تا سنہ ۱۹۳۷ء

سال	حکومت کے کل اخراجات	اسلحہ سازی کے اخراجات	اسلحہ سازی کے اخراجات
	کرور رائخش مارک میں		روپیوں میں
سنہ ۱۹۳۳-۳۴ء	۹۷۰	۳۰۰	۳۷۵ کرور
سنہ ۱۹۳۴-۳۵ء	۱۲۲۰	۵۵۰	۶۹۰ کرور
سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء	۱۶۷۰	۱۰۰۰	۱۲۴۵ کرور
سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء	۱۸۸۰	۱۲۶۰	۱۵۰۰ کرور

("دی بنکر"۔ فروری سنہ ۱۹۳۷ء)

سنہ ۱۹۳۳ء اور سنہ ۱۹۳۹ء کے درمیان حکومت کا قرضہ تین گنا ہو گیا تھا۔

اسلحہ سازی کے یہ غیر معمولی مصارف کسی طرح بھی معاشی تضاد کا حل نہیں تھے جیسا کہ نازیوں نے یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔ برخلاف اس کے اس کی وجہ سے ایک اور شدید بحران بھی پیدا ہو رہا تھا۔ اور ایسے بحران سے دوچار ہونے کا نازیوں کے پاس صرف ایک حل تھا۔ یعنی جنگ۔ فروری سنہ ۱۹۳۷ء کا "بنکر" لکھتا ہے کہ "اسلحہ سازی کا پروگرام جیسے جیسے تکمیل پاتا جائے گا جرمن عوام کو بھوک اور بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ جرمنی کو جنگ ہی کے ذریعے نجات ملے گی"۔

۱۹۳۶ء میں رائن لینڈ، سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں اسپین، سنہ ۱۹۳۸ء کے بہار میں آسٹریا، سنہ ۱۹۳۸ء کے خزاں میں زوڈیٹن لینڈ اور سنہ ۱۹۳۹ء بہار میں چیکوسلوواکیہ پر فوجی تسلط کی وجہ سے جرمنی کا قدم جنگ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔

۱۹۳۹ء میں جب نئے معاشی بحران کے آثار نمودار ہونے لگے تو نازی لیڈروں نے اعلان کر دیا کہ اس کا بس حل یہی ہے کہ نئے علاقوں کے حصول کے لئے جنگ کی جائے۔ مزدور محاذ کے لیڈر لی نے ۲۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو بمقام میونک ایک جلسۂ عام میں فرمایا کہ "مزدور ساتھیو! اگر تم اس گنجلک علاقے ہی میں رہو گے تو آپس ہی میں جھگڑے شروع ہو جائیں گے اور مارکس ازم پھر اپنا سر نکالے گی ۔ ۔ ۔ ۔ وقت آچکا ہے۔"

غرض نازیوں کو جرمنی کے سماجی تنظیم سے گریز کرنے کی یہی ایک صورت نظر آرہی تھی کہ نازیت یورپ اور دنیا کو فتح کرنے کا اقدام شروع کر دے۔

۳۔ فاشزم کا فلسفہ

فاشزم، دشمن انسانیت ہے۔ فاشسٹ ریاستی نظام کی اس وسیع تنظیم کے پیچھے، اس کے دہشت پیدا کرنے والے دستوں اور ملٹری فوج کے پیچھے، اس کے نامرد بنانے والے اداروں اور حراستی کیمپوں کے پیچھے، اس کے لرزہ خیز مظالم اور دنیا کو تسلط کی مجنونانہ تجاویز کے پیچھے، تمام انسانیت سے گہری نفرت اور حقارت کا جذبہ کام کر رہا ہے۔

فاشزم کیا ہے؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اس نے اب تک کیا کیا ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ اور کیا کرنا چاہتی ہے؟ یہ سب ایسے مسائل ہیں جن کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہمیں سولی کے تختہ پر بھی، ان سب باتوں کو جاننا اور سمجھنا پڑے گا۔ فاشزم انسانیت کے لئے موت کی دھمکی ہے۔ ایک مرتبہ فاشزم کو بے نقاب اور عریاں دیکھ لینے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ اس کی طرف سے سارے انسانوں کے دلوں میں نفرت اور غصہ کی آگ، بھڑک نہ اُٹھے، اور وہ متحد ہو کر اس شیطانی قوت کو مٹانے کا پختہ عزم نہ کر لیں۔

فاشزم کے تمام طریقے اور عوام، تمدن، عورتوں، بچوں اور نوجوانوں سے اس کا سلوک،

بوڑھوں اور بیماروں سے اس کا برتاؤ نفرت اور حقارت پر مبنی ہے۔

امریکی ماہر تعلیم ڈاکٹر "ویمر" نے اپنی کتاب "تعلیم برائے موت" میں ایک ڈرامائی نظم کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک نازی اسکول میں دس سال سے کم عمر بچوں کو زبانی یاد کرائی جارہی تھی اس نظم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک حقیر مکھی ایک چھوٹے سے شکار کو اپنے چنگل میں پکڑ لیتی ہے اور منت وسماجت کے باوجود اس کو نہیں چھوڑتی۔ نظم کا یہ بند اس طرح ختم ہوتا ہے:۔

"للہ مجھے چھوڑ دیجئے" مغلوب شکار نے کہا
"کیونکہ میں آپ کا انتہائی حقیر دشمن ہوں"
"نہیں"۔ شکاری نے کہا "کبھی نہیں کیونکہ
میں بڑی ہوں اور تم چھوٹے ہو"۔

اس نظم میں آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح مکڑی مکھی کو، چڑیا مکھی کو، شاہین چڑیا کو، لومڑی شاہین کو، کتا لومڑی کو، بھیڑیا کتے کو، اور شکاری بھیڑئیے کو مارتا اور مغلوب کرتا ہے اور کس طرح ہر موقعہ پر فاتح قوی اور طاقتور ہونے کی وجہ سے رحم سے انکار کرتا ہے۔ اُستاد نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ "یہ کش مکش بالکل فطری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیوہرر اپنے بچوں کو طاقتور اور مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ مفتوح اور مغلوب نہیں بلکہ حملہ آور اور فاتح بنیں۔ زندگی اور فطرت صرف طاقتور اور مضبوط ہی کی عزت کرتی ہے۔ جرمنی بھی طاقتور ہوگا فیوہرر اُسے اس قدر قوی اور مستحکم بنادیں گے کہ ساری دنیا میں وہ کسی دشمن پر بھی حملہ کر سکے گا۔"

یہ ہے وہ بیمار نازی فلسفہ، سائنس اور تعلیم کی وہ مسخ شدہ صورت جو انسانی یکجہتی اور بھائی چارہ کے ہر جذبہ کو مٹادینا چاہتی ہے اور اس کی بجائے ظلم وستم، قتل وغارت اور قبضہ وتسلط کی ہوس پیدا کرنا چاہتی ہے۔ فاشزم کا فلسفہ بے رحمی، تباہی اور طاقتور کے کمزور پر تشدد اور ظلم وستم کا فلسفہ ہے۔

"ہماری ریاست سوویت یونین کی طرح سب کے لئے مساوی حقوق کے اصول پر کاربند نہیں ہے۔"

یہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو تقریر کرتے ہوئے ہٹلر نے فخریہ طور پر کہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ للچائی نظروں سے سوویت یونین کے خاتمہ کی خیالی تصویر دیکھ رہا تھا۔ ہٹلر کا یہ طنز بھرا فقرہ زندگی کے دو مختلف تصورات کے فرق کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ اس سے صرف یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فاشزم انسانی اشتراک پر مبنی سماجی نظام کے اُن اصولوں کی منکر ہے جس پر سوویت یونین کی تعمیر ہوئی ہے بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن تمام اصولوں سے بھی انکار کرتی ہے جن کے لئے موجودہ دور میں، انسانی ترقی کی ہر تحریک نے، تین صدیوں کے عظیم الشان جمہوری انقلاب نے، اور انسانیت کے بڑے بڑے مفکر اور رہنماؤں نے جدوجہد کی ہے۔ فاشزم انسانی آزادی اور مساوات کی قائل نہیں ہے۔ وہ انسانی برادری کی منکر ہے۔

عدم مساوات کی تعریف و تشہیر، ظلم و ستم کے تمام حامیوں کی طرح، فاشزم کا بھی موضوع ہے، نازی وزیر زراعت والتر دارے نے ۱۹۳۰ء میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "خون اور مٹی کی جدید اشرافیہ" ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے:-

"سوسائٹی کا نظام عدم مساوات پر مبنی ہے جسے مٹایا نہیں جاسکتا۔ حیات و موت کی طرح اس کو انسان سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ عدم مساوات ریاضی کے کلیات کی طرح اٹل اور ناقابل تغیر ہے۔ وہ ان قوانین کی طرح ابدی ہے جو ہمارے نظام شمسی پر حاوی ہیں۔"

اسی طرح مسولینی اپنے انسائیکلوپیڈیا والے مضمون میں لکھتا ہے "فاشزم نوع انسانی کی غیر متغیر، مفید اور بارآور عدم مساوات کی تائید کرتی ہے۔" عدم مساوات کے مقدس اصول کے نام پر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام حقوق اور مراعات چند مخصوص چیدہ اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ـــــ یعنی فاشسٹ لیڈروں، اور اُن کے سرپرست، رجعت پسند جنگ بازوں، بڑے زمینداروں اور لکھ پتیوں کے ہاتھ میں رہنے چاہئیں۔

ان چند مخصوص لوگوں کے سوا، فاشزم کے نزدیک بقیہ تمام انسان ایک غول کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ وہ بولنے والے جانور ہیں۔ جن کی جسمانی حالت کی اُسی طرح اور اُسی حد تک دیکھ بھال

ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض بجا لا سکیں، ان کا کام یہی ہے کہ وہ اُن مخصوص اور ممتاز اشخاص کے لئے جن سے قوم عبارت ہوتی ہے، اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ فاشزم کا اصول حکمراں طبقہ کا اصول ہے ــــ یہ اُس طبقہ کا اصول ہے جو سمجھتا ہے کہ اُسے حکمرانی کا حق ہے، جو بغیر کسی رحم اور اخلاقی ندامت کے، انسانوں کے اس غول سے اپنے حق فرمانروائی کو منوانا اور اس پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتا ہے۔ ہٹلر کا جو بیان ہم نے اوپر نقل کیا ہے اُس کا مفہوم یہی ہے کہ "ہم ایک ایسا چُنا ہوا حکمراں طبقہ چاہتے ہیں جو یہ محسوس کرتا ہو کہ اپنی نسلی برتری کی بنا پر اُسے حکومت کرنے اور عوام الناس پر نہایت ہی سنگدلی سے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے "جملہ ذرائع" استعمال کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

"جملہ ذرائع" کے الفاظ معنی خیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ عوام کے سب طبقوں کو پوری طرح مغلوب نہیں کیا جا سکتا اس لئے دہشت اور استبداد کے تمام طریقے ضروری اور جائز حربے ہیں جنھیں اپنے دشمنوں کے خلاف اسی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے جیسے جانوروں کے لئے کوڑا استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ وسیع پیمانے پر ایذا رسانی اور حراستی کیمپ، ربر کے ہنٹر اور ارنڈی کا تیل، مار پیٹ اور قتل عام فاشزم کے چہرے کے بدنما داغ نہیں ہیں (جنھیں فاشزم کے بعض شریف حمایتی "قابل افسوس تجاویز" سمجھا کرتے تھے) بلکہ یہ سب کچھ فاشزم کے جوہر ہیں، اس کی روح کے حقیقی مظاہر اور اس کے نزدیک مسرت کے سب سے اعلیٰ تصورات ہیں۔ ان کی تعریف میں فاشسٹ لیڈروں نے کتابیں لکھی ہیں تاکہ اُن کے کارناموں کی یاد باقی رہے۔[1]

فاشزم کی عوام کے ساتھ حقارت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کی رائے میں عوام صرف روٹی اور تماشا چاہتے ہیں، خیالات کو سمجھنے کی اُن میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ عقل سے معذور اور

---

[1] مثال کے طور پر دیکھئے ڈان کیمگزی کی کتاب "پرانی بغاوتوں کا زمانہ"
(اولڈ ٹیس اینڈ ڈیم چھوٹے ہیں)
جس میں وہ دوسرے واقعات کے علاوہ یہ بیان کرتا ہے کہ میونک میں سویت حکومت کے خلاف ہم کے دوران میں اُس نے ایک نوجوان "بازاری عورت" کو ایک سپاہی سے کس طرح کوڑے لگوائے حتیٰ کہ وہ مر گئی

نیم بے وقوف ہوتے ہیں۔ انھیں جو چاہے باور کرایا جا سکتا ہے اور جہاں چاہے لے جایا جا سکتا ہے۔

"عوام الناس فرد کی جگہ نہیں لے سکتے۔ وہ صرف بیوقوفی کے نمائندے ہی نہیں بلکہ بزدلی کے بھی مظہر ہوتے ہیں اور جس طرح سو کھلے دماغ مل کر ایک عقلمند آدمی نہیں پیدا کر سکتے اسی طرح سو بزدل انسان کوئی جری فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

"محنت و مشقت کرنے والے طبقوں کے عوام سوائے روٹی اور تماشوں کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اعلیٰ تصورات کو سمجھنے سے وہ معذور رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مزدوروں کی تائید پر کسی طرح بھروسہ نہیں کر سکتے۔" (ہٹلر کے الفاظ مندرجہ صفحہ ۱۲۳)

عوام سے نفرت کے اسی جذبہ سے پروپگنڈے کا وہ فاشسٹ نظریہ پیدا ہوتا ہے جس کا قول ہے کہ جھوٹ کا تکرار اتنی بار ہونا چاہئے کہ لوگ اس پر یقین کرنے لگیں۔ ہٹلر نے یہ بتایا ہے کہ کوئی بات جس قدر زیادہ جھوٹی ہوگی اُسی قدر زیادہ کامیاب رہے گی۔ وہ کہتا ہے کہ عوام کی بے وقوفی تمام تمام پروپگنڈے کی بنیاد ہے۔"

بسلسلہ صفحہ ۳۴۔ "یہاں تک کہ اُس کی پیٹھ پر کوئی سفید حصہ باقی نہ رہا تھا" یا پھر ایک کمیونسٹ باغی پر دھمکی کے باوجود، گستاخانہ جواب دینے پر ایک سپاہی سے کس طرح دستی بم پھنکوایا تھا۔ اس کے بعد وہ مزے لے لے کر اُس شخص کی موت کی خون آلود تفصیلات بیان کرتا ہے۔ وان کلنگز کو ہٹلر نے سیکزنی کا وزیر صدر مقرر کیا تھا۔ یہ ہیں فاشزم کے "سورما" جن کا سرپرست اعلیٰ جوسٹ ویسل جیسا دلال ہے۔

سلہ اڈولف ہٹلر۔ سیاستدان اور عوام کا لیڈر" صفحہ (۴)
مصنفہ ڈاکٹر سگنرڈ ہٹی

"عوام الناس میں بات سمجھنے کی صلاحیت بہت محدود ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے کم اور بھول زیادہ جاتے ہیں۔" (ہٹلر۔ "میری جدوجہد" صفحہ ۱۹۸)

"عوام الناس اپنی افتاد اور طبیعت کے لحاظ سے عورتوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ اُن کے خیال و عمل پر معقولیت اور پختگی نہیں بلکہ جذبات حاوی رہتے ہیں۔" (ہٹلر "میری جدوجہد" صفحہ ۲۰۰)

فاشزم جس قدر سوچ بچار کرنے اور شعور رکھنے والے انسانوں سے ڈرتی ہے کسی اور سے نہیں ڈرتی۔ فاشسٹ، کلچر اور تعلیم سے ایسے ہی گھبراتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان۔ "جب میں تمدن کا لفظ سنتا ہوں تو فوراً میرا ہاتھ اپنے ریوالور پر پہنچ جاتا ہے۔" (گوئرنگ)

فاشزم جو جنگ کا دوسرا نام ہے، اندھی اطاعت کرنے والے ایسے عوام چاہتی ہے جو اُس کے آلۂ کار بن کر رہیں۔

خیالات کی طاقت سے ڈر کر فاشسٹ فخریہ طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی پروگرام کے قائل نہیں۔ "ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ پروگرام نہیں بلکہ عمل ہے۔" (مسولینی) "پہلے ہم حکومت تو شروع کر دیں، اس کے بعد پروگرام خود بخود آ جائے گا۔" (ہٹلر ۱۹۲۷ء میں) "اگر ہم نے پارٹی قائم کی ہوتی تو کوئی پروگرام نہیں پیش کیا ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ ہم کوئی پروگرام نہیں رکھتے یا جو پروگرام رکھتے ہیں اس میں متضاد باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ محض اسی تضاد کی وجہ سے ہم کامیاب رہیں گے۔" (گوئبلز)

فاشزم نے تمدن، سائنس اور معقولیت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ وہ نہایت ہی پست جذبات سے اپیل کرتی ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیمی نظام جس پر کسی وقت جرمنی کو فخر تھا اور جس کی بنیادوں ہی پر نازیوں نے اپنی فنی طاقت کو جنگ کے لئے منظم کیا ہے، ہٹلر کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان جرمنی میں یونیورسٹیوں اور اعلیٰ کالجوں کے طلبا کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ کر ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی (روائش کے وزیر تعلیم ڈاکٹر مینٹزل کی رپورٹ جو سنہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی تھی) اسی زمانہ میں سوویت یونین میں طلبا کی تعداد جو سنہ ۱۹۳۰ء میں

تین لاکھ کے مقابلہ میں ۱۹۴۰ء میں سات لاکھ ہو گئی۔ کیا اس میں شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کون سا نظام کامیاب رہے گا؟ جرمنی کے قابل ترین سائنسدانوں کو برطرف یا جلاوطن کر دیا گیا محض اس بنا پر کہ وہ یا تو یہودی تھے یا پھر وہ نازیت کے آگے جھکنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ نازیت نے سائنس کو انتہائی ذلیل کر کے، سائنٹفک تحقیق و تعلیم کو ممنوع کر دیا تھا۔ جرمنی اور آسٹریا سے چوٹی کی شہرت رکھنے والے جو سائنسدان نکالے گئے ان کی تعداد ۱۹۳۸ء تک ۱۸۰۰ تھی جس میں ۲۵ فی صدی سے زیادہ نوبل پرائز پانے والے شامل ہیں۔

تعلیم کو محدود کرنے سے زیادہ سنسنی خیز تعلیم کی نوعیت ہے۔ امریکہ کے ایک ماہر اعداد و شمار ای۔ وائی۔ ہارٹ شورن نے جرمنی میں مختلف مضامین کی تعلیم پانے والے طلبا کی تعداد کا تجزیہ کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۲ء کے مقابلہ میں ۱۹۳۷ء میں اوسطاً ۵۰ء۵ فیصدی کی کمی ہو گئی۔ صرف صحافت میں ۱۶۹ فی صدی اور "نسلی تعلیم" — یعنی علوم متعارفہ کی بجائے نازی پروپگنڈے کے مضامین میں ۳۴۲ فی صدی کا اضافہ ہوا (ای۔ وائی ہارٹ شورن۔ "جرمن جامعات اور قومی اشتراکیت" ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۷ء)

فوجی تعلیم کے ذریعہ مدرسوں کی تحقیر و تذلیل، ذہنی ترقی سے حقارت، "ذہنی صلاحیت کی ترقی ثانوی حیثیت رکھتی ہے" (ہٹلر "میری جدوجہد") نسلی منافرت اور دوسری اقوام کے خلاف جارحانہ مقاصد، جنگ اور تشدد کی تحریک، لیڈروں کی اندھی اطاعت اور اس کی تربیت کہ طاقتور کمزور کو کس طرح جسمانی اذیت پہنچائے —— یہ سب فاشزم کے بنیادی تصورات اور مقاصد کے نتائج ہیں۔ جن پر بڑی باقاعدگی سے عمل کیا جاتا ہے۔ "اسکول فوج کے لئے تیاری کی منزل ہے" یہ اصول نازی وزیر تعلیم رسٹ ہی کا بنایا ہوا ہے۔

"مدرسہ کی تعلیم صاحب نسل (نوجوان) کو ایسی چیز عطا کر سکتی ہے جو مستقبل میں سپاہی کی حیثیت سے کام آ سکے مثلاً جدوجہد اور نقشے نسل کی کھیلوں سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ لوگارتم کے قوانین کا سب سے اچھا اطلاق توپ خانہ کے فن پر ہو سکتا ہے جغرافیہ

کے ذریعہ عالمگیر جنگ کو اچھی طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ، جنگی سیاست کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ زہریلی گیس پر فتح پانے کی فوجی کوشش میں کیمیا اُتنی ہی مفید ثابت ہو سکتی ہے جتنی روٹی حاصل کرنے کی جد و جہد میں۔ طبیعات کے مسائل موٹر یا ٹینک کی مدد سے بہت اچھی طرح سمجھے جا سکتے ہیں۔" (تعلیمی رسالہ ـــــ اسلحات کے لئے تعلیم ـــــ

ڈبیر ایرہی ہونگ

نومبر ۳۶ء

سائنس یا خارجی حقایق کے مطالعہ کو قابل ملامت قرار دے کر اُسے رد کر دیا گیا ہے "جدید سائنس اُس تصور علم سے بالکل مختلف ہے جس کے نزدیک قابل قدر بات یہی ہے کہ صداقت کو پہچاننے کی اندھا دھند کوشش کی جائے۔" (جامعہ ہائیڈلبرگ کی ۵۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر نازی وزیر تعلیم بی۔ رسٹ کی تقریر ۱۹۳۶ء)

"ہم بین الاقوامی سائنس سے ناتہ توڑتے ہیں۔ ہم علم کی بین الاقوامی نوعیت سے انکار کرتے ہیں۔ ہم تحقیق برائے تحقیق کے قائل نہیں ہیں۔ ہم تاریخ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں یہ کہنے کے لئے نہیں کہ واقعات کس طرح ظہور پذیر ہوئے تھے۔ بلکہ یہ بتلانے کے لئے کہ جرمن باشندوں کو اُن سے کیا سبق حاصل کرنا چاہئے۔ ہم علوم اس لئے نہیں سیکھتے کہ اُن سے محض مجرد قوانین دریافت کریں بلکہ اس لئے کہ جرمن باشندے دوسروں سے مقابلہ کرتے وقت اپنے ہتھیار تیز رکھیں۔"

(جامعہ گوٹنگن کے پروفیسر تاریخ ڈاکٹر کارس ٹیڈ کا خطبہ "جرمن ایمپائر ڈے" کے موقع پر۔ "نیچر" ۔ ۲۲ اپریل ۱۹۳۶ء)

"نسلی ریاست سائنس کو قومی عظمت و شان میں اضافہ کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتی ہے۔"

(ہٹلر۔ "میری جد و جہد" صفحہ ۴۷۳)

حقیقی علم کی جگہ فاشزم نے نسلی نظریہ کا ایک تھوتھا سا علم پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ تمام محنت قوموں اور ساری انسانیت سے نفرت اور حقارت کی تلقین کرتا ہے۔ اور معدودے چند حکمرانوں کی

سو البقیہ سب کو "تحت الانسان" قرار دے کر اُنہیں جملہ حقوق سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ خود پرستی کے اس خبط کو عارفانہ رنگ میں پیش کرنے کی غرض سے "نسل" وغیرہ سے متعلق من گھڑت باتیں کہی جاتی ہیں۔ مثلاً نازیوں کا قول ہے کہ "ہم خون سے سوچتے ہیں"۔ اس طرح وہ خیال کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر کے چاہتے ہیں کہ اپنے بے لگام ظلم وتشدد کو جائز ثابت کریں۔

"آج ایک نیا عقیدہ پیدا ہو رہا ہے۔ یہ نسل کا عقیدہ ہے۔ اس کے مطابق انسان کے مقدس مقصد کی حفاظت نسل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اپنے صریح علم کی بنا پر یہ باور کرتا ہے کہ صرف نارڈی نسل ہی اُس راز کی حامل ہے جس نے قدیم مذہبی معتقدات کی جگہ حاصل کر لی ہے"۔

(الفریڈ روزنبرگ "بیسویں صدی کا طلسم" میونک ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۱۴)

"خون اور مٹی زندگی کے بنیادی محرکات کی حیثیت سے، قومی وسیاسی نقطۂ نظر کی علامتیں اور جارحانہ زندگی کی نشانیاں ہیں۔ ان کے ذریعہ ایک جدید قسم کی تعلیم کے ذرائع مہیا ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک خون کی اہمیت کیا ہے؟ ہم صرف طبیعات، کیمیا یا طب کی تعلیمات سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ابتدائے نسل ہی سے یہ خون، یہ سایہ فگن چشمۂ حیات ایک اشاراتی مفہوم رکھتا ہے۔ اور مابعد طبیعات کی دنیا کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ خون ہی ہمارے جسم کا خالق اور نسل کی روح کا سرچشمہ ہے۔ خون ہی میں ہمارے آباؤ اجداد کی میراث ہے۔ خون ہی سے نسل تشکیل پاتی ہے، خون ہی سے انسان کا کردار اور اُس کی قسمت معین ہوتی ہے۔ خون انسان کی زندگی کا پوشیدہ دھارا ہے۔ وہ سرچشمۂ حیات کی نشانی ہے"۔

(جامعہ فرانکفورٹ کے ریکٹر کا خطبہ۔ کریک ۱۹۳۵ء)

نسل کا نظریہ فاشزم کا کوئی انکشاف نہیں ہے۔ اعلیٰ حکمران نسل کا راز، تمام سلطنتوں اور ظالم حکومتوں کا ایک عام ہتیار رہا ہے۔ اس کی بنا پر اُنہیں "غیر مہذب کمتر نسل" کو مغلوب کرنے اور اس پر ظلم ڈھانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس نظریہ کو فرانس کے ایک شاہ پرست رجعت پسند کومت دے گوبینو نے جدید رنگ میں پیش کیا ہے جو اپنی کتاب "نسل انسانی کی عدم مساوات"

(۱۸۵۳-۵۵ء) کے ذریعہ، سرمایہ دار طبقے کے مقابلہ میں فرانس کی جاگیرداری کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینا چاہتا تھا۔ اس کتاب میں اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ نوع انسانی کی مختلف نسلیں، تہذیب و تمدن کی تخلیق کرنے اور انھیں جذب کرنے کے معاملہ میں فراست، صلاحیت اور جوہر کے اعتبار سے فطرتاً غیر مساوی واقع ہوئی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا مہمل ہے کہ کمال حاصل کرنے میں تمام انسانوں کی صلاحیتیں مساوی ہوتی ہیں۔ اُس وقت سے آج تک نسل کا یہ نظریہ انسانی ترقی کے دشمنوں کا ایک دلچسپ حربہ رہا ہے۔ لیکن تمام سنجیدہ سائنس دانوں کی تحقیقات شاہد ہیں کہ یہ ایک انتہائی غیر سائنٹفک نظریہ ہے۔

"حقیقی سائنس کا ایک بہت بڑا دشمن مصنوعی علم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "نسل" کے معاملہ میں تو یہ صورت حال اور بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ "نسلی حیاتیات" کے ایک چھوٹے علم کا وسیع جال بچھایا گیا ہے اور اس کے ذریعے سیاسی ہوس، معاشی اغراض، سماجی بغض و حسد اور طبقاتی تعصبات کا جواز ڈھونڈھا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"اس قسم کے جائزہ سے ایک بات واضح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے، سماجی مسائل کے مقابلہ میں خالص حیاتیاتی مسائل نسبتاً کم اہمیت رکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

"نسلیت محض خرافات ہے اور نہایت ہی خطرناک قسم کی خرافات۔ یہ خود غرض معاشی اغراض کے لئے ایک آڑ ہے جنھیں اگر بے نقاب اور عریاں حالت میں دیکھا جائے تو وہ انتہائی مکروہ منظر پیش کرتے ہیں۔ نیز اس کی کوئی سائنٹفک بنیاد نہیں ہے۔" (جولین ہکسلے اور اے۔ سی۔ ہیڈن "ہم یورپین ـــ نسلی مسائل پر ایک نظر" ۱۹۳۵ء)

نسل کا نظریہ دراصل شہنشاہیت پرستوں کے اصلی مقاصد کو چھپانے کی غرض سے گڑھا گیا ہے۔ وہ اس کا سہارا لے کر، اپنے ہی لوگوں کو لوٹنا، دوسری قوموں کو غلام بنانا اور تہذیب و تمدن کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

یہ نظریہ اس کی تائید کرتا ہے کہ سماج، طبقات میں منقسم ہے اور وہ اس تقسیم کو ایک فطری

حیاتیاتی ضرورت" قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک سرمایہ دار ایک اعلیٰ حیاتیاتی نوع ہیں جو حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ مزدور ادنیٰ نوع سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا کام محض اطاعت کرنا ہے۔ ہٹلر کہتا ہے کہ قومی اشتراکی ریاست میں "جرمن مزدور سب سے بڑا ہمارا ہے کیونکہ وہ اعتقاد اور اعتماد کے اُس جذبہ سے مغلوب ہو جاتا ہے جو ہمیشہ یہ نہیں سوچتا کہ ذاتی رائے کے حربہ کو بھی استعمال کرنا چاہئے اس کے برخلاف یہ جذبہ ہر خیال کو اندھا دھند مان لیتا اور اس کا معتقد بن جاتا ہے۔"

(دوسری جرمن مزدور کانگرس میں ہٹلر کی تقریر)

مزید ارشاد ہوتا ہے:۔

"سرمایہ دار نظام کا کہیں وجود نہیں ہے مالکوں نے اپنی محنت اور کارکردگی کے ذریعہ اعلیٰ مدارج طے کئے ہیں۔ اور اسی فوقیت کی بنا پر جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا تعلق اعلیٰ نوع سے ہے اُنھیں یہ حق حاصل ہے کہ دوسروں کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔"

نسل کا نظریہ دوسری قوموں پر تشدد اور اُن پر تسلط کو جائز ٹھیراتا ہے۔

"نارڈی قوم دنیا پر حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ خارجی پالسی میں اسی اصول کو مشعل راہ بنائیں۔" (ہٹلر بنام آٹو اسٹراسر۔ ۲۱ مئی ۱۹۳۰ء)

"جو کوئی امن پسندی کے خیال کی دل سے فتح کا آرزو مند ہے اُسے چاہیے کہ دنیا پر جرمنوں کے قبضہ کے بعد اس قسم کی کوشش کرے۔۔۔۔ امن پسندی کا انسانیت دوست تصور شاید اُسی وقت اچھا معلوم ہو جبکہ دنیا اعلیٰ ترین انسان سے مفتوح و مغلوب ہو کر اُس کی تنہا ملک بن چکی ہو۔"

(ہٹلر۔ "میری جدوجہد" صفحہ ۱۳۵)

سفید فام نسل کو قدرت نے حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس میں حکومت کرنے کی خواہش غیر شعوری طور پر موجود ہے۔ یہ خواہش دولت کے جبری تصور سے پیدا ہوتی ہے جو بالکل امن پسندی کے خلاف ہے۔۔۔۔ اگر سفید فام نسل دنیا پر اپنی حکومت کی بنیادوں سے لاپروائی برتے گی تو حکومت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ یہی اصول ہے جو مغربی نظام کی بنیاد ہے۔" (ہٹلر کی تقریر

بمقام میونک - ۲۶ر جنوری ۱۹۳۳ء)

یہ صاف ظاہر ہے کہ ہٹلر کے نزدیک سفید فام نسل کے عالمی تسلط سے مراد جرمن سامراج کا عالمی تسلط ہے۔ کیونکہ تمام حریف نسلی اعتبار سے دوغلے ہیں۔ اہل فرانس "حبشی نما" تحت البشر ہیں۔ اس لئے فرانس کو مٹا دینا چاہیئے۔ فرانسیسی سلطنت جو رہائن سے لے کر کانگو تک پھیلی ہوئی ہے، ایک حرام نسل کے قبضہ میں ہے "یہی اصول پولینڈ اور چیکوسلاواکیہ کے حقیر باشندوں" پر بھی صادق آتا ہے۔ جرمنی کو مشرق میں روس کی سرزمین پر اپنے علاقہ کی توسیع کرنے کا حق حاصل ہے۔ برطانیہ کو "یہودیوں" نے ناپاک کر دیا ہے۔ امریکہ تو نسلوں کا "معجون مرکب" ہے۔ صرف جاپانیوں کو عارضی طور پر اس وقت تک جب تک کہ ان سے تصادم نہ ہو "باعزت آریہ" تسلیم کیا جاتا ہے۔

کمتر نسل کے تمام لوگوں میں خرگوشوں کی طرح اضافہ ہوتا ہے جن سے زمین گندی ہو جاتی ہے۔ ان کو نہایت بیرحمی سے زیر کر کے زرخرید غلاموں کی طرح کام لینا چاہیئے۔ اور اگر ضرورت ہو تو ان کا خاتمہ بھی کر دینا چاہیئے تاکہ ان کی زمین پر جرمن آباد ہو سکیں۔

یہ نظریہ "نسلی پاکیزگی" کے نام پر سیاسی مخالفوں کے خلاف بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ "غیر موزوں نوع" کو افزائش نسل سے روکنے کے قوانین اور "کمتر حیاتیاتی نوع" کے خلاف جملہ تدابیر اسی کے جواز میں اختیار کی گئی ہیں۔ گریگر زیمر اپنی کتاب "تعلیم برائے موت" (نیویارک ۱۹۴۱ء) میں رقمطراز ہے :-

"میں نے جو کچھ دیکھا اس سے میرا خون خشک ہو گیا۔ اس کا مجھے اعتراف ہے۔ ہسپتال کے پلنگ بہت ہی باقاعدگی سے لائے اور لیجائے رہے تھے۔ ڈاکٹر بڑی تیزی اور پھرتی سے پیٹ کے نچلے حصے پر عمل جراحی کر رہے تھے۔ وہ انہیں چیرتے اور ان پر پٹی باندھتے جاتے تھے۔ وہ بہت ہی ہوشیاری سے نلی کو ٹٹول کر اٹھاتے اور اسے پکڑ کر کاٹ دیتے تھے۔ اس کے بعد زخم کو ٹانکا دیدیا جاتا اور مریض کو گاڑی پر لٹا کر بھیج دیا جاتا تھا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے یہی عمل جاری تھا۔

"یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" میں نے دریافت کیا۔

"اس نے (میرا نازی گائیڈ) جواب دیا کہ وہی کر رہے ہیں جو نسری امش کو کرنا چاہیے۔ اگر اُسے اعلیٰ سپاہیوں کی ضرورت ہے۔

"یہ ڈاکٹر عورتوں کو بانجھ کر رہے ہیں"۔ اُس نے کہا۔

ایک گھنٹہ سے زیادہ دیر تک میں دیکھتا رہا کہ عورتیں سرمایۂ حیات لے کر آتیں اور وہاں سے خالی ہاتھ لوٹتی ہیں۔

میں نے دریافت کیا "یہ کس قسم کی عورتیں تھیں جنھیں یہ سزا دی جا رہی ہے" جواب ملا کہ "یہ ذہنی طور پر بیمار اور ایسی عورتیں تھیں جن میں مدافعت کی صلاحیت بہت کم ہے۔ ایسی عورتیں جو خود بوڑھے چالے کی اولاد ہونے کی وجہ سے طاقتور بچے پیدا کرنے کے قابل نہ رہی ہیں۔ عورتیں جو نقائص اور کمزوریوں میں مبتلا ہیں"۔

میرے اعتراض کرنے پر گائیڈ نے تسلیم کیا کہ بعض عورتوں کو اولاد سے محض اس لئے محروم کر دیا جاتا ہے کہ وہ نازی ریاست کی دشمن ہیں۔ ان میں سے اکثریت کو حراستی کیمپ میں ہونا چاہیے تھا۔

"عورتوں کو حراستی کیمپ میں رکھنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا" وہ کہہ رہا تھا "لیکن بانجھ عورت کو سیاست سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ خاص کر جب کہ اس کی جان پہچان کی عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بانجھ ہے۔ اور ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ انھیں اس کا علم ہو جائے"۔

وہ یہ نہیں بتا سکا کہ ہر سال کتنی عورتوں کو بانجھ کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ خاص اس ہسپتال میں چھ ڈاکٹر ہفتہ میں چار دفعہ اس قسم کے آپریشن کرتے ہیں۔ یہ عمل جرمنی کے تمام بڑے شہروں میں ۱۹۳۳ء سے جاری ہے"۔

نازی ادب میں علانیہ طور پر اس کی تبلیغ کی جاتی ہے کہ بیماروں اور بوڑھوں کو ختم کر دینا چاہیے۔ استدلال یہ ہے کہ حکومت کو بیکار بار سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ چنانچہ نازی لیڈر

ارنسٹ مان اپنی کتاب "طاقت کی اخلاقیات" میں (جو دیر سے شائع ہوئی تھی) تمام دائمی مریضوں اور جنگ کے اپاہجوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ خودکشی کو اپنا مقدس فرض سمجھیں۔ اور نازی حکومت سے کہتا ہے کہ وہ "کمزوروں اور مریضوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے"۔

جنگ شروع ہونے کے بعد سے، اس اصول کے مطابق ہزاروں بیمار اور بوڑھے جرمنوں کو نازی ارباب حکومت نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

"لیکن کسی اور معاملہ کے جواز میں اپنی "منطق" کی اس قدر آڑ نہیں لی گئی جتنی کہ خود جرمنی کے اندر ایسے اشخاص کے خلاف سخت ترین کارروائیوں کے جواز میں کی گئی جو محض دماغی اور جسمانی معذوری کی وجہ سے نازی حکومت کی کارگزاری میں حصہ لینے سے معذور تھے۔ نازی عقیدہ کی رو سے فرد کو زندہ ہی اس لئے رہنا چاہیئے کہ ریاست کے کام آسکے۔ اس استدلال سے نازی منطق یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ ایسا شخص جو مملکت پر بار ہو جائے ناقابل برداشت ہے۔ اسی عقیدہ کے تحت انھوں نے ہزاروں عمر رسیدہ، فاتر العقل اور ضعیف انسانوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء کی جب کہ اس منطق کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا "سہل موت" اور "قتل بر بنائے رحم" کے نام سے کتنے ہی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اس کا اندازہ سوائے گسٹاپو کے —— جن کی نگرانی میں یہ سب کچھ ہوتا ہے کوئی اور نہیں کرسکتا۔ جو جرمن شخصی طور پر ان بہیمانہ افعال سے واقف تھے اور جن کی امریکی نامہ نگاران برلن سے راہ و رسم تھی ان کا اندازہ ہے کہ یہ تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھ تک پہنچتی ہے۔ اگر اسے مبالغہ بھی سمجھا جائے تب بھی یہ تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہوسکتی۔ اس میں مطلق کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایک بڑی تعداد کو جرمنی کے "یتیمی نورہم" سے نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا"۔

(جوزف۔ سی۔ ہارش۔ "تسخیر کا نمونہ"، ہیمین ۱۹۴۲ء، صفحات ۲۲۷-۲۲۸)

اکثر معاشرتی آسائشیں، جن پر اس قدر فخر کیا جاتا ہے، صرف نازی سرغنوں، ان کے حواریوں، "سیاسی قابلِ اعتماد" افراد اور ایسے لوگوں تک ہی محدود ہیں جنھیں نازی اربابِ اقتدار مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان سہولتوں سے بے یار و مددگار عوام الناس کو دور کا بھی واسطہ

نہیں ہے۔ نازی دَور کے ابتدا میں عورتوں کو روزگار سے علیحدہ کرکے اُنھیں بے سہارا چھوڑ دیا گیا اور دعویٰ یہ کیا گیا کہ اس طرح بے روزگاری کو حل کیا جا رہا ہے اور اُن عورتوں کو "گھریلو زندگی کی طرف لوٹایا جا رہا ہے"۔ بعد میں جب جنگی صنعت کے لئے اُن کی ضرورت ہوئی تو اُنھیں دوبارہ صنعتوں میں دھکیل دیا گیا اور "گھریلو تقدس" کے نام سے جو ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا تھا بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

فاشسٹ فلسفہ کی بہیمیت پوری عریانی کے ساتھ اُس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ جب وہ عورتوں کے متعلق اپنا تصور پیش کرتا اور سماج میں ان کی حیثیت پر رائے زنی کرتا ہے۔ اس بہیمانہ فلسفہ کی رو سے عورت کے صرف دو کام ہیں —— یعنی سپاہی پیدا کرنا اور گھر کا کام کاج کرنا۔ یا پھر ضرورت پڑے تو جنگی صنعتوں اور کھیتوں میں انتہائی پست قسم کی محنت مزدوری کرنا۔ تعلیم، تمدن، سیاست میں شرکت یا اور کوئی ذمہ دار کام، ان سب کے دروازے عورتوں کے لئے بند کردئے گئے ہیں۔ اس عسکری ریاست میں عورتوں کی تربیت محض حیوانی فرائض تک محدود کردی گئی ہے۔

"تعلیم نسواں کے معاملہ میں سب سے زیادہ زور جسمانی تربیت پر دینا چاہئے۔ اس کے بعد کردار کی تربیت پر۔ اور سب سے آخر میں دماغی تعلیم پر۔ اور یہ سب کچھ اس نقطۂ نظر سے ہونا چاہئے کہ عورت کو آئندہ ماں بننا ہے۔" (ہٹلر۔ "میری جدوجہد" صفحات ۴۵۹-۴۶۰)

"قومی اشتراکی تحریک کا مزاج مردانہ ہے۔۔۔۔ اگر مرد کا کام زندگی کے وسیع نقوش اور اُس کے خطوط بنانا ہے تو عورت کا فریضہ اپنی باطنی شوخی اور اشتیاق کی بنا پر ان خطوط میں رنگ آمیزی کرنا ہے۔"

جن دائروں میں پبلک زندگی ڈھلتی اور سنورتی ہے۔ اُن کا معلوم کرنا دشوار نہیں ہے۔ اُن میں ایک وسیع دائرہ سیاست کا بھی ہے جو بلا شرکتِ غیرے مرد سے تعلق رکھتا ہے جب ہم عورت کو پبلک زندگی سے خارج کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہمیں اس کی ضرورت

نہیں رہی ہے۔ برخلاف اس کے ہم چاہتے ہیں کہ عورت کو اس کی اصل قدر و منزلت سے پھر سرفراز کریں ۔ ۔ ۔ عورت کا سب سے نمایاں اور اعلیٰ کام بیوی اور ماں بننا ہے ۔ ۔ ۔ عورت کی ذاتی مسرت خاندان اور اولاد ہی میں ہے۔"

(مندرجہ "نازی ریاست"۔ گوئبلز ۱۱ر فروری ۱۹۳۴ء)

"تم پوچھتی ہو کہ میں نے جرمن عورتوں کے لئے کیا کیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ میں نے اپنی نئی فوج میں دنیا کے بہترین باپ مہیا کر دئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ جرمن عورتوں ہی کے لئے کیا گیا ہے۔"

(نازی پارٹی کی نورمبرگ کانگرس کے موقع پر عورتوں کے جلسہ میں ہٹلر کی تقریر۔ ستمبر ۱۹۳۸ء)

نازی حکمراں سپاہیوں کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ انھیں ایسے قابل بھروسہ ہتیاروں کی ضرورت ہے جو عوام پر ظلم کرنے کے لئے استعمال کئے جا سکیں۔ اور نئی جنگوں اور تشدد کا لا متناہی سلسلہ چھیڑ دیں۔ یہ حکمراں نئے مفتوحہ علاقوں پر جرمن نسل کے افراد کو زیادہ سے زیادہ آباد کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس غرض کے لئے وہ مفتوحہ علاقوں کے اصلی باشندوں کو یا تو جلا وطن کر دینا چاہتے ہیں یا پھر صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے ہیں۔

نازی ریاست میں عورت ایک ناگزیر مشین ہے جس کا کام تمدی تعداد میں سپاہی پیدا کرنا ہے۔ دوسری تمام باتیں اسی مقصد کے تابع ہیں۔ اس کے لئے خاندان اور گھر کے تقدس کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر نازیوں نے محبت، شادی اور خاندان کے تصورات کو مٹا دیا ہے۔ اب یہ اصول بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ "جرمن عورت کا اخلاقی فرض صرف بچے پیدا کرنا ہے۔"

روزنبرگ لکھتا ہے۔

"اگر پچھلے زمانہ میں کثرت ازدواج کا طریقہ رائج نہ ہوتا تو جرمن قبائل کا تیز و تند دھارا بھی نہ ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ مغربی تہذیب و تمدن کا وجود ہی نہ ہوتا۔ بعد میں ایسا بھی زمانہ آیا جبکہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ آج بھی یہی صورت

درپیش ہے۔ کیا یہ لاکھوں عورتیں جن کی ڈھلی ہوئی عمروں پر ازراہ تاسف مسکرایا جاتا ہے، یوں ہی اپنے فطری حقوق سے محروم رہیں گی؟ ۔ ۔ ۔ ۔ جرمن رائخ مستقبل میں ایسی تمام عورتوں کو جن کے بچے نہ ہوں، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، قوم کے غیر اہم ارکان تصور کرے گی۔"

(الفریڈ روزنبرگ "بیسویں صدی کا طلسم")

"طوفانی دستوں" کا سرکاری نمائندہ اخبار (سیاہ دستہ   ) جنگ کے زمانہ سے بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اس کی اجازت نہ ہوگی کہ جنگ کے دوران میں خالص نسل کے بچوں کی پیدائش قبل جنگ کی سطح سے گھٹا دی جائے۔ جو لڑکی اپنے سب سے اعلیٰ فرض کی انجام دہی میں کوتاہی کرے گی وہ اسی طرح غدار ٹھہرے گی جس طرح محاذِ جنگ سے بھاگ جانے والا سپاہی۔ طوفانی دستوں کے سپاہیو! تمھیں نہ صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ تم اپنی زندگیاں اپنے ملک پر قربان کر سکتے ہو بلکہ یہ بھی پیش کش کرنی ہے کہ میدانِ جنگ جانے سے پہلے تم آدمیوں کی تعداد میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کر دو۔"

ہٹلر اس بات کو اور بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے: "جرمن لڑکیوں پر اب ایک فوجی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب معاملہ رشتۂ ازدواج کا نہیں رہا ــــ شادی کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا ــــ اب تمہارا فرض تو اُن سپاہیوں کی اولاد کی مائیں بننا ہے جو محاذِ جنگ پر جا رہے ہیں۔"

یہی آرگن (سیاہ دستہ   ) آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"اگر کسی گھرانے میں ماں صحت مند ہونے کے باوجود بچے نہیں پیدا کرتی ہے تو ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ حمل ٹھہرانے کے مصنوعی ذرائع اختیار کئے جائیں اگر اُن سے بھی مطلوبہ نتیجہ برآمد نہ ہوں تو پھر شوہر کی مدد کے لئے ــــ ممکن ہو تو اس کے بھائی کو طلب کرنا چاہئے۔"

شوہر کا کوئی بھائی نہ ہونے کی صورت میں اس آرگن کی تجویز ہے کہ "طوفانی دستہ" کے کسی نوجوان کی خدمات حاصل کرنی چاہئیں۔ ایک طرف تو ہٹلری مبلّغ "لیبنس راؤم" (سکونتی علاقہ) کے نعرے لگاتے اور جرمنی کی بڑھتی ہوئی آبادی کی رہائش کے لئے بزور تسخیر شدہ علاقوں کے

حصول کو ناگزیر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف نئے علاقوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے جرمن آبادی کی توسیع کے تمام ذرائع استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

یہ تضاد نازیوں کے دماغوں کو پریشان نہیں کرتا کیونکہ اصل میں یہ دونوں مطالبے ایک ہی پالیسی کے دو رُخ ہیں —— یعنی جرمن عسکریت اور سامراج کی بہ جبر توسیع۔

فاشزم کا فلسفہ، تباہی، بربریت اور سماج کی تمام زوال پذیر اور گھٹتی ہوئی قوتوں کا فلسفہ ہے۔ اس کا نقطہ نظر تاریک اور قنوطیت پسند ہے۔ کیونکہ وہ بالارادہ انسانی ترقی کو روکتا ہے۔ وہ عوام سے، آزادی سے اور خود زندگی سے نفرت کرنا سکھاتا ہے۔

"ہم پروگرام یا تجاویز پر، اوتاروں یا پیغمبروں پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ اور سب سے بڑھ کر ہم مسرت، نجات اور ارض موعود پر ایمان نہیں رکھتے۔"

(مسولینی - "پوپلو دی اطالیہ" یکم جنوری ۱۹۲۲ء)

"فاشزم حصول مسرت کے مادی تصور سے انکار کرتی ہے۔"

(مسولینی - "فاشزم کا سیاسی اور سماجی نظریہ")

اسی طرح فاشزم کا سرپرست فلسفی آسولڈ اسپنگلر کہتا ہے:۔

"صرف خیالی دنیا میں رہنے والے ہی راہ نجات کو مان سکتے ہیں۔ روحانیت بزدلی ہے۔ ہم اس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور ہمیں بہادری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہونا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں۔ ہمارا کام ہے کہ بغیر کسی امید، کسی امداد کے آخری وقت تک اپنے مقصد سے چمٹے رہیں۔"

ہٹلر کے بتائے ہوئے "نئے انسان" اور "نئے نظام" کا وجود جنگ اور صرف جنگ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں اسپنگلر نے لکھا تھا کہ "انسان ایک شکاری جانور ہے" یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اسپنگلر کو نازی جدید جرمنی کا پیغمبر سمجھتے تھے۔ "فوجی تصادم کے لئے ہر وقت اور پوری طرح تیار رہنے کی صلاحیت ہی کسی قوم کی طاقت کی کسوٹی ہے" (روزنبرگ) "نئی جنگ کا

کا نہ ہونا ہمارے لئے بڑی بدبختی کا باعث ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ جنگ ہی افرار حیات کا سب سے آسان راستہ ہے۔ جنگ کو روکنا ایسا ہی ہے جیسے فطرت کے عمل کو رد کرنے کی کوشش کرنا۔ جنگ ہولناک ضرور ہے لیکن ہر جاندار شے ہولناک ہے۔" (گوئبلز ۱۹۳۴ء میں) "صحیح سماجی نصب العین آزاد انسانوں کی برادری نہیں بلکہ کامیاب جنگ ہے۔" (ای۔ کاف مین) نازی لیڈروں کے دعووں کے مطابق نازی نمونے کا "نیا انسان" وہ ہے جس میں جنگ کے خیالات پوری طرح جاگزیں ہو چکے ہوں۔ جس میں سوائے جنگ کے اور کسی چیز کا تصور کرنے کی جرأت باقی نہ رہی ہو۔ جنگ ہی اس کا جذبہ، اس کی مسرت، اس کی آرزو اور اس کا مشغلہ ہو۔ مختصر یہ کہ دوسری قوموں کو لوٹنا اور انھیں غلام بنانا ہی نازیوں کے سامنے سب سے اہم کام ہے اور وہ ہر چیز کو اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

دس سال سے نازی حکمرانوں نے پوری جرمن معاشرت کو اسی سانچے میں ڈھالا ہے۔ موجودہ نسل کے بہت بڑے حصے کو نازی اسکولوں اور اداروں میں اسی نہج پر تعلیم دی گئی ہے اور اس طرح یورپ اور دنیا پر تسلط جمانے کی غرض سے ظلم و تشدد کی ایک دیو ہیکل مشین تیار کی گئی ہے۔

۴۔ یورپ میں نازیوں کا "نظام نو"

ہٹلر اور مسولینی کی ٹولی برابر چار سال سے یورپ کو اپنے پیروں تلے کچل رہی ہے۔ انھوں نے اس کے شہروں اور دیہاتوں کو لوٹا ہے۔ عوام کی آزادی غصب کر رکھی ہے۔ وہاں کشت و خون اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ عوام سے جبری محنت لے جا رہی ہے سارا یورپ ایک قبرستان اور قید خانہ بنا ہوا ہے۔

سات سال پہلے حبشہ کے خلاف لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ستم کی جو مہم شروع کی گئی تھی وہ وہ دراصل اسپین، آسٹریا اور چیکوسلواکیہ پر قابض ہونے کی تمہید تھی۔ دہشت پسند اور رقابتی

نازی سارے یورپ میں "خاکی جال" پھیلا کر میدان تیار کر رہے تھے۔ جرمنی کے باہر، ہٹلری دہشت انگیزی کی باگ ڈور برلن میں تھی جہاں سے آسٹریا کے چانسلر ڈوونس، رومانیہ کے وزیر اعظم ڈوکا، یوگوسلاویہ کے بادشاہ الیگزنڈر اور فرانس کے وزیر خارجہ بارتھو کو قتل کرنے کی سازشیں ہو رہی تھیں۔ ہر سال کروڑوں روپیہ بیرونی تنظیموں اور پروپگنڈہ پر خرچ کیا جا رہا تھا جو ہزاروں اشتعال انگیز ایجنٹوں سے یورپ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کام لیتی تھیں۔ ان ہی کے ذریعے سیاست دانوں، ادیبوں، جرنلوں اور صحافت دانوں کی جیبیں گرم کی جاتی تھیں۔ ہر نازی سفارت خانہ اور قونصل خانہ سازشوں، عیاریوں، اور جرائم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ "خاکی جال" کے نام سے جو کتاب ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ہے اس میں اس منظم سازش پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں اُن جلاوطنوں کے قتل کی پوری تفصیلات درج ہیں جو جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں آ بسے تھے۔ اس سازش نے سویت یونین کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اُسے جو رسوخ دوسرے ملکوں میں حاصل ہوا وہ یہاں حاصل نہ ہو سکا۔ یہاں اُسے موت سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء کے سویت مقدمات نے اس سازش کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا ہے بلکہ اُس پر کاری ضرب بھی لگائی ہے۔ غرض نازیوں کی یہ تمام سازشیں نازی فوجوں کے لئے راستہ صاف کرنے اور فوری فتوحات کا پیش خیمہ تھیں۔

اس کی کامیابی اور تسخیر کے لئے نازیوں کی ٹولی نے خود اپنے ہی ملک کے لاکھوں انسانوں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ ہٹلر نے اہلِ جرمنی سے عزت و ناموس، روٹی اور امن کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بجائے نازی حکومت نے جارحانہ جنگوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ یورپ کے تمام باشندوں کے دلوں میں جرمنی سے نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا کر دئے۔ جرمنی کے وسائل کو ضائع کیا اور عوام کو افلاس اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ فوری فتح اور فوری امن کے وعدے کئی بار کئے گئے لیکن ہر دفعہ اُنھیں ٹالا گیا۔ اس کے برخلاف ہر نئی مہم کے ساتھ عوام پر نئی مصیبتیں آتی رہیں۔

بات یہ ہے کہ نازی حکمراں اپنے اصل مقاصد عوام پر ظاہر کرنے سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ اُن

کے مقاصد جرمن عوام یا یورپ کے باشندوں کے مفاد کے خلاف ہیں۔ ان کی غرض و غایت صرف چند سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور جنگ بازوں کی لوٹ کھسوٹ میں اضافہ کرنا ہے جن کے مفاد کی نمائندگی ہٹلری جتھا کرتا ہے۔ وہ اپنے ان مقاصد کو "یورپ کا نظامِ نو" اور "کمیونزم کے خلاف جہاد" کے نعرے لگا کر چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات چھپ نہیں سکتی کہ نازیوں کے جنگی اقدامات سراسر بے انصافی پر مبنی ہیں۔ ان لڑائیوں نے امن پسند ملکوں کو ایک ایک کر کے تاخت و تاراج کر دیا ہے۔ ان ہی جنگوں نے آسٹریا والوں، چیکوں، سلوواکیہ، پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، بلجیم، فرانس، سربیا، یونان، اتھونیا، لتھونیا، لٹویا اور یوکرین وغیرہ کے باشندوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔

نازی یہ جانتے ہیں کہ ان کی لڑائیاں حق و انصاف کی نہیں بلکہ جارحانہ ہیں اس لئے وہ اپنے باشندوں اور سپاہیوں کو لوٹ کھسوٹ اور مالِ غنیمت کے لالچ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فاشسٹ فوجیں عوام کی فوجیں نہیں ہیں۔ وہ ایسی فوجیں نہیں ہیں جو کسی نیک مقصد کے لئے لڑ رہی ہوں بلکہ وہ بھاڑے کے ٹٹو ہیں جو اپنے آقاؤں کی لوٹ کھسوٹ کی پیاس بجھانے کے لئے لڑ رہی ہیں۔ اس کا نظارہ حبش اور اسپین میں پہلے ہی ہو چکا ہے اور اب بہت بڑے پیمانے پر سارے یورپ اور سوویت یونین میں ہو رہا ہے۔ جرمن شہریوں کے وہ خطوط جو مرے ہوئے نازی جرمنی سپاہیوں کی جیبوں سے برآمد ہوئے ہیں بار بار اس کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کے لکھنے والوں کے لئے غذا، کپڑا، سمور اور قیمتی اشیا بھیجی جائیں۔ خود اعلیٰ کمان ان باتوں کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ ۱۰ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء کی وہ خفیہ ہدایات جو جرمن فوج کا پروپگنڈا کرنے والے دستوں کو دی گئی تھیں اور جو ۲۸ ویں جرمن پیدل فوج کی شکست پر سرخ فوج کے ہاتھ لگیں، صاف طور پر یہ راز افشا کرتی ہیں کہ جرمن فوج کا ہر افسر اور سپاہی پوری طرح اس کا احساس رکھتا ہے کہ جنگ میں اس کا شخصی اور مادی فائدہ ہے۔"

رومانیہ کی چودھویں فوج کے چیف آف اسٹاف کرنل نکولائیسکو کا حکم نمبر ۲۲۳۲۰ مؤرخہ

"غلہ بڑی اور چھوٹی سینگوں والے چوپائے، مرغیاں، یہ سب فوج کے لئے آبادی سے چھین لی جائیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر گھر کی باقاعدہ تلاشی لی جائے اور کپڑے اور دوسری تمام اشیا ضبط کر لی جائیں۔ ذرا بھی مزاحمت ہو تو مزاحمت کرنے والوں کو اُسی وقت گولی کا نشانہ بنا دیا جائے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔"

سرخ فوج کا جنرل روکوسوسکی جو ۱۹۱۴ء کی جنگ میں جرمنوں سے لڑ چکا ہے اور جو موجودہ جنگ میں بھی لڑ رہا ہے، قیصر اور ہٹلر کی فوج کے فرق کو اس طرح ظاہر کرتا ہے۔ "ولیم کی فوج ہٹلری فوج سے بہتر تھی۔ ہٹلر نے جرمن فوج کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ بات بجز پیشہ ور سپاہی کے اور کسی کو سمجھانا مشکل ہے۔ ہٹلر کی فوج کئی کامیابیاں حاصل کر سکتی ہے مگر جنگ نہیں جیت سکتی۔ جنگ صرف اصلی فوجوں سے ہی جیتی جاتی ہے اور ہٹلر کی فوج اصلی فوج نہیں ہے۔

"یوں تو یہ فوج اصلی فوج سے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک تجربہ کار شخص بھی آسانی سے دھوکہ کھا سکتا ہے۔ جرمن سپاہی باقاعدہ طور پر مارچ کرتے ہیں۔ اُن کی تربیت اصول و قواعد کے مطابق ہوتی ہے۔ ان میں سے کئی ایک اچھے نشانہ باز ہیں۔ اکثر بہادر بھی ہیں۔ اُن کے سپہ سالار فتنہ سازی اور سپہ گری کا فن خوب جانتے ہیں۔ وہ جری اور بہادر بھی ہیں ——

"لیکن اس کے باوجود یہ اصلی فوج نہیں ہے، بلکہ محض دکھاوے کی فوج ہے۔ اس پر ہمیشہ لوٹ گھسوٹ کا بھوت سوار رہتا ہے۔ شاید آپ میرا مفہوم زیادہ اچھی طرح سمجھ سکیں اگر میں یہ کہوں کہ یہ فوج سپاہیانہ نہیں بلکہ تاجرانہ خصوصیات رکھتی ہے ——

"ان ہی چالوں کی وجہ سے جرمن رجمنٹ فوجی قدر و قیمت کی بعض اہم خصوصیات سے محروم ہو گئی ہے۔ جب اس کا مقابلہ ہماری کسی رجمنٹ سے ہوگا تو اُسے شکست اٹھانی پڑے گی۔ نازی جنگ ہار گئے ہیں۔"

ہٹلر اور اس کا گروہ نہ صرف اپنے عوام کو فوجی گاڑی میں جوت رہا ہے بلکہ ہر طرح کی دہشت اور دھوکے سے یورپ کے تمام مفتوح باشندوں سے بھی یہی کام لینا چاہتا ہے۔ یورپ کے عوام پر جنہیں غلام بنایا گیا ہے، ہٹلری فوج کے حملے اور تسلط نے غیر معمولی مظالم ڈھائے ہیں۔ بیگار اور

لوٹ کھسوٹ، شہری آبادی پر تشدد، جرمنوں کے بسانے کی غرض سے بعض مفتوحہ علاقوں کے پورے باشندوں کو نیست و نابود کر دینا اور نازی فاتحوں کی خدمت بجا لانے کے لئے جبری مزدوروں کی وسیع پیمانے پر منتقلی، یہ آج نازیوں کا روزانہ کا شغلہ ہے۔

مفتوحہ باشندوں کو نہایت منظم طریقے سے اور وسیع پیمانے پر لوٹا کھسوٹا جا رہا ہے اور یہ تمام لوٹ کھسوٹ موجودہ اجارہ داری، تبادلہ کے جوڑ توڑ، جبری کارٹیلوں اور انضمام حصص پر نگرانی کمپنیوں پر تصرف، بنکوں کی اجارہ داری اور کرنسی کی قیمت گرانے کے جملہ جدید اور ترقی یافتہ حربوں کے ذریعہ عمل میں لائی جا رہی ہے۔ مفتوحہ علاقوں کی پیداوار نازی فوجی ضروریات کے لئے استعمال ہو رہی ہے۔ ایسی صنعتوں کو جو عوام کے استعمال کا سامان تیار کیا کرتی تھیں، خام اشیا سے محروم کر دیا گیا ہے یا پھر انھیں فوجی سامان تیار کرنے کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ضروریات زندگی کی کمی کے باوجود لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ نازیوں کی جنگی مشین کے لئے برابر کام کرتے رہیں وہ مشین جو اُن کے ملک کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہے اور جس کے ذریعے ان کی محنت کی پیداوار دوسرے ملکوں کو غلام بنانے کے لئے استعمال کی جا رہی ہے۔ مقبوضہ ممالک کے عوام کو جرمن حاکموں کی خدمت بجا لانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اس غرض کے لئے یا تو مزدوروں کو براہ راست جرمنی میں منتقل کر دیا جاتا ہے (چنانچہ اس وقت بیرونی مزدوروں کی تعداد بیس لاکھ ہے اور سرکاری بیانات کے مطابق وہ چالیس لاکھ تک پہنچنے والی ہے) یا پھر وہاں کی صنعتوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر تو یہ کہ غلہ، مویشی، دوسری زرعی پیداوار اور بعض حالات میں کارخانوں کو بالکل ضبط کر لیا جاتا ہے۔

"جس ملک کو بھی انھوں نے غلام بنایا ہے وہاں کی تقریباً تمام زرعی پیداوار ضبط کر لی گئی ہے اور مویشیوں کی ایک بڑی تعداد کو مار ڈالا گیا ہے۔ صرف اسی ہفتہ میں یعنی ۱۶ ستمبر سے ۲۲ ستمبر تک جرمنی نے سترہ ہزار بھیڑیں ڈنمارک سے منگوائی ہیں جن میں سے پندرہ ہزار کو فوراً ذبح کیا جانے والا ہے اور باقی دو ہزار چرائی کے لئے استعمال کی جانے والی ہیں۔ اسی طرح گیارہ ہزار سے زیادہ

مویشی ڈنمارک سے رائیش کے مغربی اضلاع میں منتقل کی جا چکی ہیں۔ ہالینڈ کے مکھن کا ۹/۱۰ حصہ ایک ہی ہفتہ میں ختم ہو چکا ہے۔ نیدرلینڈ کی دو کروڑ اسی لاکھ مرغیوں میں سے دو کروڑ تیس لاکھ مرغیاں اسی خزاں تک نازیوں کے پیٹ میں چلی جانے والی ہیں۔" (ٹائمز۔ ۳۰؍ ستمبر ۱۹۴۲ء)

جو رسد حاصل کی جاتی ہے اس کی قیمت عام طور پر ادا کر دی جاتی ہے لیکن "جعلی مارک" کی صورت میں ہوتی ہے! یہ قرضہ کی ایسی خاص شکل ہے جو مصنوعی طور پر بڑھائی ہوئی انتہائی شرح تبادلہ کے ذریعے رائج کی گئی ہے۔ اس طرح مقامی کرنسی کی قیمت گھٹا کر اس ملک کی معشیت کو جرمن معشیت کا تابع کر دیا جاتا ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ ہر محکوم ملک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ جرمنی کی صنعتی اشیا کو اجارہ کی انتہائی قیمتوں پر خریدے۔ یہی وہ نظام ہے جو نازی مالیات کے سب سے بڑے عیار ڈاکٹر شاشٹ نے ایجاد کیا ہے۔ شاشٹ نے اسی نظام کے ذریعے جنگ سے پہلے ہی بلقان اور جنوب مشرقی یورپ کو جرمنی کی معاشی غلامی میں جکڑ دیا تھا اور اب یہی نظام جنگ کی مدد سے، ایک بڑے پیمانے پر اور مزید سفاکی کے ساتھ سارے یورپ پر مسلط کر دیا گیا ہے۔

مقبوضہ حکومتوں کو نازی فوجوں کے لئے تقریباً نوے کروڑ پونڈ سالانہ یا فی نازی سپاہی ۱۲ پونڈ ادا کرنے پڑتے ہیں —— یہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اس سے برطانوی معیار کے اسّی لاکھ سپاہی رکھے جا سکتے ہیں۔ یہ رقم حقیقت میں خراج کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ افواج کی ضروریات سے کہیں زیادہ ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ مفتوحہ باشندوں سے نازی سالانہ تقریباً ایک ارب پونڈ سے ایک ارب دس کروڑ پونڈ تک یا قبل جنگ کی قومی آمدنی کا اوسطاً ۱/۵ حصہ وصول کرتے ہیں۔ ضبط شدہ جائداد، کارخانے، مشینری، اسلحہ اور دیگر سامان کی مالیت کا تو اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ایک ارب پونڈ کا سونا اور ذاتی جائداد (سوویت یونین پر حملہ سے پہلے) ضبط کی جا چکی ہے۔

خود جرمن اخبارات کے اعداد کے مطابق صرف فرانس میں، صلح سے لے کر ۱۹۴۱ء کے اختتام تک، ڈیڑھ سال کے قبضہ کے دوران میں بیس کھرب فرانک ضبط کئے گئے ہیں۔

فرانس کے گیہوں کی آدھی فصل، اسی فیصدی شراب، آلو اور نیشکر کی بڑی مقدار اور لاکھوں مویشی جرمنوں نے ہضم کر ڈالی۔ ۱۹۴۱ء میں فرانس کی نوے فیصدی ڈبہ کی غذائیں اور پچاسی فیصدی ترکاریاں جرمنی بھیجدی گئیں۔ فرانس کے چھ ہزار کارخانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ فرانسیسی خام اشیاء سے جرمنی کے لئے استعمال کا سامان تیار کریں۔ ۱۹۴۲ء کے آغاز تک ہی مقبوضہ فرانس کی اسی فیصدی صنعتوں پر جرمن احکام کی بنا پر قبضہ کر لیا گیا تھا (ایکانمسٹ - ۱۲ فروری ۱۹۴۲ء)

اناج کی اس لوٹ کھسوٹ سے فرانسیسی عوام کو فاقہ کشی اور مہلک بیماریوں کے سبب جو مصائب اٹھانے پڑے اس کی تصدیق فرانس کے سرکاری اعداد و شمار سے ہوتی ہے۔ محکمہ حفظان صحت کی رپورٹ ہے کہ جنوری ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں جنوری ۱۹۴۲ء میں شرح اموات میں ۴۹ فیصدی اور بچوں کی اموات میں ۵۰ فیصدی اضافہ ہوا۔ وشی کے محکمہ حفظان صحت کی رپورٹ بابتہ اکتوبر ۱۹۴۱ء مظہر ہے کہ بارہ برس کی عمر کے پچاس فیصدی بچے محض فاقہ کشی کی وجہ سے بیمار پڑ گئے اور ۱۹۴۱ء کے ابتدائی چھ مہینوں میں بچوں کی شرح اموات تگنی ہو گئی۔

مفتوحہ باشندوں کی قوت مدافعت ختم کرنے کے لئے دہشت انگیزی نہایت منظم طریقے پر عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عوام اخلاقی اور جسمانی طور پر بے بس ہو کر نازی اقتدار کو تسلیم کر لیں۔ پولینڈ کی حکومت نے ۱۹۴۲ء کی ابتدا میں جو کتاب "پولینڈ میں جرمن نظام نو" کے نام سے شائع کی ہے اس میں پولینڈ میں عام کشت و خون، انفرادی قتل، قید اور فاقہ کے متعلق شہادتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ لڑائی کے ختم ہونے اور "نظام نو" کے قائم ہونے کے بعد اسی ہزار پولش مرد، عورتوں اور بچوں کو ان کے گھروں کے اندر یا گھروں کے آس پاس قتل کیا گیا۔ ان کے علاوہ ہزاروں کی جانیں حراستی کیمپوں میں تلف ہوئیں۔ جبری مزدوری کو منظم طور پر رواج دیا گیا۔ بڑے شہروں میں یہودیوں کے لئے مخصوص دیوار بند علاقے مقرر کئے گئے۔ پولینڈ کے تمدن کو مٹانے کی غرض سے یونیورسٹیوں اور ہائی اسکولوں یہاں تک کہ ابتدائی مدرسوں کو بھی بند کر دیا گیا۔ حکومت چیکوسلوواکیہ کی رپورٹ بابتہ مارچ ۱۹۴۳ء سے

ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیری انصاف کے نام پر سربیا میں کس طرح قتل عام کیا گیا۔ کس طرح ماکوا کے علاقے میں صرف ایک مہینے کے اندر نازیوں نے پندرہ ہزار سے زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ تقریباً تمام گاؤں میں آگ لگادی اور رونگ کے علاقہ سے مویشی ہٹاکر گورنجی میلانووک کے ساڑھے چار سو مکانات میں سے بہتر مکانات کے علاوہ سب کو نذرِ آتش کردیا گیا۔ شہر کرال جیو کے متعلق تو خود سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ وہاں چھ ہزار انسانوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ بلگریڈ سے اسّی میل جنوب میں شہر کراگوجیوک میں ہٹلر کے حکم سے حسب ذیل نوٹس لگایا گیا تھا۔

"ہر ایک جرمن سپاہی کے قتل کی صورت میں سربیا کے ایک سو باشندوں کو اور ہر ایک جرمن سپاہی کے زخمی ہونے کی صورت میں پچاس باشندوں کو گولی کا نشانہ بنایا جائے گا۔ گھروں سے گولی چلانے کے الزام میں متعلقہ گھروں کے تمام ایسے افراد کو مار ڈالا جائے گا جن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہو۔ خود اس مکان کو مسمار کرکے اُس میں آگ لگادی جائے گی۔"

فرانس میں جن بڑی ہستیوں کو قتل کیا گیا ان میں کمیونسٹ گبرائیل پیری، ایموگویت، ریمنٹ اور سیمارڈ جیسے بہادر اور مشہور عوام کے رہنما بھی شامل ہیں۔ ناروے کی مزدور جماعتوں کے رہنماؤں کو قتل کرنے کے بعد وہاں کے شہروں پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔ وہاں سے جو تھوڑے بہت لوگ بھاگ نکلے انھوں نے جب ان واقعات کو مارچ ۱۹۴۳ء میں سویڈن کے بعض اخبارات میں شائع کرایا تو خود سویڈن کی حکومت نے ان اخباروں کو ممنوع قرار دیا جن میں یہ ہولناک واقعات شائع ہوئے تھے۔ دہشت انگیزی کے وہ مشہور طریقے جواب تک جرمنی میں رائج تھے، انتہائی مہیب شکل میں سارے یورپ میں رائج کردئے گئے ہیں۔

سویت یونین کے خلاف جنگ نے نازی لیڈروں پر یہ اچھی طرح واضح کردیا ہے کہ مقبوضہ علاقوں کے سویت باشندوں کی مزاحمت کو نہ تو وہ شکست دے سکتے ہیں اور نہ

انھیں اپنا آلہ کار بنا سکتے ہیں۔[1] اس لئے انھوں نے اب ان علاقوں کے باشندوں کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک اختیار کیا ہے جو ان نازیوں کے پچھلے سیاہ کارناموں کو بھی مات کر دیتا ہے اکتوبر ۱۹۴۱ء کو فیلڈ مارشل فان رائشیناؤ نے جو حکمنامہ جاری کیا تھا اس میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ تمام سویت باشندوں کو قتل کر دیا جائے اور اُن کے تاریخی آثار کو مٹا دیا جائے۔

" مقامی آبادی اور جنگ کے قیدیوں کے لئے غذا فراہم کرنا غیر ضروری انسان دوستی ہے ... سپاہیوں کو چاہئے کہ وہ صرف اُن عمارتوں کو آگ سے محفوظ رکھیں جو فوج کے رہنے کے کام آ سکتی ہوں۔ بقیہ تمام عمارتوں کو جو بولشویکوں کے اقتدار اور سیادت کی نشانیاں ہیں،

---

[1] " اس پورے علاقے میں جسے ہٹلر نے تباہ و برباد کیا ایک بھی روسی کوئزلنگ (غدار) نہیں ہے"۔ (ایڈن کی نشری تقریر - ۴ جنوری ۱۹۴۲ء)۔ " ہٹلر نے یہ امید کی تھی کہ اس وسیع سویت علاقہ میں جسے اُس نے روندا اور جہاں کے عوام اس کے مظالم کے شکار ہوئے، کوئزلنگ اور پانچویں دستے کے لوگ موجود ہوں گے۔ اُس نے اُن کا انتظار کیا، اُن کی تلاش و جستجو کی لیکن بے سود"۔ (چرچل کی نشری تقریر - ۱۶ فروری ۱۹۴۲ء)۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تو خود نازیوں کے سرکاری اعتراف میں ملتا ہے۔ چنانچہ مقبوضہ علاقوں میں مقامی حکومت کے اداروں کے قیام سے متعلق روزنبرگ کے حکمنامہ سے سفید روس کے جنرل کمیسریت کو اس بنا پر خارج کر دیا گیا کہ " سویت نظام کے پچیس سال گزارنے کے بعد وہ ضروری ادارے اور افراد موجود نہیں رہے جن کی بنا پر مقامی حکومت قائم ہو سکے"۔ اسی طرح ڈاکٹر شلوٹر نے، جو مشرقی مقبوضہ علاقوں کی رائش وزارت کا وزارتی ناظم ہے یہ شکایت کی کہ مقبوضہ سویت علاقوں میں " اشتراکیت اس درجہ سرایت کر چکی ہے کہ لوگ قبضہ، ملکیت اور انفرادی کاروبار کے جملہ تصورات سے عاری ہو چکے ہیں"۔ (نیشنل زیتونگ ۱۲ فروری ۱۹۴۳ء) اسی طرح سفید روس کے ناظم عامہ کوبے نے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس میں جو ۲۰ فروری ۱۹۴۳ء کو منعقد ہوئی تھی یہ شکایت کی کہ " مقبوضہ علاقہ کے نوجوانوں میں بالشویک خیالات پوری طرح جاگزیں ہو چکے ہیں"۔

ڈھا دینا چاہیے۔ تاریخ اور آرٹ کے مشرقی خزانے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے"۔

جرمن مظالم کے متعلق مولوتوف کی جو یادداشت ۶ جنوری ۱۹۴۲ء کو شائع ہوئی ہے، اس سے جرمنوں کی بربریت اور اُن کی تباہ کاریوں پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔ اس یادداشت میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح شہروں اور دیہاتوں کو تباہ کیا گیا، رہائشی مکانات، پبلک عمارتیں، فیکٹریں، کارخانوں، مدرسوں، کتب خانوں، ہسپتالوں اور عبادت گاہوں میں آگ لگا دی گئی۔ ایک گاؤں میں تو ۹۹۸ مکانات میں سے ۹۶۰ مکانات تباہ کر دیے گئے۔ دوسرے گاؤں میں ۶۰۲ میں سے ۵۶۴ مکانات برباد کر دیے گئے۔ ایک اور جگہ ۳۳۲ میں سے ۲۲۵ مکانات کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ مقبوضہ شہروں اور دیہاتوں میں جا بجا بے گناہ عوام کو پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا گیا، تمام غلّہ، مویشی، مرغیاں، کپڑا لتّا، کمبل اور برتن زبردستی چھین لیے گئے۔ مردوں اور عورتوں کو ننگا کر کے چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ بھوک اور روس کی سخت سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں۔ حاملہ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ بچوں پر گولی کے نشانہ کی مشق کی گئی۔ آبادی کو خوفزدہ کرنے کی غرض سے عورتوں اور بچوں کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے جسموں کو قطاروں میں لٹکایا گیا۔ کیف پر قبضہ کے کچھ ہی دنوں میں باون ہزار مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل کیے گئے۔ اُنھیں سخت ایذا پہنچائی گئی۔ لووات میں چھ ہزار، اُڈیسہ میں آٹھ ہزار انسانوں کا خون بہایا گیا۔ کامینٹس پوڈلسک میں ساڑھے آٹھ ہزار آدمیوں کو یا تو گولی مار دی گئی یا پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ ڈنیپروپٹرووسک میں ساڑھے دس ہزار انسانوں کو مشین گن سے ہلاک کیا گیا۔ اور جہاں تک جنگ کے قیدیوں کا تعلق ہے "سرخ فوج کے قیدیوں کو جلتی ہوئی سرخ سلاخوں سے ایذا پہنچائی جاتی ہیں۔ ان کی آنکھیں نکال دی جاتی ہیں۔ ہاتھ، پاؤں، کان اور ناک کاٹ دیے جاتے ہیں۔ ان کے پیٹ چیر دیے جاتے ہیں اور ٹینکوں سے باندھ کر اُن کے پرخچے اڑا دیے جاتے ہیں"۔

مارچ ۱۹۴۲ء میں سویت عورتوں نے جرمن عورتوں کے نام جو اپیل نشر کی تھی اس میں انھوں نے کہا ہے: "جرمن خواتین! کیا تمھیں معلوم ہے کہ مقبوضہ سویت علاقہ میں نازی کیا کر رہے

ہیں؟ اُنھوں نے سویت باشندوں کو ناقابل بیان مصائب اور تکالیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ حاملہ عورتوں کے جسم چیر دیتے ہیں۔ نوجوان ماؤں کی چھاتیاں کاٹ ڈالتے ہیں۔ سرخ فوج کے سپاہیوں کی آنکھیں نکال ڈالتے ہیں۔ اُن کے چہروں پر گرم لوہے سے نازی نشان سواستک بناتے ہیں۔ ہسپتالوں پر بم برساتے ہیں۔ بچوں کے مدرسوں کو نذر آتش کر دیتے ہیں اور زندہ انسانوں کو آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ انھوں نے سیکڑوں انسانوں کو سخت جسمانی اذیتیں پہنچا کر لقمۂ اجل بنایا ہے۔"

ساری دنیا کے عوام ان فاشسٹ لیڈروں کے جرائم کو کبھی نہیں بھول سکتے اور نہ اُنھیں معاف کر سکتے ہیں۔ وقت آنے پر ان سے پورا انتقام لیا جائے گا تاکہ فاشزم کا دنیا سے نام و نشان مٹا کر انسانیت کو اس سے نجات دلائی جائے۔

مفتوحہ علاقوں میں اپنے اقتصادی اقتدار اور لوٹ کھسوٹ کا جال پھیلا کر ہٹلر صرف یہی نہیں چاہتا کہ ان سے فوری فائدہ حاصل کرے بلکہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ وہاں کی پوری معیشت اور مالیات پر اپنا مستقل قبضہ جمائے رکھے۔

مقبوضہ علاقوں کے کاروبار اور تجارتی اداروں کو جرمن کارٹل کے نظام سے منسلک کر دیا گیا ہے اور اُن پر جرمن بنکوں کا پورا تسلط قائم ہے یا پھر جرمن حصہ داروں کے ذریعہ اُن کے پورے حصص کو اپنے قبضہ میں کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ بلجیم کی پوری کوئلہ کی پیداوار کو نئی تشکیل یافتہ کوئلہ کے مالکان کی انجمن کے تابع کر دیا گیا ہے، جو جرمن کوئلہ کی صنعت کے اجارہ داروں کے زیر نگرانی ہے۔ فولاد کی صنعت کو فولاد کے مالکان کی انجمن کے ذریعہ جو اب جرمن سرمایہ دار آٹو وُلف کے ماتحت ہے، جرمن فولاد کے اجارہ دار کمپنی کے قبضہ و تصرف میں دے دیا گیا ہے۔ کیمیائی صنعت اب سالوے کمپنی کی نگرانی میں ہے جس میں سب سے زیادہ اثر ہرمان گوئرنگ کمپنی کا ہے۔ جرمن بنکوں کی نام نہاد امداد کے بہانے بلجیم کی صنعتوں پر جرمن سرمایہ اپنے پنجے جما رہا ہے۔ یہی چیرہ دستیاں فرانس میں بھی جاری ہیں۔

"جرمن حکام اُس غیر صرف شدہ رقم کو جو اُنھیں قبضۂ فرانس کے مصارف کی بابت صلح نامہ کی رو سے وصول ہوئی ہے، معدنیات، لوہے اور فولاد کے کارخانوں، کیمیائی، برقی، موٹر کے کارخانوں کے حصص پر قبضہ کرنے کی غرض سے کام میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اور ذرائع سے فرانس کی تقریباً پوری صنعت براہ راست یا بالواسطہ جرمن قبضہ و تصرف میں آچکی ہے۔"

(ٹائمز۔ ۱۸ نومبر ۱۹۴۱ء)

مقبوضہ ممالک کے وسائل دولت کو اس طرح جرمن اجارہ داری سرمایہ میں ضم کرکے اور غاصبانہ بندھنوں میں جکڑ کر کوئزلنگ* اور پانچویں دستہ کی اقتصادی بنیادیں مستحکم کی گئی ہیں۔ یہ غدار، سوائے سوویت علاقہ کے، جہاں ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی، تمام مفتوحہ ملکوں میں نازی جرمنی کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ یہ کوئزلنگ صرف انفرادی طور پر ہی غدار، شورش پسند اور بھاڑے کے ٹٹو نہیں ہیں بلکہ وہ سرمایہ داروں، تاجروں، لکھ پتیوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی ایسے فاسد گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو نازی لوٹ کھسوٹ کے نظام اور مقبوضہ علاقوں کے درمیان ایک کڑی ہیں۔ ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء کا "ایکانمسٹ" لکھتا ہے کہ مختلف مفتوحہ ملکوں میں جرمنی کی

---

* اصلی کوئزلنگ (غدار) سلطنت برطانیہ کا ایک کمانڈر تھا اور "چرچ ٹائمز" کے سابق اڈیٹر سڈنی ڈارک کے خیال میں وہ ایک جدت پسند عیسائی فرقہ کا رکن بھی تھا، جس کو انگلستان کی حکومت نے ماسکو میں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک برطانوی مفاد کی نمائندگی کرنے کے صلہ میں اعزاز سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کی کتاب "روس اور ہم" جسے لندن کے ایک بڑے پبلشر نے ۱۹۳۳ء میں شائع کی تھی اس مخصوص غدارانہ جملہ سے شروع ہوتی ہے:-

"ایک بہت ہی خطرناک دشمن ہمارے تمدن اور بالخصوص برطانوی شہنشاہیت کو دھمکی دے رہا ہے اور یہ دشمن روس کا بھوت بالشویزم (کمیونزم) ہے۔"

طرح "مزدور محاذ" قائم کرنے کی کوشش کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ اس تجویز کو صرف مختلف سرمایہ دار جماعتوں ہی کی تائید حاصل ہو سکتی ہے۔" لیکن واضح رہے کہ یہ سرمایہ دار اُس پست اور زوال پذیر سرمایہ دار طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جس میں اب یہ اعتماد بھی نہیں رہا کہ وہ عوام کے مقابلہ میں اپنے اقتدار کو بھی قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے اب وہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اپنی قوم کو نازی آقاؤں کے ہاتھ بیچ کر اُن کے ٹکڑوں پر اپنی زندگی بسر کریں۔ قوم کے یہ دشمن جن کی لگام نازی قاتلوں کے ہاتھ میں ہے، یورپ کے "نظام نو" اور "بالشویزم کے خلاف جہاد" کے حامیوں کے بھیس میں نمودار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ "ریوم کے مقدمہ" کے انکشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح فرانس کے ممتاز رجعت اور فوجی گروہ نے فرانس کے دفاعی ذرائع کو اندر ہی اندر درہم برہم کر دیا تھا اور فرانسیسی قوم کی جمہوری قوتوں کو شکست دینے کی غرض سے دشمن کے لئے دروازہ کھول رکھا تھا۔ یہ فیلڈ مارشل لیوتے ہی تھا جس نے ۱۹۳۱ء میں کہا تھا کہ "میں اُن جرمنوں کے مقابلہ میں جو میرے ہی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کچھ فرانسیسیوں سے یعنی انقلاب پسندوں سے زیادہ نفرت کرتا ہوں"۔ اسی طرح وہ قدامت پسند ٹوری بیرٹرانڈ ہی تھا جس نے کہا تھا کہ "میں اپنے آپ کو ہٹلر اور اس کے حواریوں سے بہت قریب پاتا ہوں، اُس سے کہیں زیادہ قریب جتنا کہ کمیونسٹوں سے۔" غرض یہی ہے وہ انقلاب دشمنی اور غداری (جس کا مظاہرہ کوبلنز، تی شاہ پرستوں اور زار پرست جلاوطنوں نے اپنے ہی ملک کے خلاف ہتھیار اُٹھا کر کیا تھا) جس کا انسداد نہ کیا گیا تو یقیناً وہ ہر قوم کو تباہی اور غلامی کے گڑھے میں دھکیل دے گی۔ اور یہی ہے وہ حربہ جسے نازیت بڑی عیاری سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہی ہے۔

عوام کے قتل عام، لوٹ کھسوٹ اور اُنھیں غلام بنانے کا یہی وہ ناجائز، نفرت انگیز اور خون آلود ہتھیار ہے جس پر ہٹلر، چند غداروں کے تعاون سے، یورپ اور اُس کے بعد ساری دنیا میں اپنا "نظام نو" تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یورپ کا یہ "نظام نو" جرمنی کی "قومی اشتراکیت" کی طرح ایک بہت بڑا فریب ہے جس طرح جرمنی میں اجتماعی تنظیم کی ضرورت کو نازی لیڈروں،

جاگیرداروں، جنگ پرستوں اور سرمایہ داروں کی رہزنی کی پردہ پوشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح یورپ کے اقتصادی اور سیاسی نام نہاد اتحاد کی ضرورت پر اس لئے زور دیا جاتا ہے تاکہ نازی ڈاکو اور جرمن اجارہ دار یورپ کو غلام بنا کر اس کا استحصال کرتے رہیں۔

یورپ کے "نظامِ نو" کا تصور (ایشیا میں جاپان کے نظام نو" کی طرح) بالکل حکمراں جماعت یا "اعلیٰ نسل" کا تصور ہے، جو بزورِ شمشیر عوام پر اپنا تسلط برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ اس نظام نو کی منزل مقصود یورپ نہیں بلکہ ساری دنیا ہے۔ یورپ میں اس کی برکات تو ابھی ابتدائی منزلوں میں ہیں۔ یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ جرمنی اور یورپ کے عوام کے درمیان ایک خط تفریق کھینچ دیا گیا ہے۔ یہ طے کیا گیا ہے کہ یورپ کے اقتصادی ڈھانچہ کو اس طرح منظم کیا جائے کہ وہ جرمن مالیاتی سرمایہ کی ضروریات پوری کرتا رہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسرے ملک محض زرعی نوآبادیات کی حیثیت سے جرمن صنعت کے لئے خام اشیا اور بیگار فراہم کرتے رہیں۔ اس "نظامِ نو" کی رو سے "عظیم تر جرمنی" کی توسیع کے لئے جہاں کہیں اور جب کبھی ضرورت ہو، موجودہ آبادی کو مٹا کر یا اُسے جلا وطن کر کے جرمن آبادکاروں کے لئے علاقے فراہم کئے جانے چاہئیں۔ غلامی کے اس نظام کے اندر جرمنی کی محنت کش آبادی کو "برتر مزدوروں" کی حیثیت دی گئی ہے، یہ برتر مزدور دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں زیادہ مراعات کے مستحق ہیں۔ چنانچہ انھیں مالِ غنیمت کے کچھ حصہ سے مستفید ہونے کا لالچ دیا گیا ہے۔ غرض اس طرح جرمنی کے مزدوروں کو لالچ کے جال میں پھانسا جاتا ہے تاکہ وہ اپنا خون بہا کر غلامی کے اس نظام کو برقرار رکھنے میں حصہ لیں۔

اس وقت غذا کی جو تقسیم ہو رہی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کے اس "نظامِ نو" میں حاکم اور محکوموں کے درمیان کس قدر وسیع خلیج حائل ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ جرمنی کے مقابلہ میں اُس کے مقبوضہ ملکوں کی حالت ۱۹۴۲ء کی ابتدا میں کیا تھی۔

عام راشن (فی ہفتہ اونس کی مقداریں)

	موجودہ راشن	گوشت	روغن کی جملہ مقدار
جرمنی	"	۱ ر ۴ ۱	۸ ر ۸
"	سنہ ۱۹۱۶ء کا راشن	۸ ر ۸	۰ ر ۴
فرانس	موجودہ راشن	۸ ر ۸	کوئی راشن مقرر نہیں
بلجیم	"	۶ ر ۸	۷ ر ۳
ہالینڈ	"	۵ ر ۲	۰ ر ۷
پولینڈ	"	—	۴ ر ۴
فن لینڈ	"	۵ ر ۲	۳ ر ۱

(ایکانمسٹ - ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۴۳ء)

یہ فرق زندگی کے ہر شعبہ، سماجی اور سیاسی تنظیم کے ہر پہلو سے ظاہر ہوتا ہے۔ تمام نازی مقبوضہ ممالک میں جرمنوں کو خاص حقوق و مراعات حاصل ہیں۔ انہیں جرمنی کے زیر قیادت ایک علیحدہ نسلی گروہ کی حیثیت دی گئی ہے۔ ان کی حفاظت ایسے معاہدوں اور قوانین کے ذریعہ کی جاتی ہے جو اپنی نوعیت میں نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ملکوں کے قدیم "مراعات" اور "ورائے علاقہ جاتی" نظام کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

"غیر جرمن آبادی کے مفتوحہ علاقوں میں جرمنوں کو فوراً ایک مخصوص طبقہ کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔ وارسا کا ایک علاقہ دس ہزار جرمنوں کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس کو دوسرے علاقوں سے ممتاز کرنے کی غرض سے اس کے چاروں طرف سبز رنگ کی ایک باڑ لگائی جا رہی ہے۔ جو علاقے براہِ راست جرمنی کے قبضہ میں نہیں ہیں ان کی حکومتوں کو را ایشین مجبور کرتی ہے کہ وہاں بسنے والے جرمنوں کو "مخصوص طبقہ" اور ایک ممتاز گروہ تسلیم کرے۔

اس قسم کے عہدنامے کروشیا اور سلوواکیہ سے بھی کئے گئے ہیں۔ اور رومانیہ اور ہنگری کو بھی اس کا پابند کیا گیا ہے۔" (ٹائمز۔ ۹ر فروری ۱۹۴۳ء)

۱۹ر نومبر کو برلن یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے پولینڈ کا گورنر جنرل فرانک کہتا ہے:۔ "اب ہٹلر کی قیادت میں ایک عالمگیر قومی اشتراکی سلطنت جنم لے رہی ہے۔" جنوری ۱۹۴۱ء میں اسی گورنر جنرل فرانک نے وارسا میں جرمن عہدہ داروں کے ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے اسی سلطنت کے اصولوں کا اس طرح اعلان کیا تھا۔

"اس حکومت کا نظم و نسق اُس کام کے لئے ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے رائش کو مستقبل میں دوچار ہونا ہے یہ پہلا ملک ہے جس پر ہمسایہ کی حیثیت سے قبضہ کیا گیا ہے۔ یہ رائش کا معاونتی علاقہ ہے۔"

اسی طرح گریزر کہتا ہے۔

"ہم نے جس سرزمین پر قبضہ کیا ہے اس کا ایک انچ بھی کبھی اہل پولینڈ کی ملک نہیں بن سکے گا۔ پولینڈ والے ہماری خدمت بجا لا سکتے ہیں۔ حکمرانوں کی طرح نہیں بلکہ غلاموں کی طرح۔ کیونکہ وہ حکمرانی کے نااہل ثابت ہو چکے ہیں۔"

نازیوں کا نظام تو "تاریخ میں کوئی نیا نہیں ہے بلکہ وہ اتنا ہی پُرانا ہے جتنی کہ غلامی اور ظلم و ستم کی داستان پُرانی ہے۔ اس نظام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کی غلام سلطنتوں کی خصوصیات کو پھر زندہ کیا جائے۔ نازیوں میں مستقبل کی جانب دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ ماضی کی مٹی ہوئی شان و شوکت سے متاثر ہونا چاہتے ہیں۔ روزنبرگ نے چیکوسلواکیہ پر قبضہ کے بعد یکم مئی ۱۹۳۹ء کو بمقام ایگرلا جیبل تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہٹلر کی سلطنت بھی بالکل شارلمین کی سلطنت کی طرح ہوگی۔ یہی نہیں بلکہ ——

"اور دولت ہٹلر کی جرمنی کے زیر سایہ ہر وہ چیز جمع کر دی جائے گی جو جرمنی کی ایک ہزار

سال کی تاریخ میں کر سکی ہے۔ جرمن باشندوں کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ اب 'ایک قوم' 'ایک ملک' کا نعرہ ختم ہو چکا ہے۔ آج سے قدیم جرمن سلطنت کے تمام باشندے جرمن رائیش کے آغوش میں لے لئے جائیں گے جیسا کہ بوہیمیا اور موراویہ کے قبضہ سے ظاہر ہے۔ آج سے شارلیمن نازی فلسفہ کا نیا رہنما اور اڈولف ٹھلر اس کا پہلا حقیقی جانشین ہے۔"

اس خیالی دعویٰ نے ۱۹۳۹ء ہی میں یہ اشارہ کیا تھا کہ نئی "عظیم تر جرمنی" کی سرحدیں آئندہ کہاں تک پہنچنے والی ہیں۔ شارلمین کی سلطنت میں جرمنی کے علاوہ پورا فرانس، سوئزرلینڈ، ہالینڈ، بلجیم، نصف اٹلی، یوگوسلاویہ اور ہنگری کا ایک حصہ شامل تھا۔ اور گزشتہ ایک ہزار سال کے دوران میں نصف پولینڈ بھی جرمنی کی حدود میں داخل تھا۔

جدید "عظیم تر جرمنی" میں یورپ کے (سویت یونین کے علاوہ) تمام صنعتی علاقے شامل ہیں۔ باقی علاقوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ وہاں صنعتی مزدوروں کے مقابلہ میں زرعی مزدوروں کی تعداد دُگنی کر دی جائے۔ مستقبل میں اقتصادی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے رائیش کا وزیر مالیات ڈاکٹر فنک ۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء کو ایک تقریر میں کہتا ہے۔

"زمانۂ امن کا اقتصادی نظام ایسا ہونا چاہئے کہ اس سے "عظیم تر جرمنی" کو زیادہ سے زیادہ سلامتی کا اطمینان ہو اور جرمن باشندوں کو استعمال کی اشیاء زیادہ سے زیادہ مہیا ہو سکیں تاکہ ان کی خوش حالی میں اضافہ ہو۔ یورپ کے اقتصادی نظام کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔"

ڈاکٹر فنک نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس "نظام نو" کے تحت یورپ اور دنیا کے محکوم عوام کی کیا حیثیت ہو گی۔

"یہ ضروری ہے کہ ہم صرف ایک قومی ریاست کا ہی تصور نہ کریں بلکہ ایک عالمگیر سلطنت کو پیش نظر رکھیں۔ اہل پولینڈ یا نوآبادیوں کے حبشیوں کے درجہ اور حیثیت کو تعزیری قانون کے تحت جرمن باشندوں کی سیادت و برتری کے نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے۔"

۷ ارمارچ ۱۹۴۲ء میں اپنی ایک تقریر میں جو رائیش بنک کے جلسہ عام میں ہوئی تھی، ڈاکٹر فنک نے بہ حیثیت صدر رائش بنک جنگی قرضہ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ایسا قرضہ "موجودہ حالات میں ناقابل تصور ہے" لیکن

"فتح کے بعد، قرضہ کا کوئی سوال باقی نہ رہے گا کیونکہ سستی خام اشیا اور مزدوروں کی وجہ سے جو اس وقت جرمنی کے تصرف میں ہوں گے، یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا"

"سستی خام اشیا اور مزدوروں پر جرمنی کا تصرف" ـــــ نازی جوے بازوں نے اسی کی بازی لگائی ہے۔ اور یہی وہ برکات ہیں جو رائیش کے وزیر مالیات کے پیش کردہ "نظام نو" کی جانب سے فاشزم کی "فتح کے بعد" دنیا کے مفتوحہ عوام کو عطا کی جانے والی ہیں۔

غرض جو کچھ آج ہو رہا ہے اور آئندہ ہونے والا ہے اُس سے نازیوں کے مقاصد جنگ اور یورپ اور دنیا میں اُن کے "نظام نو" کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ ان کے مقاصد جنگ یہ ہیں کہ تسلط اور غلامی کے ایک نظام مراتب میں بین الاقوامی قیادت اور فاشسٹ دور حکومت کے اقتدار کو ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا جائے ـــــ یہ ایک ایسا مخروط نظام ہے جس میں سب سے بلند مرتبہ ہٹلر، نازی لیڈروں، جرمنی کے جنگ بازوں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کو حاصل ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی جرمن مفتوحہ ملکوں کی وہ آبادی ہے جو "جرمن نسل" سے تعلق رکھتی ہے اور جسے محکوم باشندوں پر حکومت کرنے اور اُنھیں لوٹنے کا اختیار رہے۔ اس کے بعد اُس "جرمانوی" گروہ کا (فلانڈرز اور اسکینڈنیویا وغیرہ کے باشندے) جو دوسرے ملکوں میں نازی پارٹی کے نقش قدم پر چلتا ہے پھر اُن غداروں اور ایجنٹوں کا نمبر آتا ہے جو غلاموں کے نگرانوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اور سب سے آخر میں وہ تمام غیر جرمن باشندے ہیں جو محض غلام ہیں اور جنھیں کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں۔

ہٹلر اسی "نظام نو" کے نام پر یورپ کے باشندوں کو کمیونزم اور سوویت یونین کے خلاف

"جہاد" کی دعوت دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ "اینگلو سیکسن یہودی اور بالشویک سازش کے خلاف مغربی تہذیب کے اس جہاد" کے ذریعہ وہ تمام ملکوں کے رجعت پسند سرمایہ دار طبقوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکے گا اور اس طرح یورپ اور دنیا کو اپنے اس "نظام نو" کی زنجیروں میں جکڑ دے گا۔ ہمیں کامل شاہد ہے کہ وہ اسی مقصد کے ساتھ برطانیہ اور ممالک متحدہ کے حکمران طبقہ کو متاثر کرنا چاہتا تھا۔ فاشزم کا وہ پرانا نعرہ جنگ جسے عارضی طور پر ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۱ء کے درمیان بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا آج پھر نمایاں ہے۔ اسی نعرہ کی مدد سے فاشزم نے جرمنی میں اقتدار حاصل کیا تھا۔ اسی نعرہ کے ذریعے جرمن فاشزم نے دوسرے ملکوں کے حکمران طبقوں کی چشم پوشی سے اپنی مسلمہ قوت کی تعمیر کی تھی۔ اور یہی نعرہ بلند کر کے جرمن فاشزم نے اس محاذ امن کو توڑا تھا جو اس کے اقدامات کی روک تھام کر سکتا تھا۔ لیکن پہلے کی طرح اب یہ پرانا شعبدہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ آج صرف چند غدار، فاسد اور زوال پذیر عناصر، عیار اور مطلب پرست افراد ہی ہٹلر کی ہمنوائی کا دم بھر سکتے ہیں۔ ورنہ یورپ کے عوام اس سے انتہائی نفرت کرتے ہیں اور اس فاشسٹ غلامی سے نجات حاصل کرنے کا واحد راستہ یہی سمجھتے ہیں کہ سویٹ باشندوں کے ساتھ متحد ہو جائیں۔ سویٹ عوام کی مدافعت نے یورپ کے باشندوں کی قومی مدافعت میں ایک نیا اعتماد اور نئی جرأت پیدا کر دی ہے آج یورپ کے باشندے "نظام نو" کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں۔ یورپ میں باغیوں کی گرفتاریاں اور ان کا قتل آنے والے جمہوری انقلاب کی تمہید ہے۔

نازیوں نے عارضی کامیابی جو نہتے انسانوں پر حاصل کی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے غاصبانہ منصوبوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ فاشزم کا "نظام نو" قائم نہیں ہو سکتا ــــ لیکن اب تک ہزاروں انسان موت کا شکار ہو چکے ہیں اور ہر روز ان میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنی

تمام کوششیں اور بڑھائیں تاکہ دنیا فاشزم کی لعنت سے جلد از جلد پاک ہو جائے اور آزادی، امن اور ترقی کے راستے کھل جائیں۔

رئیس احمد جعفری نے مہر نگار پریس ٹیمکر اسٹریٹ بمبئی ۸ میں چھپایا اور محمد اطہر علی نے راج بھون
سینڈہرسٹ روڈ بمبئی نمبر ۴ سے شائع کیا